حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی
ملفوظات
حکیم الامت
اِدارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
(061-4540513-4519240

بسلسلہ

حسن العزیز جلد اول حصہ

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

کی مجالس اور اسفار، نشست و برخاست میں بیان فرمودہ انبیاء کرام، اولیاء عظام کے تذکروں، عاشقانِ الٰہی ذوالاحترام کی حکایات وروایات، دین برحق مذہب اسلام کے احکام ومسائل جن کا ہر فقرہ حقائق ومعانی کے عطر سے مُعطر، ہر لفظ صبغۃ اللہ سے رنگا ہوا، ہر کلمہ شرابِ عشقِ حقیقی میں ڈوبا ہوا، ہر جملہ اصلاح نفس و اخلاق، نکات تصوف اور مختلف علمی و عملی، عقلی و نقلی، معلومات و تجربات کے بیش بہا خزائن کا دفینہ ہے اور جن کا مطالعہ آپ کی پُر بہار مجلس کا نقشہ آج بھی پیش کر دیتا ہے۔

جمع فرمودہ حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب

ادارہ تالیفات اشرفیہ اشرفیہ منزل۔ نزد گلی آرٹس، چوک فوارہ ملتان۔

نام کتاب............ملفوظات حکیم الامت جلد-17
تاریخ اشاعت......................... صفر المظفر ۱۴۲۵ھ
ناشر.... اِدَارَہ تَالِیفَاتِ اَشرَفِیَہ چوک فوارہ ملتان
طباعت.......................سلامت اقبال پریس ملتان

ملنے کے پتے

ادارہ تالیفات اشرفیہ چوک فوارہ ملتان
ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور
مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور
مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور
مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ
کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور
دارالاشاعت اردو بازار کراچی
بک لینڈ اردو بازار لاہور
ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K
(ISLAMIC BOOKS CENTRE)
119-121-HALLIWELL ROAD
BOLTON BL13NE. (U.K.)

ضروری وضاحت: ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول ﷺ اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کیلئے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔ تاہم چونکہ یہ سب کام انسان کے ہاتھوں ہوتا ہے اس لئے پھر بھی کسی غلطی کے رہ جانے کا امکان ہے۔ لہٰذا قارئین کرام سے گذارش ہے کہ اگر ایسی کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرما دیں تا کہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ نیکی کے اس کام میں آپ کا تعاون صدقہ جاریہ ہوگا۔ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض ناشر

بتوفیقہ تعالیٰ کچھ عرصہ سے ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان کو اپنے اکابرین کی خصوصی دعاؤں اور توجہ سے حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانویؒ اور دیگر اکابرین کی تالیفات وتصنیفات کی طباعت کا شرف حاصل ہو رہا ہے۔

آپ کے ہاتھوں میں یہ کتاب اسی سلسلہ کی کڑی ہے۔

قارئین کرام سے دعاؤں کی التجا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اخلاص کی دولت نصیب فرما کر ہماری اس حقیر سعی کو شرف قبولیت سے نوازیں۔ آمین!

مزید گذارش ہے کہ آج کل کمپیوٹر کتابت کا دور ہے اور اس میں بار بار تصحیح کے باوجود اغلاط پھر بھی رہ جاتی ہیں اس لئے قارئین سے درخواست ہے کہ دوران مطالعہ جہاں اغلاط سامنے آئیں زحمت فرما کر نوٹ فرما لیں اور بوقت فرصت اغلاط نامہ بھجوا دیں۔ یہ آپ کا ادارہ کے ساتھ خصوصی تعاون ہوگا۔ فجزاک اللہ خیرا

طالب: دعا احقر محمد اسحاق ملتانی

اظہارِ مسرّت وتحسین

ازحضرت اقدس مرشدی ومربی مولانا الحاج محمد شریف صاحب دامت برکاتہم
خلیفۂ ارشد حکیم الامّت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

مجھے دلی خوشی ہے کہ عزیز القدر حافظ محمد اسحاق صاحب مجدد الملت حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تالیفات شائع کرنے کے حریص ہیں۔ انہیں حضرت رح سے صرف نسبت ہی نہیں نسبت کا نشہ ہے۔ حضرت کے مسلک اور مذاق کی تبلیغ کے بہت خواہشمند ہیں اور زرِ کثیر خرچ کر کے حضرت کی کتابیں جو نایاب ہیں چھپواتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ ان کی سعی کو قبول فرما کر ناظرین کے لئے نافعیت اور ہدایت اور اُن کے لئے سرمایۂ آخرت بنائیں۔

دعاگو

احقر محمد شریف عفی عنہ

فهرست

فہرست

فہرست

فہرست

۷ جمادی الاول ۱۳۵۰ھ

ملفوظ (۳۷۶) جس سے دین کا تعلق ہو اس سے تکلف نہیں کرنا چاہیے

ایک صاحب نے جو یہاں آئے ہوئے تھے یہیں سے مٹھائی خرید کر بطور ہدیہ حضور میں پیش کر دی۔ حضرت نے فرمایا کہ آپ نے یہیں خریدی میں موجود تھا۔ مجھ سے مشورہ کر لینا چاہیے تھا تکلف کیا یہ ٹھیک نہیں ہے۔ ان صاحب نے عرض کیا کہ خطا ہوئی۔ فرمایا کہ لوگ غلطی کرتے ہیں۔ زبان سے کہتے ہیں کہ ہم بڑا سمجھتے ہیں۔ لیکن حق ادا نہیں کرتے جن سے دین کا تعلق ہو ان سے تکلف نہیں کرنا چاہیے مجھ سے اگر پوچھتے تو میں کہتا کہ مٹھائی کا مجھے شوق نہیں کوئی بچہ میرے یہاں کھانے والا نہیں بس میں روک دیتا۔ اب بتلائیے اس کا کروں کیا اوروں کا بانٹوں گا احسان تو مجھ پر اور نفع دوسروں کو ہوا۔ ان صاحب نے عرض کیا کہ احسان کچھ نہیں فرمایا تو گویا میں جھوٹ بول رہا ہوں میں تو یہ کہہ رہا ہوں کہ مجھ پر احسان ہوا یہ تو نہیں کہتا کہ آپ نے اپنا احسان سمجھا۔ آپ نے احسان نہ سمجھا لیکن میری طبیعت تو اس سے دبتی ہے آپ کی تقریر کا تو یہ حاصل ہے کہ دینے والے نے احسان نہیں کیا اور میں یہ کہتا ہوں کہ لینے والے کے قلب پر بار ہوا۔ بس مجھ پر تو احسان ہوا اور نفع پڑوسیوں کو۔ دوسرے احسان نہ سہی مگر یہ تو ہوا کہ دوسروں کے کام آئی۔ میرے تو کام نہ آئی میرے کیا کام آئی۔ مجھ کو تو وہ چیز دینی چاہیے تھی جو میرے کام آتی پھر فرمایا مشکل ہے نہ بولتا تو ہمیشہ ان کی غلطی میں رہنے کی خرابی تھی اور اب جو بولا ہوں تو واپسی سے یہ شرم آتی ہے اور تنگی واقع ہوتی ہے کہ اتنی باتیں بھی سنائیں اور پھر بھی نہ لوں اور اگر لوں تو دوسری بے حیائی ہے کہ ایک شخص تو مٹھائی دے میں کڑوائی دوں۔ ہر طرف سے تنگ ہی تنگ ہو گیا۔ سہل طریقہ یہ تھا کہ پوچھ لیتے کہ مٹھائی لانے کا ارادہ ہے میں ایسا بے حیا ہوں کہ صاف بتلا دیتا۔ جب میں حج سے لوٹا تو ایک صاحب نے مٹھائی کھلانی چاہی۔ میں نے کہا کہ کتنی کی منگاؤ گے انہوں نے کہا کہ ایک روپیہ کی۔ میں نے کہا کہ مٹھائی تقسیم کرنے میں میرے حصہ میں بھلا کیا آئے گی وہ ایک روپیہ لاؤ مجھے دیدو میرے کام آئے گا میں تو اتنا بے تکلف ہوں۔ اب تمہیں بتلاؤ لوں یا نہ لوں۔ پھر فرمایا کہ اچھا نصف لی ونصف لکم ہذا تو م جاہلون۔ تا کہ تمہیں بھی تو معلوم ہو کہ بے دلی سے کھانے میں کچھ مزا نہیں آتا۔ جب کھائے گا اور کچھ مزا نہ آئیگا تو معلوم کر دگے کہ ہاں اسے بھی نہ آیا ہو گا۔ سچ جانو تمہاری خاطر ہے جو لئے لیتا ہوں پھر ان صاحب سے کہا کہ اس میں سے آدھی لے لو لیکن پوری آدھی لینا کہیں اس

میں بھی استادی کرو پھران صاحب نے آدھی سے کم لی۔ حضرت نے وہی حصہ اٹھالیا جوانہوں نے اپنے لئے نکال کر رکھا تھا اور وہ آدھے سے کم تھا اور فرمایا کہ اب یہ تو کہہ نہیں سکتے کہ آدھی نہیں ہے کیونکہ خود ہی نصف نصف تقسیم کی ہے اگر یہ نصف سے کم بتلائیں گے تو میں یہ کہوں گا کہ میرے خلاف کیوں کیا اس پر وہ صاحب افسوس سے دیکھنے لگے۔

فرمایا میں نے اول ہی کہہ دیا تھا کہ استادی نہ کرنا۔ اب میں نے استادی کی احقر سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اب تو آپ کی سمجھ میں میرا مکر عظیم ہونا آگیا اس سے پیشتر احقر نے حضرت کا قول نقل کیا تھا کہ اپنا مادہ تاریخ کرم عظیم بتلا کر حضور نے فرمایا تھا کہ چاہیے مکر عظیم کہیے پھران صاحب سے فرمایا کہ خیر بھائی اللہ تعالیٰ برکت کرے اور حلاوت ایمان نصیب کرے ہمیشہ یاد رکھو جس سے دین کا تعلق ہو اس سے تکلف نہیں کیا کرتے۔

ملفوظ (۳۷۷) کتاب کا نفس مطلب سمجھ آنا کافی ہے

ایک طالب علم نے عرض کیا کہ میری سمجھ میں کتابیں نہیں آتیں۔ فرمایا کہ فنا الگ الگ بتلائے جو پورے طور سے بالکل سمجھ میں نہ آئے اور جو کچھ سمجھ میں آئے اور کچھ نہ آئے انہوں نے کہا کہ پوری طور پر کوئی فن سمجھ میں نہیں آتا۔ فرمایا کہ جب پوری طور پر سمجھ میں نہ آئے تو چھوڑ دیجئے معلوم ہوتا ہے مناسبت نہیں ہے۔

اذالم تستطع شیئاً فدعه

ایسی صورت میں ضروری مسائل اردو میں پڑھ لینا کافی ہیں۔ بعد کو گفتگو سے معلوم ہوا کہ نفس مطلب سمجھ میں آجاتا ہے فرمایا کہ بس یہ کافی ہے کہ استاد کی تقریر کے وقت نفس مطلب سمجھ میں آئے چاہے یاد رہے یا نہ رہے کتاب اگر حل ہو جائے۔ انشاء اللہ بعد ختم کے جب خود مطالعہ کریں گے استعداد ہو جائیگی بے دل نہ ہو جائیے یاد چاہے رہے یا نہ رہے کچھ پرواہ نہ کیجئے۔

ملفوظ (۳۷۸) نماز کے وقت میں احتیاط

عصر کے وقت کی اذان بوجہ گھنٹہ کی غلطی کے قبل مثلین کے ہوگئی فرمایا کہ خیر اذان مختلف فیہ وقت میں ہوئی نماز تو متفق علیہ وقت میں ہوگی۔ پھر فرمایا کہ بعض مساجد میں مثلین سے پہلے نماز ہو جاتی

ہے اکثر علماء کی رائے بھی اس بارہ میں ڈھیلی ہے۔

پھر فرمایا کہ نماز کے بارے میں تو میرا بہت ہی جی چاہتا ہے احتیاط پر عمل کرنے کو نماز بڑی چیز ہے قائلین بالمثل بعد مثلین پڑھنے میں بہت سے بہت افضلیت کی نفی کرتے ہیں بلا سے جواز اور صحت تو یقینی ہے۔

ملفوظ (۳۷۹) کندھے پر رومال ڈال کر نماز پڑھنا

ایک صاحب سے فرمایا کہ کندھے پر رومال ڈال کر نماز نہ پڑھنا چاہیے کہ یہ ہیئت خارج من الصلوٰۃ کی ہے۔

ملفوظ (۳۸۰) دنیوی ہنر پر تعریف قرب قیامت کی نشانی ہے

مثنوی شریف میں ایک حکیم شخص کا قصہ آیا جو باوجود عقل و فہم کے یہاں تک غریب تھا کہ پیادہ سفر کر رہا تھا فرمایا حقیقت میں ۔

بناداں آنچناں روزی رساند ۔۔۔ کہ دانا اندراں حیراں بماند

پھر ایک عربی شعر پڑھا ۔

کم عاقل عاقل اعیت مذاھبہ ۔۔۔ وجاھل جاھل تلقاہ مرزوقا

پھر عقل معاش کی بابت فرمایا کہ اب تو اسی کو ہنر سمجھتے ہیں۔حدیث شریف میں ہے کہ قرب قیامت میں دنیوی ہنروں پر تعریف کریں گے کہ کیسا دانا ہے عاقل ہے بڑا ہوشیار ہے ان باتوں پر مدح ہوگی سو واقعی آج کل یہی حالت ہے اگر کوئی نیک ہو بزرگ ہو تو تمسخر سے کہتے ہیں کہ جنتی ہیں یعنی احمق۔ بڑا سخت فقرہ ہے اس سے تو کفر کا اندیشہ ہے۔

ملفوظ (۳۸۱) اہل اللہ کی نسبت یہ خیال کرنا کہ کون بڑا ہے کون چھوٹا ہے بے ادبی ہے:

کشف کا ذکر درس مثنوی میں آیا۔فرمایا کہ ایک قصاب تھے نیک آدمی تھے کیرانہ میں ایک مسجد میں رہتے تھے خود مجھ سے بیان کرتے تھے کہ حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں تھے۔ بیٹھے بیٹھے

یہی خیال آیا کہ خدا جانے حضرت حافظ صاحب کا رتبہ بڑا ہے یا حضرت حاجی صاحب کا۔ حضرت نے فورا فرمایا کہ اہل اللہ کی نسبت یہ خیال کرنا کہ کون بڑا ہے کون چھوٹا۔ بے ادبی ہے۔ خدا کو معلوم ہے کہ اس کے نزدیک کون زیادہ مقبول ہے سب سے حسن عقیدت رکھنا چاہیے تم کو اس کی تحقیق کی کیا ضرورت ہے۔

پیش اہل دل نگہدارید دل تا نباشید از گمان بد خجل

ایک مرتبہ حضرت حاجی صاحب خود بخود فرمانے لگے کہ بعضے آتے ہیں اور دل میں کہتے ہیں کہ اگر یہ بزرگ ہیں تو ہمارے دل کا حال بتلا دیں کہ کیا ہے فرمانے لگے اول تو بزرگی کا دعویٰ کس نے کیا ہے پھر بزرگی کیلئے کشف ضروری نہیں۔ پھر اگر بزرگ بھی ہو اور کشف بھی ہو جائے تو یہ کیا ضرور ہے کہ تم کو بتلا ہی دیا کرے بہت بری بات ہے بزرگوں کے پاس خالی دل لے کر آنا چاہیے تا کہ کچھ لیکر جائے پھر ہمارے حضرت مولانا نے فرمایا کہ معلوم ہوتا تھا اس مجلس میں کوئی ایسا ہوگا۔

ملفوظ نمبر (۳۸۲) لطائف پر محنت کا طریقہ

فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب فرماتے تھے کہ ایک لطیفہ بھی منور ہو جائے تو اس کے ذریعہ سے سب لطائف منور ہو جاتے ہیں۔ پھر ہمارے حضرت مولانا نے فرمایا کہ مشائخ سب لطائف کا تصفیہ کرتے ہیں۔ حضرت حاجی صاحب کے یہاں جیسا کہ حدیث میں ہے ان فی الجسد مضغۃ اذا صلحت صلحت الجسد کلہ الا وھی القلب۔ زیادہ اہتمام قلب کا تھا فرمایا کرتے تھے کہ ذکر کے وقت قلب پر توجہ رکھنی چاہیے جب قلب پر نورانیت ہوگی سب لطائف منور ہو جائیں گے۔

پھر فرمایا کہ جو لوگ کام کر رہے ہیں ان کو تو اس کا مشاہدہ ہے جس سے حضرت کی تحقیق کی قدر ہوتی ہے کہ کیسے محقق تھے۔ لطائف کے بعض ذاکرین کو ایسا منتشر دیکھا ہے کہ ایک لطیفہ سے فارغ ہوکر دوسرے میں لگے اول میں ضعف آ گیا اس کی خبر لی تو دوسرا ضعیف ہوگیا۔ پس ویسی بات ہو جاتی ہے جیسے ایک ہر دلعزیز کی حکایت مشہور ہے کہ وہ کسی کا جی برا نہیں کرتا تھا۔

ایک مرتبہ دریا کے کنارے جانے کا اتفاق ہوا۔ دو معذور شخص کو دیکھا کہ ایک دریا کے ادھر بیٹھا ہے اور ایک ادھر۔ دونوں دریا کو پار کرنا چاہتے تھے دونوں کے اس سے التجا کی یہ ہر دلعزیز تھے ہی انہوں نے سوچا کہ کس کو ترجیح دوں اس کنارے پر جو شخص بیٹھا تھا وہ چونکہ قریب تھا اس لئے اس کے زعم میں اس کا حق مقدم تھا چنانچہ وہ اس کو کندھے پر بٹھا کر لے چلا۔ جب بیچ دریا میں پہنچا تو سوچا کہ اب

دونوں کا حق برابر ہوگیا۔ اب اتنا ہی کام اس کا کروں چنانچہ اس شخص کو کندھے سے اتار کر وہیں بیچ دریا میں چھوڑ دیا اور دوسرے شخص کو لینے چلا اس کو آدھی دور لایا تھا کہ دیکھا وہ پہلا شخص ڈوب رہا ہے اسے پھینک کر اسے چلا سنبھالنے لیکن اتنے میں وہ ڈوب ہی گیا۔ پھر دوسرے کو سنبھالنے کیلئے لپکا تو پہنچ کر دیکھا کہ وہ بھی ڈوب چکا تھا ادھر یہ ڈوب گیا اور ادھر وہ ڈوب گیا۔ اس کی ہر دلعزیزی نے دونوں کو ڈبویا۔

اسی طرح بعضے سالکین کو یہ پیش آیا ہے سب لطائف کے پیچھے پڑ کر ایک لطیفہ کا بھی تصفیہ خاطر خواہ نہیں ہوتا۔ میں مسلک پر اعتراض نہیں کرتا۔ بلکہ مقصود یہ ہے کہ ایک لطیفہ کو لے لو۔ جب اس میں کمال پیدا ہو جائیگا خود بخود سب لطائف سے افعال صادر ہونے لگتے ہیں آگے چل کر مثنوی شریف میں آیا کہ عشق قلب کے اندر اول پیدا ہوتا ہے فرمایا کہ وہی حضرت کے قول کی تائید ہوگئی کہ قلب کو پہلے صاف کرو۔

ملفوظ (۳۸۳) نقشبندیہ اور چشتیہ میں بنیادی فرق

فرمایا کہ نقشبندیہ نے علوم بہت ظاہر کئے ہیں چشتیہ کے یہاں علوم ولوم نہیں سوائے رونے چیخنے مرنے کھپنے جلنے گھلنے کے۔ بس یہاں تو سوز و گداز شورش و مستی اور عشق ہی سے کام ہے میں کہتا ہوں یہی جڑ ہے تمام علوم کی۔ ان کا تو یہ مشرب ہے۔

افروختن و سوختن و جامہ دریدن ۔۔۔ پروانہ زمن شمع زمن گل زمن آموخت

حضرت حاجی صاحب کو جامع پایا۔ عارف بھی تھے عاشق بھی اور معروف بھی ورنہ اکثر چشتیہ عارف تو ہوتے ہیں مگر معروف کم ہوتے ہیں یا تدوین علوم کی کم ہوئی ہے چشتیہ میں حضرت عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات میں تو کچھ علوم پائے جاتے ہیں باقی اور بہت بڑے بڑے حضرات گذرے ہیں۔ حضرت بختیار کاکیؒ، حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ ان کے ملفوظات تو مدون ہیں علوم بہت کم مدون ہیں۔ ہاں اس زمانہ میں حضرت حاجی صاحبؒ نے علوم کو خوب کھول کر بیان فرمادیا ہے۔

ملفوظ (۳۸۴) مضامین مثنوی میں حضرت حاجی صاحبؒ کا درک

فرمایا کہ دو چیزیں باوجود تکرار مطالعہ کے بھی ضبط نہیں رہتیں۔ مطالب مثنوی شریف و معانی قرآن مجید معریٰ کلام مجید پڑھوں تو ضرورت کے موافق تو حل ہو جاتا ہے مگر پوری تفسیر بالکل حاضر نہیں

رہتی۔ جب کوئی آیت حل کرنے کی حاجت ہوتی ہے اپنی تفسیر سے دیکھ کر حل کرتا ہوں پچھلا لکھا ہوا نہیں یاد رہتا۔

اسی طرح مثنوی شریف بھی بدوں مطالعہ نہیں پڑھا سکتا۔ یہ قرآن مجید کا اعجاز ہے کہ اس کے مطالب کا احاطہ نہیں ہوتا اور مثنوی کی کرامت ہے کہ اس کا بھی احاطہ نہیں ہوتا۔

پچھلی تقریر بھی نہیں یاد رہتی۔ پھر فرمایا کہ یہ بھی بات ہے پچھلا یاد رہتا تو مزا نہ آتا پڑھانے میں بس۔

مطرب خوش نوا بگو تازہ بتازہ نو بہ نو

اگر حضرت سے مسائل فن سنے ہوئے نہ ہوتا تو واقعی بات یہ ہے کہ حل بھی نہ ہوتا۔ باقی مطالعہ اب بھی کرنا پڑتا ہے اور جس کو قدرت کہتے ہیں مثنوی پر وہ نصیب نہیں ہوئی مثنوی شریف مولوی صدیق صاحب نابینا مرادآبادی پڑھاتے ہیں بس نیکی سے ان کو انکشاف علوم کا ہو جاتا ہے۔ تقویٰ طہارت ایسی ہی چیزیں ہیں جن سے علوم کھلتے ہیں۔

حضرت حاجی صاحب بھی اصطلاحی عالم نہ تھے لیکن حضرت کے علوم سے علماء دنگ تھے۔ مولانا قاسم صاحبؒ کتنے بڑے عالم تھے یوں فرماتے تھے کہ حضرت حاجی صاحبؒ کا کوئی تقویٰ کی وجہ سے معتقد ہے کوئی کرامت کی وجہ سے میں حضرت کے علم کی وجہ سے معتقد ہوں۔ ایسا شخص یوں کہے پھر حد ہے اور راز اس میں یہ ہے کہ حضرت دیکھے ہوئے تھے وہ دیکھی ہوئی باتیں فرما رہے تھے نرا سننے والا طالب علمی شبہات کرے گا۔ کچھ دیکھے ہوئے ہو تو سمجھ سکتا ہے سنے ہوئے ہیں اور دیکھے ہوئے میں بڑا فرق ہے دیکھنے والا۔ سننے والے کو اس طرح کیسے سمجھا سکتا ہے جیسے کہ ایک شخص سامنے کھڑا ہوا ہو اس کو دکھلا کر یوں کہیں کہ دیکھ یہ کھڑا ہے۔ یہ ضرور نہیں کہ پورا مشاہدہ کئے ہوئے ہو لیکن ہاں کچھ تو دیکھے ہوئے ہو چاہے ریل ہی سے دہلی دیکھی ہو جس سے وہ قیاسی قیل و قال طالب علمی کی دب گئی ہو۔ کجروی کج بحثی ختم ہو چکی ہو حقائق کے ساتھ ذرا مانوس ہو گیا ہو کچھ ذکر شغل کئے ہو چسکا کیفیات کا چکھے ہو تو وہ سمجھے ورنہ نرا ممکن و محتمل محض بیکار ہے ایک طالب علم گئے تھے تیلی کے یہاں تیل لینے وہاں دیکھا کہ بیل کولھو میں اکیلا چل رہا ہے اور وہ تیلی اپنے اور گھر کے کاموں میں مشغول ہے بیل کے گلے میں ایک گھنٹی بھی بندھی ہوئی تھی۔ طالب علم صاحب نے گھنٹی کی وجہ پوچھی اس نے کہا کہ اجی ہم غریب آدمی ہیں کوئی نوکر نہیں چاکر نہیں۔

اگر بیل ہی کو ہانکتے رہیں تو پھر گھر کے اور کام کون کرے اس لئے بیل کے گلے میں گھنٹی باندھ دی ہے جب تک گھنٹی کی آواز کان میں آتی ہے۔ سمجھتے ہیں کہ بیل چل رہا ہے اور جب آواز بند ہو جاتی ہے تو سمجھ جاتے ہیں کہ اب رک گیا اور جا کر پھر اس کو چلا آتے ہیں۔

طالب علم نے احتمال نکالا کہ ممکن ہے کہ کھڑا کھڑا سر ہلایا کرے اور اس سے گھنٹی بجتی رہے۔ تیلی بولا کہ حضور میرے بیل نے منطق نہیں پڑھی تم اور کہیں سے تیل لے لو اگر سن لیا تو میرا بیل بھی بگڑ جائیگا پھر فرمایا کہ ایسا شخص کیا تصوف کی باتیں سمجھ سکتا ہے حضرت سے کوئی کسی مسئلہ حقائق کی بابت کوئی سوال کرتا تو فرماتے کہ جب کام کرو گے آپ معلوم ہو جائے گا۔ حضرت نے کبھی معترض کے اعتراضات کا کچھ خیال نہیں کیا اور واقعی جب سائل نے کام کیا معلوم ہو گیا۔

میرے ایک دوست پہلے تصوف کے قائل نہ تھے کہتے تھے کہ چند کلمات اور چند اصطلاحات کا نام تصوف ہے جب انہوں نے کام شروع کیا تو کیفیات طاری ہونے لگیں کہیں بے چینی کہیں مایوسی کبھی گریہ کبھی خندہ ایک دن اپنا حال ذکر کرتے روتے لگے بری حالت ہوئی میں نے کہا کہ تصوف تو چند اصطلاحات کا نام ہے یہ اصطلاحوں سے رونا کیوں آ گیا یہ تو محض اصطلاحیں ہیں کہنے لگے میری بے وقوفی تھی۔

ملفوظ (۳۸۵) مستحب کیلئے ترک فرض

ایک صاحب نے طالب علمی چھوڑ کر ذکر شغل کا ارادہ ظاہر کیا اور ان مولوی صاحب سے فرمایا کہ مستحب کے لئے فرض چھوڑتے ہو کہاں جائز ہے ترک فرض میں ہمیں کیوں شریک کرتے ہو۔ ہم کیسے مدد دیں۔ پڑھنا کیوں چھوڑتے ہو۔ انہوں نے غالباً کچھ ناداری کا عذر کیا فرمایا کہ کسی مدرسہ میں کھانا مقرر کرا لو۔ سارے ہندوستان میں مدرسے ہی مدرسے ہیں یہاں نہ ہو وہاں نہ ہو۔ تیسری جگہ کہیں نہ ہو کسی مسجد میں جا کر رہو ہزاروں طریقے ہیں۔ کھانا ملنا کیا مشکل ہے۔ کیا سب روپیہ والے ہی ہیں۔ پھر فرمایا کہ لوگ آتے ہیں اپنے کو اصل بناتے ہیں مجھ کو تابع بنانا چاہتے ہیں۔

ملفوظ (۳۸۶) روز کی ڈاک کا روز جواب

حضرت جب تک روز کی ڈاک روز ختم نہیں فرما لیتے چین نہیں پڑتا۔ چنانچہ اکثر بعد مغرب

بلکہ بعد عشاء بھی چراغ جلا کر لکھتے ہیں اور ختم کر کے گھر تشریف لے جاتے ہیں خواہ بوجہ وعظ وغیرہ قیلولہ بھی نہ کیا ہو اور سر میں درد بھی ہو۔ نیند کا غلبہ بھی ہو۔ فرماتے ہیں کہ اگر میں قبل کام ختم کر لینے کے سونا بھی چاہوں تو فضول ہے نیند ہی نہیں آسکتی کیونکہ کام کا خیال ہی سونے نہ دیگا اکثر سر داب داب کر کام کرتے دیکھا ہے۔ قلت نوم اور درد سر کی اکثر شکایت رہتی ہے مگر فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ سے کام میں بفضلہ حرج نہیں واقع ہوتا نہ تکلیف ہوتی ہے بلکہ ایک طرح کا نشہ اور سرور سا رہتا ہے جس سے اور بھی یکسوئی کے ساتھ دماغ کام کرتا ہے اور ایسا ہو جاتا ہے جیسے سان رکھدی گئی ہو ہر کام کیلئے اوقات مقرر ہیں خلاف اوقات کوئی کام لیتا ہے تو سخت تکلیف ہوتی ہے۔

فرماتے ہیں کہ خلاف وقت جو ذرا بھی مخاطب کرتا ہے نہایت شاق ہوتا ہے جلوت کا وقت ظہر کے بعد سے ظہر تک ہے یہی وقت کچھ پوچھنے پاچھنے یا کہنے یا سننے کا ہے دوسرے اوقات میں کوئی تحریری پرچہ بھی پیش کرنا گراں ہوتا ہے فرماتے ہیں کہ میرے اوقات ایسے گھرے ہوئے اور بندھے ہوئے ہیں کہ اگر پانچ منٹ کا بھی حرج ہو جاتا ہے تو دن بھر کے کاموں کا سلسلہ گڑبڑ ہو جاتا ہے مغرب کے بعد یا عشاء کے بعد بعض لوگ سہ دری میں کام کرتے ہوئے دیکھ کر جا پہنچتے ہیں اور بیٹھ جاتے ہیں فوراً اٹھا دیتے ہیں کہ یہ وقت جلسہ کا نہیں ہے۔ میں نے خود سب باتوں کی رعایت کر کے ہر بات کیلئے وقت مقرر کر دیئے ہیں تا کہ کسی کو تنگی نہ ہو چنانچہ ذاکر شاغل لوگوں کیلئے یہ کس قدر آسانی ہے کہ بعد عصر پرچہ دیکر جو کچھ چاہیں کہ سن لیں اور اپنی تسلی کر لیں ورنہ اور جگہ مدت گذر جاتی ہے لیکن خلوت کا موقعہ نہیں ملتا۔ ایک صاحب نے قبل عشاء کچھ گفتگو شروع کی برافروختہ ہو کر فرمایا کہ یہ کیسی بے انصافی کی بات ہے کہ کسی وقت بھی آرام نہ لینے دیں۔ کوئی وقت تو ایسا دینا چاہیے کہ جس میں دماغ کو فارغ رکھ سکوں۔ کیا ہر وقت آپ لوگوں کی خدمت ہی میں رہوں عقل نہیں انصاف نہیں رحم نہیں۔ کوئی لوہے کا پیر ڈھونڈ لو۔ لیکن وہ بھی سسرا گھس جائیگا۔ کسی کو میرا نصف کام بھی کرنا پڑے تو معلوم ہو۔

۸ جمادی الثانی ۱۳۵۰ھ ہجری

ملفوظ (۳۸۷) مرید اور طالب علم کی حیثیت

ایک صاحب تفسیر جلالین حضرت سے پڑھتے تھے ان کو مقصود طالب علمی نہیں تھی۔ بلکہ محض

اس خیال سے بڑھاپے میں پڑھتے تھے کہ آخیر وقت عبادت میں گذر جائے ان کے ساتھ ایک طالب علم بھی جو حضرت سے بیعت ہیں شریک درس ہونے لگے وہ اگر کوئی بے جا سوال کرتے یا کبھی کوئی کوتاہی کرتے تو حضرت کو بہت ناگوار ہوتا ہے ایسے سوالات پر فرماتے کہ یہ مدرسہ نہیں ہے کہ جو چاہا جا بے جا پوچھ لیا۔ یہاں طریقہ کے ساتھ پڑھنا ہوگا برخلاف اس کے ان ضعیف العمر کی اس قدر گرفت نہ فرماتے تھے۔

فرمایا کہ مولوی صاحب (ضعیف العمر صاحب) کو مقصود دین ہے مولوی صاحب سے اور برتاؤ ہے۔ ان طالب علم سے حقوق طالب علمانہ کا مطالبہ کروں گا۔ طبیعت ہر چیز کا ایک مرکز تجویز کر لیتی ہے اور پھر اسی مرکز کو ڈھونڈتی ہے۔ مقصود کے مناسبات پر نظر رہتی ہے میری حدت طبعی نہیں ہے۔ بلکہ تابع ہے اسی خیال کے طبعی ہوتی تو اچھا ہر جگہ کیوں نہ مغلوب ہو جاتا۔ طبیعت ہر شے کا ایک ضابطہ ڈھونڈتی ہے یہ مرض ہے۔ گیڑ بیڑ نہیں کہ جو چاہا سو ہو گیا۔ بالآخر حضرت نے ان طالب علم صاحب کو فرمایا کہ تم شریک مت ہوا کرو تمہیں نقصان ہوگا کیونکہ جب تم حقوق طالب علمانہ ادا نہیں کرتے تو طبیعت منقبض ہوتی ہے اور مرید کو شیخ کے قلب کا انقباض مانع ہو جاتا ہے اس لئے مرید کو اپنے شیخ سے طالب علمی کی حیثیت سے پڑھنا نہیں چاہیے۔ ہاں یہ اجازت ہے کہ بلا کتاب کے یہاں بیٹھ جایا کرو اور سنا کرو۔ سوالات کی یا کتاب لیکر بیٹھنے کی اجازت نہیں اور اگر اپنے طور پر کتاب کا مطالعہ کر کے پھر میری تقریر سنا کرو گے تو انشاء اللہ سب سمجھ میں آجایا کریگا اور محض سننا بھی کافی ہوگا۔

پھر فرمایا کہ دو تین روز سے جیسے یہ بیٹھنے لگے طبیعت الجھنے لگی تیزی آنے لگی مولوی صاحب کے بارہ میں اول سے سمجھ لیا ہے کہ درس تدریس مقصود نہیں اس لئے تغیر ہی نہیں ہوتا تھا۔ خیال عجیب چیز ہے میں نے سوچا کہ یہ تو بڑی علت لگی اس طرح کہاں تک چلا سکوں گا اس لئے میں نے کہا کہ یہ جھگڑا ہے جس چیز سے بوجہ ہو حذف ان طالب علم صاحب سے یہ بھی فرمایا کہ مقصود جو آپ کا ہے اس کے ساتھ یہ چیزیں میل نہیں کھاتیں۔ ایسا ہے جیسے ٹاٹ میں کپڑے کا پیوند لگا دیں اب چاہے آپ کپڑا ہوں چاہے یہ کپڑا ہوں۔ یہ ضعیف العمر صاحب صحبت یافتہ امراء کے تھے اس لئے دوران درس میں بھی حضرت کی لمبی چوڑی تعریفیں بات بات پر کیا کرتے تھے جو حضرت کو ناگوار ہوتا تھا۔

ایک بار ایسا ہی موقعہ پر فرمایا کہ ان باتوں کی اس وقت ضرورت نہیں اس کیلئے جلسہ مدحیہ

نثر و نظم ہفتہ وار جدا ہو جایا کرے یہ تو نیچا فرمایا۔

ملفوظ (۳۸۸) شور اور شہرت سے گریز

ایک صاحب نے مجلس خیر کے متعلق کوئی مطالعہ بذریعہ تحریر کرنا چاہا۔ مشورہ سے وہ معاملہ مناسب نہیں سمجھا گیا۔ جناب مولانا احمد حسن صاحب نے اس تحریر کا جواب تحریر کرنا چاہا فرمایا کہ لکھنے کی ضرورت نہیں زبانی سمجھا دیا جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ پھر فرمایا کہ لکھنا میری رائے میں تمام مضامین کا بلا ضرورت اچھا نہیں کام ہونا چاہیے۔ ضابطہ کی شکل کیوں بنے بلا ضرورت ایک بار فرمایا کہ مجلس خیر کی جو پہلی صورت طبع کتب واشاعت کی تھی وہ بڑے جھگڑے کی تھی۔ تجارت کے سے جھگڑے کرنے پڑتے۔ اب جو صورت محض ترتیب و تہذیب تصانیف کی ہے وہ بہت مختصر اور آسان صورت ہے۔ طبیعت اختصار کو اور سہولت کو بہت پسند کرتی ہے یہ جی چاہتا ہے کہ کام تو بہت ہو اور طریقہ ایسا اختیار کیا جائے کہ کسی کو پتہ نہ چلے کہ اس قدر کام ہو رہا ہے سکوت کے ساتھ کام ہوتا رہے۔ شور اور طوالت انتظام و اہتمام کچھ نہ ہو۔ چنانچہ بفضلہ اب جو یہاں کام ہو رہا ہے اس کی یہی ہیئت ہے اپنے اپنے حجروں میں بیٹھے ہوئے خاموشی کے ساتھ کام کر رہے ہیں۔ اسی کام کیلئے اور جگہ جو روپیوں میں بھی کام نہ ہوتا یہاں کوڑیوں میں ہو رہا ہے۔

طبیعت ہمیشہ مختصر اور سہل عنوان کو اختیار کرتی ہے جس میں نہ کچھ شور ہو نہ شہرت ہو۔ ویسے بعد کو چاہے حق تعالیٰ خود شہرت کر دیں۔ باقی اپنی طرف سے اس کا اہتمام نہیں چاہیے، اور جو کام خالص اللہ کیلئے کیا جائے بلا قصد شہرت وغیرہ کے۔ اس کی حق تعالیٰ شہرت فرما ہی دیتے ہیں چنانچہ جو لوگ چھپ کر عبادت کرتے ہیں ان کی آخر شہرت ہو ہی جاتی ہے۔ طبیعت کچھ ایسی ہے کہ جب میں سفر حج سے واپس آیا تو کانپور میں پہنچنے کی تاریخ کی کسی کو اطلاع نہیں کی۔ حالانکہ گھر کے لوگوں کو کانپور کے اسٹیشن پر بلا ڈولی اترنا سخت شاق تھا کیونکہ قصبات میں پردہ کا بہت خیال کیا جاتا ہے میں نے انکار کر دیا کہ برقع کافی ہے اس سفر میں بھی تو سب جگہ محض برقع ہی میں رہی ہو۔ یہاں کانپور اناؤ لکھنو اور ارد گرد کے بہت سے مقامات سے لوگوں کو بغرض استقبال اسٹیشن پر آنیکا ارادہ ہو رہا تھا۔ میں بلا اطلاع کانپور کے اسٹیشن پر معہ گھر کے لوگوں کے پہنچ گیا۔ اتفاق سے ایک ڈولی بھی کسی کے لئے آئی ہوئی تھی وہ خالی تھی اس میں گھر کے لوگوں کو سوار کر کے چپکے سے گھر پہنچ گئے۔ ورنہ خواہ مخواہ ہجوم ہوتا۔ شہرت ہوتی۔ اتنے لوگوں کو تکلیف

ہوتی۔ بعد میں لوگوں نے بڑی شکایت کی۔

ملفوظ (۳۸۹) وصولی میں تاخیر کرنے والا ادائیگی میں بھی تاخیر کریگا

فرمایا ہمارے قصبہ میں ایک شیخ بہرام بخش بڑے دانا شخص تھے۔ ایک کاشتکار نے کچھ اناج بیج کیلئے مانگا انہوں نے کہا پرسوں آنا اس کو دیر ہوگئی کئی دن بعد آیا۔ مشکل سے تو شیخ جی باہر نکلے اس نے کہا کہ بیج دیدو انہوں نے کہا کہ میں نہیں دوں گا۔ اس نے کہا جی وعدہ کر چکے ہو۔ انہوں نے کہا کہ کب وعدہ کیا تھا اس نے کہا ابجی دیر ہوگئی انہوں نے کہا کہ جب تو اپنے کام کو اتنی دیر میں آیا۔ ادا کرنا تو میرا کام ہے۔ لینے میں دیر میں آیا تو دینے تو جانے کب آئیگا بڑے دانا شخص تھے حکیم تھے۔

ایک مرتبہ بیوی نے کسی شادی میں نیوتہ دینے کیلئے روپیہ مانگے انکار پر بیوی نے کہا کہ وقت پر ہمارے یہاں بھی شادی میں لوگ دیں گے انہوں نے کہا کہ لاؤ چولہے میں دفن کر دیں جب شادی ہوگی نکال لیجئے۔

ملفوظ (۳۹۰) دق کا علاج

ایک صاحب نے دق کے مرض کیلئے تعویذ مانگا فرمایا پڑھنے کا زیادہ اثر ہوگا تعویذ کا کیا اثر۔ پابندی کے ساتھ روزانہ بعد فجر ۴۱ بار الحمد شریف پانی پر دم کر کے دن بھر پلاتے رہیں جب پانی کم رہ جائے اور ملا لیں۔

ملفوظ (۳۹۱) بلا وجہ خود کو بد بخت لکھنا

ایک صاحب نے اپنے آپ کو بد بخت لکھا۔ اس کی مذمت فرمائی۔ فرمایا کہ یہ عجیب محاورہ ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک مرتبہ بڑے بڑے جنٹلمین عہدہ دار ریل میں میرے ساتھ ہو گئے اسی درجہ میں ایک غیر شخص آ گیا اس کو بہت بنایا کھانا کھانے بیٹھے تو اس سے کیا کہتے ہیں کہ آیئے کچھ گوہ موت کھا لیجئے۔ انہیں میں سے ایک نے اعتراض کیا تو کہا کہ اپنے کھانا کو کھانا کہنا یہ بھی تکبر میں داخل ہے تواضع چاہیئے بڑے مسخرے تھے ایسا ہی اپنے کو بلا وجہ بد بخت لکھنا۔

ملفوظ (۳۹۲) طالب علم کا حرج

ایک طالب علم نے کسی اپنے عزیز کے پاس جانے کی اجازت بذریعہ تحریر کے چاہی فرمایا کہ لکھا نہیں کرتے جب پاس ہوں صاف کہو۔ اپنے حرج کا کیا تدارک سوچا ہے یا کچھ پرواہ نہیں سبق کو دیکھ لیجئے حرج کا کیا تدارک ہوگا اگر وہ عزیز آنا چاہیں وہ بھی تو آسکتے ہیں لیکن بات یہ ہے کہ وہ امیر ہیں آپ غریب۔ امیر غریب کے پاس کیوں آئے۔

ملفوظ (۳۹۳) لطافت حس

کچھ تذکرے بعض لوگوں کے بیان فرمائے جن کی نیند بہت گہری تھی پھر فرمایا کہ ایک تو یہ لوگ ہیں ایک میری نیند ہے کہ اللہ اکبر بالکل سکوت ہو۔ سکون ہو، طبیعت میں کسی چیز کی فکر بھی نہ ہو انتظار بھی نہ ہو احتمال بھی نہ ہو کہ کوئی جگائے ہوا بھی ہو۔ روشنی بھی نہ ہو۔ چاہے بستر نہ ہو لیکن تکیہ ہو اچھا یعنی موٹا ہو اور سخت ہو تب نیند آتی ہے اور پھر بھی کبھی آتی ہے کبھی نہیں جس دن نیند کم آتی ہے آنکھوں میں ایک نشہ سا رہتا ہے ایک قسم کی لذت اور سرور ہوتا ہے۔ جیسے کہ نشہ پیا ہو۔ احقر نے عرض کیا حضور کیا سمجھیں کہ نشہ کیسا ہوتا ہے فرمایا کہ جی اس کا اثر سنا بھی ہے اور نشہ والوں کو دیکھا بھی ہے اس سے میں سمجھتا ہوں یہ بھی اللہ کی عنایت ہے کہ بدوں شراب پیے ہوئے اس کا لطف آجاتا ہے۔ حضرت کی حس ایسی لطیف ہے کہ فرماتے تھے میں گھر میں جا کر ہوا میں خوشبو سونگھ کر بارہا بتلا دیا کرتا ہوں کہ آج کیا چیز پکی ہے لڑکیوں کو گماں ہے کہ اسے کشف ہوتا ہے اور واللہ غلط ہے۔

ایک بار الہ آباد میں مدرسہ احیاء العلوم واقع مسجد شیخ عبداللہ میں شب کے وقت حضرت غالباً سونے کیلئے تیار تھے فرمایا کہ کھانے کے تمباکو کی خوشبو آئی۔ معلوم ہوا کہ نیچے لب سڑک تمباکو والے کی دوکان ہے اس نے تمباکو کھولی تھی۔ ایک بار امرود سونے کے کمرہ میں رکھے تھے ان کو علیحدہ کرایا فرمایا کہ جس جگہ ایک بھی امرود رکھا ہو اس کی خوشبو کی تیزی سے مجھے رات بھر نیند نہیں آتی۔ ایک بار فرمایا کہ آج ایک کوٹھڑی میں گیا وہاں پیاز کی تیز بو بسی ہوئی معلوم ہوئی۔ معلوم ہوا کہ تین مہینہ ہوئے یہاں پیاز رکھی ہوئی تھی۔ کچھ دیر بعد اس بو کا احساس جاتا رہا لیکن جس وقت اول اول گھسا ہوں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ساری کوٹھری پیاز سے بھری ہوئی ہے ایک بار فرمایا کہ گھر میں پہنچ کر میں نے کہا کہ اس جگہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شکر کھائی گئی ہے۔ معلوم ہوا کہ دو گھنٹے ہوئے بچوں نے اس جگہ شکر کھائی تھی مجھے ہوا میں اس کی خوشبو محسوس ہوئی۔ سفر میں ہمیشہ دیکھا کہ جب تک ہمراہیوں کی بابت یہ معلوم نہیں کر لیتے کہ کون کہاں سوئے گا

خود آرام نہیں فرماتے۔ آرام کرنے سے قبل دیکھ لیتے ہیں کہ کون کون موجود ہے جو صاحب ایسے موجود ہوئے جن سے ذرا بھی تکلف ہوا ان کو رخصت فرما دیتے ہیں ورنہ نیند نہیں آسکتی اسی طرح بدن دبانے والوں کی بابت تحقیق فرما لیتے ہیں کہ کوئی ایسا تو نہیں کہ جس سے کچھ تکلف ہو۔ دیا سلائی چراغ جانماز پانی ڈھیلے۔ غرض تہجد کی نماز کا سب سامان قبل آرام فرمالینے کے کرا لیتے ہیں۔ ایک بار فرمایا کہ مجھ سے بہت بڑی بڑی روٹیاں نہیں کھائی جاتی۔ چنانچہ اکثر مکان میں خاص طور سے چھوٹی چھوٹی روٹیاں حضرت کے لئے علیحدہ پکائی جاتی ہیں۔

اسی طرح فرمایا کہ بڑی چارپائی پر نیند نہیں آتی نہ بہت بڑے کمرہ میں بیٹھ کر مجھ سے کام ہوتا ہے مختصر کمرہ ہو لیکن ہوادار ہو۔ ایک بار فرمایا کہ استنجا کے ڈھیلے چھوٹے بڑے ہوں تو الجھن ہوتی ہے سب برابر کے لیتا ہوں یا توڑ تاڑ کر برابر کر لیتا ہوں۔ ایک بار فرمایا کہ میں کانپور جب کبھی رات کو کسی دعوت یا وعظ میں دوسرے شخص کے یہاں جاتا تھا تو رات بھر سڑک کا تصور رہتا تھا کہ اتنی بڑی ہے اور نیند نہ آتی تھی۔ چنانچہ میں رات کو کہیں باہر بہت کم جاتا تھا ایک مرتبہ تازہ قلعی کے کچھ دھبے سہ دری کے دہلیز کے فرش میں تھے مسجد میں نماز کے سلام میں ان پر نظر پڑ گئی فوراً پانی سے دھلایا کہ طبیعت کو الجھن ہوتی ہے بہت برے معلوم ہوتے ہیں۔

ایک بار فرمایا کہ کسی کا جھوٹا خواہ اپنے بزرگ ہی کا ہو مجھ سے نہیں کھایا پیا جاتا۔ طبیعت کی بات ہے ہاں ساتھ کھانے میں کچھ بھی کراہت نہیں ہوتی۔ ایک صاحب نے کھنکھار کر بلغم کو منہ میں لے لیا پھر باہر جا کر تھوک آئے فرمایا کہ پیشتر سے منہ میں رکھ لینے کی کیا ضرورت تھی باہر ہی جا کر کھنکھارتے مجھے قے ہوتے ہوتے رہ گئی۔ لوگ اکثر اوپر کو سانس لے کر کھنکھار کو نگل جاتے ہیں۔ اس سے حضرت کو سخت کراہت اور ایذاء ہوتی ہے بارہا تنبیہ فرما چکے ہیں کہ نظافت کے خلاف ہے جو لطیف المزاج ہیں ان کو اس سے سخت ایذاء ہوتی ہے۔ ایک بار فرمایا کہ کانپور میں ایک بدشکل بیچارہ محبت سے مجھ کو پنکھا جھل رہا تھا۔ میری طبیعت اس کو دیکھ دیکھ کر الٹ پلٹ ہو رہی تھی جب برداشت نہ کر سکا تو اس کو میں نے کسی بہانہ سے روک دیا۔ ایک بار کانپور میں عشرہ محرم کے زمانہ میں قیام تھا شب کو پڑوس میں عورتیں ڈولیوں میں بیٹھ بیٹھ کر جاتی تھیں۔ عورتیں ڈولیوں کیلئے پکار پکار کر کہتی تھیں رات بھر حضرت کو نیند نہ آئی فرمایا کہ رات بھر ڈولیوں کا ذکر خیر ہوتا رہا۔ میری نیند ایسی ہے کہ ذرا کوئی ناموزوں آواز سنی اور آنکھ کھلی موذن

آواز سے نیند میں خلل نہیں پڑتا۔ ہنس کر فرمایا کہ اس ڈولی ہی کے ذکر کا اگر مصرعہ بنا کر پڑھتیں تو نیند خراب نہ ہوتی ایک بار کانپور میں ایسے مقام پر قیام ہوا جہاں رات بھر دکانوں میں لوہا پیٹا جاتا رہا۔ لیکن چونکہ مسلسل اور موزوں آواز تھی۔ اس لئے نیند میں خلل نہیں پڑا اگر کوئی ایک ساتھ آواز کر دے تو فوراً آنکھ کھل جاتی ہے اگر بستر کے کنارے چاروں طرف برابر نہ لٹکے ہوں تو اس سے بھی الجھن ہوتی ہے غرض جو لوگ حضرت کے مزاج سے واقف ہیں انہیں حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمتہ اللہ علیہ کی لطافت طبع کا نمونہ نظر آتا ہے حضرت پیرانی صاحبہ مدظلہا کا قول ایک بار حضرت نے نقل فرمایا کہ تم تو کسی بادشاہ کے یہاں پیدا ہوتے تو بہتر ہوتا۔

ملفوظ (۳۹۴) بے عقل کو انگریزی پڑھانا

حضرت کے ایک عزیز ہیں جو واعظ ہیں انہوں نے اپنے لڑکوں کو انگریزی پڑھائی ہے حضرت ان سے بہت ناراض ہیں حضرت نے ان کو منع کر دیا ہے کہ میرے پاس خط مت بھیجا کرو۔ فرمایا کہ انہوں نے اس بات کو گوارا کر لیا لیکن انگریزی پڑھانا نہ چھوڑا یا۔ فرمایا کہ میں نے کہا شرم نہیں آتی۔ وعظ کہتے ہو اور انگریزی اپنے بچوں کو پڑھاتے ہو اگر مولوی نہ ہوتے تو اتنا ناگوار نہ ہوتا اب کیا منہ رہا۔ منبر پر بیٹھ کر علم دین کی ترغیب دینے کا۔ انہوں نے یہ عذر پیش کیا کہ لڑکے کم عقل ہیں اس لئے علم دین پڑھانے کے قابل نہ تھے۔ میں نے کہا سبحان اللہ اس صورت میں تو ان کو علم دین پڑھانا اور بھی زیادہ ضروری تھا کیونکہ اگر کم عقل نہ ہوتے تو ان کے بگڑنے کا اتنا اندیشہ نہ تھا عقل ان کو برائیوں سے روکے رہتی اب جبکہ عقل بھی نہیں اور علم دین بھی نہ ہوگا تو کیا چیز ان کے پاس رہی جو شرار و فتنوں سے انہیں محفوظ رکھ سکے گی۔ یہی دو چیزیں ہیں جن کے ذریعہ آدمی برائیوں سے بچ سکتا ہے اس کا ان سے کچھ جواب نہ بن سکا اور واقعی اس کا بھلا کیا جواب ہو سکتا ہے۔

۸ یا ۹ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ

ملفوظ (۳۹۵) جو قسمت کا ہوتا ہے کہیں نہیں جاتا

فرمایا کہ اکثر لوگ منی آرڈر بھیجتے ہیں لیکن کوپن میں کچھ نہیں لکھتے کہ کس واسطے روپیہ بھیجا ہے اب اگر اس کو وصول کیا جائے اس کو امانت رکھ کر خط کا انتظار کیا جائے پھر بعض اوقات خط پہنچتا ہی نہیں

اس سے خواہ مخواہ کام بڑھتا ہے اور پریشانی ہوتی ہے اس لئے میں ایسے منی آرڈر کو واپس کر دیتا ہوں۔ احقر عرض کرتا ہے کہ مجھ کو بھی حال میں ایک ایسا ہی تجربہ ہوا جس سے حضرت کے اصول کی قدر معلوم ہوئی ایک صاحب نے منی آرڈر بھیجا اور کوپن میں صرف یہ تحریر کر دیا کہ خط ملاحظہ ہو کئی دن تک خط کا انتظار کیا لیکن نہیں آیا ڈاک خانہ میں میں نے اس منی آرڈر کو کچھ دن امانت بھی رکھوایا سخت الجھن تھی کہ نہ معلوم کس لئے روپیہ بھیجا ہے ان صاحب سے صرف ایک بار کی ملاقات تھی اس وجہ سے اور بھی خلجان تھا کہ مجھے روپیہ بھیجنے کی کیا غرض ہو سکتی ہے۔ بالآخر منی آرڈر وصول کیا اور ان سے بذریعہ خط دریافت حال کیا تو معلوم ہوا کہ انہوں نے خط بھیجا تھا لیکن وہ پہنچا ہی نہیں۔

اسی طرح اگر کوپن میں عبارت صاف نہیں ہوتی یا تفصیل نہیں ہوتی تب بھی واپس فرما دیتے ہیں کہ اگر ان کو بھیجنا ہے پھر بھیجیں گے وصول کر کے خود دریافت نہیں فرماتے کہ میں کیوں اپنے ذمہ بلا ضرورت کام بڑھاؤں ان سے پوچھنے میں اپنے اوپر تعب ہے واپسی سے صرف یہ امر مانع ہو سکتا ہے کہ رقم آرہی ہے ہاتھ سے جاتی رہے گی لیکن اللہ کا شکر ہے مجھے کبھی یہ خیال ہی نہیں ہوتا۔ بلکہ ایسی حالت میں واپسی میں راحت ہوتی ہے روپیہ سے بھی آخر کیا مقصود ہے وہی راحت جب نہ لینے میں بھی غرض لینے کی حاصل ہے تو روپیہ نہ آئے بلا سے نہ آئے اگر قسمت میں ہوگا تو ضرور آئے گا یہ خیال کہ اب نہ آئیگا محض وسوسہ ہے۔

؎ انچہ نصیب ست بہم میرسد

ایک صاحب نے تین روپیہ بھیجے اور کوپن میں صرف یہ لکھا کہ تین روپیہ بھیجتا ہوں میں نے منی آرڈر ہی پر یہ لکھ کر واپس کر دیا کہ معلوم نہیں ہوتا کہ کیوں روپیہ بھیجا ہے لہٰذا واپس! پھر انہوں نے تین روپیہ بھیجے اور لکھا کہ آپ کو اختیار ہے چاہے جہاں صرف کر دیجئے میں نے پھر واپس کر دیا اور لکھا کہ اب بھی تحریر نا کافی ہے اول منی آرڈر میں تو کچھ بھی تحریر نہ تھا اس لئے واپس کیا گیا دوسرے میں صرف اتنا تحریر تھا کہ اختیار صرف کا ہے لیکن یہ نہیں معلوم ہوا کہ اختیار کا صرف مالکانہ ہے یا وکیلانہ۔ کیونکہ ایک صورت تو یہ ہے کہ میری ملک ہے اور مجھے اختیار ہے جہاں چاہے صرف کر دوں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ملک تو آپ کی ہے لیکن بطور وکیل کے مجھ کو آپ اختیار دیتے ہیں کہ چاہے جہاں صرف کروں آپ کی تحریر سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ ان دونوں میں سے کون سی صورت مراد ہے اور دونوں صورتوں میں بڑا فرق ہے اس

لئے واپس کیا گیا وہ منی آرڈر پھر واپس آیا اور اب کی بار تحریر بالکل صاف تھی چنانچہ لے لیا گیا۔ اور ظرافت کے طور پر یہ بھی فرمایا کہ اس لوٹا پھیری میں ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ دوبارہ کی واپسی میں دو روپیہ زیادہ آئے یعنی اخیر میں بجائے تین کے پانچ آئے تو جو قسمت کا ہوتا ہے وہ کہیں جا سکتا ہے؟ بعضے لوگ کچھ چیزیں پیش کرتے ہیں لیکن زبان سے کچھ نہیں کہتے ہیں اس کو بھی واپس کر دیتا ہوں اور خود یہ پوچھنا کہ یہ کس کیلئے لائے ہو ذلت معلوم ہوتی ہے اور خود مجھے کیسے خبر ہو غیب کی کہ یہ کس کیلئے ہے کیونکہ لوگ مجھے کبھی مدرسہ کیلئے دیتے ہیں کبھی خود میرے لئے۔ اس حالت میں میں یہ کیسے سمجھ لوں کہ یہ میرے ہی لئے ہے۔ مان نہ مان میں تیرا مہمان صاف کہنا چاہیے۔

ایک بار ایک شخص نے دو بھیلیاں لا کر دیں۔ میں نے گھر پہنچا دیں بعد کو اس نے کہا کہ ایک بھیلی تمہارے لئے ہے اور ایک طالب علموں کیلئے۔ میں نے دونوں واپس کر دیں کہ اب نہ طالب علموں کی لی جائیگی نہ اپنے لئے پھر اس نے کہا کہ معاف کر دو۔ میں نے کہا کہ بس معافی یہ ہے کہ اگر پھر لاؤ گے اور آدمیوں کی طرح لاؤ گے تو انکار نہ ہوگا پھر فرمایا کہ جو چیز لاوے زبان سے صاف کہے۔

ملفوظ (۳۹۶) ضبط اوقات

جو کچھ کسی کو زبانی کہنا ہو یا بجز ذکر و شغل اور کچھ لکھ کر پرچہ دینا ہو اس کا وقت بعد ظہر کے تا اذان عصر ہے عصر کی اذان کے بعد چونکہ نماز کی تیاری ہوتی ہے اس لئے جلدی جلدی سب کاموں کو سمیٹ کر حضرت نماز کیلئے اٹھتے ہیں۔ اذان کے بعد کوئی گفتگو کرتا ہے یا پرچہ دیتا ہے یا تعویذ کی فرمائش کرتا ہے تو ناگوار ہوتا ہے۔ بلکہ اذان کے بعد جلسہ کرنا بھی ناپسند فرماتے ہیں جو لوگ بیٹھ کر اپنے کام میں مشغول رہیں وہ چاہے بیٹھے کام کرتے رہیں لیکن جو شخص جلسہ کی غرض سے بیٹھے ہوں ان کو اٹھ جانا چاہیے تا کہ حضرت یکسوئی کے ساتھ کام ختم کر سکیں۔

ایک صاحب نے بعد اذان ایک پرچہ دیا فرمایا کہ لوگ پرچے عصر کے قریب دیتے ہیں گو میں ان سے کہہ دیتا ہوں کہ ظہر کے بعد دینا وہی وقت ہوتا ہے ڈاک کے ہجوم کا۔ اگر ظہر کے بعد پرچہ آتا تو ساتھ کے ساتھ فراغت کر کے حوالہ کرتا۔

ملفوظ (۳۹۷) مراقبہ اتحاد

ایک صاحب کو حضرت نے اتحاد کا مراقبہ تلقین فرمایا تھا یعنی یہ تصور کرے کہ شیخ اور میں ایک

ہو گئے ان کا خط آیا جس میں اس تصور کا حوالہ تھا۔ استفسار پر فرمایا کہ میں ان امور متعلقہ تربیت باطن میں منقولات کتب کا پابند نہیں جو سمجھ میں آ گیا تجویز کر دیا۔ یہ مراقبہ ان کی مناسبت دیکھ کر تجویز کر دیا ہوگا۔

ملفوظ (۳۹۸) مشورہ شدہ بات میں ترمیم کا طریقہ

فرمایا کہ جو بات میں مشورہ سے طے کرتا ہوں اس میں ترمیم بھی بلا اطلاع مشورہ والوں کے نہیں کرتا۔

ملفوظ (۳۹۹) کبوتروں کے خواب کی تعبیر

بچپن میں کبوتروں کی ایک خواب کی تعبیر اپنے ایک ماموں صاحب کی بتائی ہوئی نقل فرمائی کہ تم کو بلا مجاہدہ شریعت اور طریقت کا نور حاصل ہوگا۔ احقر نے عرض کیا کہ حضور نے بہت مجاہدے کئے ہیں فرمایا کہ میں نے کبھی مجاہدے نہیں کئے کبھی یاد نہیں کہ سال بھر بھی میں نے پوری بارہ تسبیح کبھی پڑھی ہوں۔ حضرت حاجی صاحبؒ کی توجہ اور نیز قلب میں اس دھن کے ہر وقت بسے رہنے سے حاصل ہوا جو کچھ ہوا۔ پھر فرمایا کہ خیر حاصل تو کیا ہوا لیکن انشاء اللہ امید ہے کہ مردودیت تو نہ ہوگی۔

ملفوظ (۴۰۰) کام کرتے وقت ثمرات پر نظر کا نقصان

فرمایا کہ کام کرنے کے وقت ثمرات پر نظر نہ چاہیے۔ اگر کوئی امتحان کے وقت یہی سوچتا رہے کہ نتیجہ کیا ہوگا تو وہ سوالات کے جوابات کیا خاک لکھے گا۔ ایک بار اسی کی مثال یہ فرمائی کہ اگر مزدور سڑک کوٹنے کے وقت اپنی اجرت ہی کے حساب کتاب میں رہے تو وہ کچھ بھی کام نہیں کر سکتا۔ بلکہ ہاتھ پاؤں میں چوٹ لگ جانے کا بھی اندیشہ ہے۔

ملفوظ (۴۰۱) حیوانات میں عقل

بلقیس اور ہُد ہد کے قصہ کا ذکر آیا فرمایا کہ محققین کا قول ہے کہ حیوانات میں بھی عقل ہوتی ہے گو وہ اتنی نہیں ہوتی کہ ان کو مکلف کر سکے۔ ہُد ہُد نے توحید کے متعلق عجیب و غریب باتیں کی ہیں۔ محض طبعی طور پر ایسی باتیں نہیں ہو سکتیں۔ پھر ہنس کر فرمایا کہ ہُد ہُد اتنا بڑا عقل مند لیکن اب کوئی بے وقوف ہو تو کہتے ہیں کہ نرے ہُد ہُد ہی ہو۔

ملفوظ (۴۰۲) اپنی مصلحت کی رعایت

فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ سے میں نے تین چار ہی باتیں سلوک کے متعلق پوچھی ہیں ۔ بفضلہ تعالیٰ زیادہ حاجت نہیں ہوئی ۔ ان میں سے ایک یہ تھی کہ ایک زمانہ میں میرا جی تنہائی کو بہت چاہتا تھا جی میں آیا کہ خلوت میں رہا کروں لیکن اس میں لوگوں کی دل شکنی کا خیال ہوتا تھا حضرت مولانا نے فرمایا کہ اپنی مصلحت کو دیکھ لو اور کسی کا خیال نہ کرو سب کو جھاڑ و بھی مارو اور یہ اس طرح سے فرمایا کہ گویا خود پر گزری ہو۔

ایک بار فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ کا یہ قول مجھے بہت پسند ہے کیونکہ میرے مذاق کے موافق ہے فرمایا کرتے تھے کہ تحمل سے زیادہ کبھی اپنے ذمہ کام نہ لے ۔ چنانچہ ایک صاحب نے مولانا کے کسی مہمان سے بستر کیلئے پوچھا تو معلوم ہونے کے بعد فرمایا کہ اگر اس کے پاس نہ ہوتا تو تم کہاں سے دیتے ۔ اور اگر ایک دو بستر کہیں سے لا کر دے بھی دیئے تو اگر بہت سے مہمان آئے اور کسی کے پاس بھی بستر انہ ہوا تو سب کے لئے کہاں سے لاؤ گے ۔

خبردار! جو کسی سے بستر کیلئے پوچھا ۔ میں کہاں سے بستروں کا انتظام کروں گا جو آئے اپنے ساتھ بستر لاوے ۔ اسی طرح سنا گیا ہے کہ ایک جاڑے کے دنوں میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے اپنی رضائی تو کسی مہمان کو دے دی پھر مولانا گنگوہیؒ سے ان کی اپنے لئے رضائی مانگی تو فرمایا کہ اپنی رضائی کیوں دوسروں کو دیدی ۔ میں تو اپنی رضائی نہیں دیتا جب انہوں نے کہا کہ حضرت میں رات بھر جاڑے مر جاؤں گا ۔ تب دو شرطوں سے دی ایک کہ تہجد کے وقت مجھے واپس کر دینا کیونکہ لحاف اوڑھ کر مجھ سے نہ اٹھا جائے گا اور دوسرے کسی اور شخص کو مت دینا ۔ تا کہ کسی کی جوں نہ چڑھ جائے ۔

ملفوظ (۴۰۳) اپنی مصلحت کی رعایت

فرمایا کہ آدمی سب کو خوش رکھ نہیں سکتا جب ہر حال میں اس پر برائی آتی ہے پھر اپنی مصلحت کو کیوں فوت کرے ۔ جس کام میں اپنی مصلحت اور راحت دیکھے بشرط اذن شرعی وہی کرے ۔ کسی کی بھلائی برائی کا خیال نہ کرے ۔

ملفوظ (۴۰۴) از خود رسید طلب کرنا بے اعتمادی ہے

فرمایا کہ جوابی رجسٹری بھیجنا بے تہذیبی ہے گویا مرسل الیہ کو غیر معتبر سمجھا کہ لے کر مکر جائے گا اسی طرح ہمارے مدرسہ میں کوئی روپیہ داخل کر کے رسید طلب کرتا ہے تو میں روپیہ واپس کر دیتا ہوں کہ اگر ہم پر اعتماد نہیں ہے تو روپیہ ہی کیوں دیتے ہو اور اگر اعتماد ہے تو پھر رسید طلب کرنے کے کیا معنی؟

ملفوظ (۴۰۵) میری سختی کا مقصد

ایک بار فرمایا کہ محض ملاقات کیلئے کوئی آئے اور اپنی اصلاح کا قصد نہ ہو تو پھر خوش اخلاقی کی توقع بے جا نہیں اور اگر اصلاح کا قصد ہے تو پھر اصلاح تو اصلاح کے طریقہ سے ہوگی۔ اگر کوئی شخص طبیب کے پاس محض ملاقات کیلئے آتا ہے تو اس کو شربت بھی پلا دیا جاتا ہے پان بھی کھلایا جاتا ہے۔ ہر طرح کی خاطر تواضع کی جاتی ہے لیکن کوئی مریض علاج کی غرض سے آتا ہے تو اس کو تو کڑوی کڑوی دوائیں اور مسہل ہی دیئے جاتے ہیں۔ ایک شخص اپنے قلب کو میرے سپرد کرتا ہے کہ اس کی اصلاح کرو۔ اگر اس میں کوئی بات قابل اصلاح دیکھوں اور محض دل شکنی کے خیال سے اور مروت میں آ کر اس کی روک ٹوک اور دارو گیر نہ کروں تو یہ خیانت ہے اور چوری ہے جو بات قابل اصلاح ہوگی اس پر مواخذہ کرنا مجھ پر واجب ہے جب تک میں نے اپنے ذمہ اصلاح کا کام سمجھ رکھا ہے جبھی تک میری بد اخلاقی ہے اور جس روز میں نے یہ کام چھوڑا۔ انشاء اللہ خوش اخلاقی کا بھی نمونہ بن کر دکھلا دوں گا اور عنقریب ایسا ارادہ ہے کیونکہ بفضلہ اب تبلیغ بالکل کافی ہو چکی سب کے کانوں میں یہ باتیں پہنچ چکی ہیں۔ اب تو لست علیھم بمصیطر پر عمل کرنے کو جی چاہتا ہے۔ میری سختی قصداً ہوتی ہے مغلوبیت کی وجہ سے نہیں ہوتی۔

میرا تجربہ ہے کہ بلا سختی کے اصلاح ہو نہیں سکتی۔ دوسروں ہی کے نفع کیلئے یہ سختی کرتا ہوں۔ ورنہ مجھے خواہ مخواہ جھک جھک چق چق کرنے سے سوائے تکلیف کے کیا نفع حاصل ہوتا ہے ایک بار فرمایا کہ مجھ کو حیا اس قدر ہے کہ اپنی طرف سے کسی پر دارو گیر کرنا نہایت گراں ہوتا ہے۔

(احقر کو ایک واقعہ یاد آیا بریلی کے سفر میں ایک صاحب نے ریل میں نماز بیٹھ کر پڑھی احقر سے فرمایا کہ مجھے تو کہتے ہوئے شرم آتی ہے لیکن جب میں اسٹیشن پر اتروں تو آپ میری طرف سے ان سے کہہ دیجئے گا کہ فرض نماز میں قیام بشرط قدرت فرض ہے۔ ریل میں بھی اگر کھڑا ہو سکے گو کسی قدر تکلیف ہو تو فرض نماز کھڑے ہو کر ادا کرے ورنہ نماز نہیں ہوتی سنتیں چاہے بیٹھ کر پڑھ لے ان کو مسئلہ معلوم نہیں ہے۔ نمازی آدمی معلوم ہوتے ہیں خواہ مخواہ بیچاروں کا نقصان ہو رہا ہے مطلع کر دینا چاہئے)

پھر فرمایا لیکن جو معتقد ہونے کا دعویٰ کرے پھر لیجئے حکومت ۔

۔ ناز براں کن کہ خریدار تست ۔ ورنہ ۔ کسے را با کسے کارے نباشد۔ ایک بار فرمایا کہ میری سختی جبھی تک ہے جب تک کوئی شخص مجھ سے تعلق رکھنا چاہے اور جو کہدے کہ میں اب یہ تعلق نہیں رکھنا چاہتا۔ پھر جو کوئی بے عنوانی بھی اس کو ناگوار ہو پھر اس کی طرف سے کوئی شکایت قلب میں نہیں رہتی۔

ملفوظ (۴۰۶) مناسبت کی اہمیت

فرمایا کہ بدوں مناسب کے پیری مریدی سے کچھ نفع نہیں ہوتا۔ آج کل اس کا کچھ خیال نہیں کیا جاتا۔

ملفوظ (۴۰۷) ضرورت سے زائد چیز سے وحشت

کھانے کے لئے دستر خوان بچھایا گیا لیکن پورا کھول کر۔ حضرت نے اس کو دوہرا کر دیا اور فرمایا کہ بڑی چیز سے بھی تکلیف ہوتی ہے جبکہ اس کی ضرورت نہ ہو بڑی چار پائی پر نیند نہیں آتی۔ بڑے کمرے میں امراؤ کے بیٹھا نہیں جاتا۔ مختصر جگہ ہو ہاں ہوا دار ہو ایسی جگہ کو جی چاہتا ہے۔ ضرورت سے زائد چیز سے وحشت ہوتی ہے۔ کچھ ایسی واہیات طبیعت ہے احقر عرض کرتا ہے کہ حضرت گھر پر رہ کر بڑی روٹی بھی نہیں کھائی جاتی۔ خاص طور سے چھوٹی چھوٹی روٹیاں حضرت کے واسطے علیحدہ پکائی جاتی ہیں۔ داڑھی ایک مشت سے زائد کٹوا دیتے ہیں فرماتے تھے کہ ہوا میں ہلتی ہے تو الجھن ہوتی ہے۔

ملفوظ (۴۰۸) الوان نسبت

فرمایا کہ نسبت کے بہت الوان ہیں مثلاً نسبت خشیت۔ نسبت ہیبت، نسبت شوق، نسبت محبوبیت وغیرہ۔

ملفوظ (۴۰۹) میری اولاد نہ ہونے کی حکمت اور اولاد کے لئے عمل

فرمایا کہ یہ بھی خدا تعالیٰ کی رحمت ہے کہ میرے اولاد نہیں ہوئی ورنہ چونکہ میری طبیعت میں اہتمام تربیت کا بے حد ہے مجھے سخت الجھن اور مشغولی رہتی۔

ایک بار فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ سے میری خالہ صاحب نے اولاد کے متعلق دعا کیلئے

عرض کیا تھا۔ حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ بھائی! تمہاری خالہ نے مجھ سے دعا کیلئے کہا ہے لیکن میرا تو یہ جی چاہتا ہے کہ جیسا میں ہوں، ویسے ہی تم رہو میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھے بھی وہی حالت پسند ہے جو حضرت کو پسند ہے۔

ایک بار ایسے ہی تذکرہ میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سی اولاد دے رکھی ہے یہی اولاد ہے بلکہ اولاد سے بھی بڑھ کر جو ماں باپ کو اس طرح چھوڑ کر آتے ہیں کہ مجھے سنبھالنا پڑتا ہے کہ ماں باپ سے کہیں قطع تعلق نہ کرنے لگیں۔ ورنہ نافرمانی ہونے لگے۔ مفت کی اولاد حق تعالیٰ نے دے رکھی ہے نہ پالنا پڑا۔ نہ پرورش کرنا پڑا۔

ایک بار بچوں کو دیکھ کر فرمایا کہ دیکھئے کیا رحمت ہے کہ ماں باپ تو پرورش کرنیکی زحمت اٹھائیں خرچ کریں اور ہمیں مفت کا حظ حاصل ہو۔ ایک بار فرمایا کہ اکثر ایسے لوگوں کو جن کے اولاد نہیں ہوتی دوسروں کے بچے دیکھ کر رنج ہوتا ہے اور حسد کرتے ہیں لیکن الحمد للہ مجھے بہت فرحت ہوتی ہے۔ ایک بار ایک صاحب اولاد کا عمل پوچھنے آئے ہنس کر فرمایا کہ اگر مجھے کوئی ایسا عمل معلوم ہوتا تو میں آج دادا اور نانا ہوتا۔ پھر فرمایا کہ ایک عمل مشہور ہے کہ دو انڈے روز ابال کر چھلکا اتار کر ایک پر وَالسَّمَاءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ لکھ کر مرد کھالے اور دوسرے پر وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمَاهِدُوْنَ لکھ کر عورت کو کھلا دے۔ چالیس دن تک ایسا ہی کرے اور اس درمیان کبھی کبھی ہم بستر ہوتا رہے۔

ملفوظ (۴۱۰) معافی کے بعد کدورت ختم

احقر پر ایک بار تنبیہ فرمائی گئی تھی معافی کی درخواست پر فرمایا کہ آپ کو کیا وہم ہو گیا خدانخواستہ میرے قلب میں کچھ بھی نہیں آپ بالکل اطمینان رکھیں اس وقت تو میں کہہ سن لیتا ہوں بعد کو میرے قلب میں مطلق اثر نہیں رہتا۔ بحمد اللہ کسی قسم کی کدورت نہیں رہتی میرے جی میں کچھ نہیں رہتا۔ بلکہ مجھے یاد بھی نہیں رہتا کہ کیا ہوا تھا۔ اسی وقت کہہ سن کر بات ختم کر دیتا ہوں۔ میں اللہ تعالیٰ کے بھروسہ سے کہتا ہوں کہ ایسی صاف طبیعت کا شخص دو چار ضلعوں میں بھی کم ہوگا۔

ملفوظ (۴۱۱) ذکر میں اتفاقی عوارض

ایک ذاکر صاحب نے شکایت کی کہ کبھی کبھی کوئی آنزہی آجاتی ہے فرمایا کہ کچھ فکر نہ کیجئے انشاء

اللہ سب مٹ جائیگی کام میں لگے رہنا چاہیے یہ کوئی مرض نہیں طبعی بات ہے طبیعت کبھی کیسی کبھی کیسی۔ آدمی دونوں وقت کھانا کھاتا ہے کسی وقت تو کھانا کھا کر طبیعت بحال ہو جاتی ہے اور کسی وقت کند۔ یہ تھوڑا ہی ہوتا ہے کہ فوراً علاج کرنے لگے اسے مرض نہیں کہتے بھائی وقت ہے۔ بلکہ کبھی کبھی ایک آدھ دست بھی ہو جاتا ہے۔ حکیم یہی کہے گا کہ یہ اتفاقی بات ہے مرض نہیں ہے پھر فرمایا کہ ایسے ہی عوارض اتفاقی طور پر اس میں پیش آجاتے ہیں۔ کچھ غم نہ کیجئے۔

ملفوظ (۴۱۲) گاؤں میں عارضی اجتماع کی وجہ سے جمعہ کا حکم

فرمایا جس گاؤں میں عارضی اجتماع بوجہ میلہ یا فوج وغیرہ کے ہو جائے اس سے وہ گاؤں ہونے سے خارج نہیں ہوتا۔ اس لئے وہاں جمعہ جائز نہیں۔

ملفوظ (۴۱۳) نری فہمائش کافی نہیں

ایک منی آرڈر میں تفصیل درج نہیں تھی واپس فرما دیا کہ ان کا ایک آنہ ضائع جائے گا اس جرمانہ سے یہ مرض جائے گا۔ نری فہمائش کافی نہیں۔

ملفوظ (۴۱۴) ایک منٹ کیلئے بھی کسی پر بار نہ ہو

مجلس خیر کے قواعد میں کچھ ترامیم ہوئی پیشتر جو شرکت کا وعدہ کر چکے تھے انکو دوبارہ اطلاع ترمیم کی گئی اور صاف لکھ دیا گیا کہ پچھلے وعدہ کا ذرا اثر اپنے قلب پر نہ لیں۔ یہ تجویز کر کے حضرت نے فرمایا کہ جی چاہتا ہے کہ ایک منٹ کے لئے بھی کسی کے قلب پر اپنی طرف سے بار نہ ہو ہم خود انہیں عدم شرکت کا بہانہ کیوں نہ بتا دیں۔

ملفوظ (۴۱۵) وقت کی جان نکال کر تعویذ کا مطالبہ

ایک صاحب بعد اذان عصر تعویذ لینے آئے فرمایا کہ وقت کی جان نکال کر تعویذ لینے آئے ہو۔ ظہر کے بعد فوراً آجانا چاہیے۔ اس وقت بہت تکلیف ہوتی ہے تعویذ لکھنے میں۔

ملفوظ (۴۱۶) بزرگوں میں دیکھنے کی بات

فرمایا کہ بزرگوں میں یہ بات دیکھنا چاہیے کہ حضور ﷺ کی متابعت میں سے کتنا حصہ ملا ہے

مکاشفات وغیرہ سب قصے ہیں مسمریزم کے قصے دیکھے ہوں گے سب خیال کے تابع ہوتے ہیں۔ اصل چیز یہ ہے کہ حضور ﷺ سے کس درجہ مناسبت ہے اور مناسبت بھی بے ساختگی اور پختگی کے ساتھ یوں دوچار دن کو تو سب بن سکتے ہیں بس بڑی بات یہ ہے۔

ملفوظ (۴۱۷) اولیاء اللہ کی حفاظت

فرمایا کہ اولیاء اللہ معصوم تو نہیں ہوتے محفوظ ہوتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ گناہوں سے ان کی حفاظت فرماتا رہتا ہے۔

ملفوظ (۴۱۸) اعجاز مثنوی

فرمایا کہ مولانا رومیؒ کے کلام سے علم حاصل کرنا ہر شخص کا کام نہیں بجز اس کے کہ جس کو خدا تعالیٰ علوم عطا فرمائے یہ کلام ذو وجوہ ہے قرآن شریف کی بعض آیات کی بھی باستثناء محکمات کے یہی شان ہے اسی لئے سب فرقوں نے اس سے تمسک کیا ہے کسی کا قول ہے قرآن چوں مرد تختی ست کہ ہر کس و ناکس بدان تمسک تواند کرد اس لئے حدیث کی اقوال سلف کی سخت ضرورت ہے خود ارشاد فرماتے ہیں ثم ان علینا بیانه یعنی بعد ادائے الفاظ کے پھر بھی حاجت بیان رہتی ہے جو دوسرے طریقہ یعنی وحی خفی سے پوری ہوئی پھر فرمایا کہ مثنوی شریف کی بھی یہی شان ہے یہاں تک کہ حضرت جامی فرماتے ہیں۔

مثنوی مولوی معنوی ہست قرآں در زبان پہلوی

اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس میں قرآن کے مضامین ہیں۔ بلکہ حضرت حاجی صاحبؒ فرماتے تھے کہ اس کا یہ مطلب ہے کہ مثنوی بوجہ الہامی ہونے کے کلام حق ہے فارسی میں جیسا کہ قرآن شریف بوجہ وحی ہونے کے کلام حق ہے عربی میں وہاں وحی سے کلام پیدا ہوا۔

جیسے شجرہ طور میں انا اللہ پیدا ہوا تھا اس کی شان بہت مشابہ ہے قرآن کے یضل به کثیرا ویهدی به کثیرا اور چونکہ مثنوی مجمل اور ذو وجوہ ہے اس لئے مثنوی سے کسی مسئلہ پر استدلال نہیں کرنا چاہیے بلکہ خود اس کو منطبق کرنا چاہیے اصول صحیحہ پر۔

ملفوظ (۴۱۹) بد استعدادی کی زیادہ ذمہ داری اساتذہ کا طرز تعلیم ہے

فرمایا کہ زیادہ ذمہ دار بد استعدادی کا اساتذہ کا طرز تعلیم ہے۔ رعایت ہی نہیں کرتے مخاطب

کے مناسبت کی۔

ملفوظ (۴۲۰) حقیقت مجاہدہ

استفسار پر فرمایا کہ کچھ مادے خراب پیدائشی بھی ہوتے ہیں لیکن ان کے مقتضاء پر عمل نہ کرنا چاہیے یہی مجاہدہ ہے۔

ملفوظ (۴۲۱) عشق مجازی میں گرفتار ذی علم کا علاج

ایک ذی علم عشق مجاز میں مبتلا ہو گئے ان کو دھوکہ ہوا کہ یہ نفسانی محبت نہیں۔ حضرت نے قطعاً محبوب سے علیحدگی کرادی ان صاحب کی رائے ہوئی کہ اس افتراق سے بجائے نفع کے نقصان ہوا وہ کہتے تھے کہ میں تو اپنی طبیعت سے خوب واقف ہوں اگر مجھے علیحدہ نہ رکھا جائے تو میں اس بلا سے نکل کر دکھلا دوں وہ یہ بھی کہتے تھے کہ گو زہر عام طبائع کے اعتبار سے مضر ہے۔ لیکن بعض خاص طبائع کیلئے مفید ثابت ہوتا ہے۔ حضرت کو ان کی اس رائے کی اطلاع ہوئی تو فرمایا کہ اول تو مریض کو حق نہیں کہ طبیب کی تجویز میں دخل دے دوسرے یہ کہ زہر تو کبھی جائز بھی ہے لیکن معصیت تو ہر حال میں معصیت ہے اور ان کو اپنی نیت کا حال خود ہی معلوم ہے کہ اچھی ہے یا بری۔ میں تو نفسانی محبت سمجھتا ہوں پھر اختلاط کی کیسے اجازت دے سکتا ہوں۔ البتہ خود ان کو اپنی نیت کا حال معلوم ہے اگر وہ اس کو معصیت نہیں سمجھتے تو وہ بطور خود جو تدبیر نافع سمجھیں کریں مگر اس طور پر کہ مجھے علم نہ ہو کیونکہ جب میں معصیت سمجھتا ہوں تو میں اجازت دیکر کیوں گنہگار بنوں۔

پھر فرمایا کہ یہ ان کا خیال غلط ہے کہ اختلاط سے کمی ہو جائے گی اسی وقت ایک تسلی سی ہو جاتی ہے لیکن پھر افتراق کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ محبت کم نہیں ہوئی۔ بلکہ اور زیادہ بڑھ گئی یہ بھی فرمایا کہ یہ نفسانی ہی محبت ہے لیکن ان کے سمجھ میں نہیں آتا اور ان کی گریہ بکا کی حالت سن کر ہنس کر فرمایا کہ برسات کا موسم ہے۔ ہوا ہے بارش ہے سب ٹھیک ہو جائیں گے میرے دل میں حق تعالیٰ نے ڈال رکھا ہے کہ انہیں جلد اس سے نجات ہو جائے گی۔ اس لئے مجھے اطمینان ہے انہوں نے اس کو اپنی توہمات سے اور بھی بڑھا لیا ہے اور بہت بڑا سمجھ رکھا ہے مجھے معمولی بات معلوم ہوتی ہے پھر فرمایا کہ مبتلا پر غصہ مجھ کو نہیں آتا ہے۔

ملفوظ (۴۲۲) ہم لوگ عبد احسانی ہیں

فرمایا کہ میرے مواعظ میں امید کے مضامین بہت ہوتے ہیں ترہیب بہت کم ہوتی ہے میری زیادہ غرض یہ ہوتی ہے کہ لوگوں کا لگاؤ اور محبت حق تعالیٰ سے پیدا ہو جائے گی۔ گو خیال ہوتا ہے کہ جرأت معصیت پر نہ ہو جائے لیکن لگاؤ اور محبت اگر پیدا ہو جائے تو معصیت ہو ہی نہیں سکتی۔ یہ حضرت حاجی صاحبؒ کا طریق ہے وہاں بس! تسلی ہی تسلی تھی کسی حال میں مایوس نہ ہونے دیتے تھے۔ یوں فرماتے تھے کہ ہم لوگ عبد احسانی ہیں احسان اور لطف کے بندہ ہیں۔ جب تک آرام اور آسائش میں ہیں تب تو عقائد بھی درست ہیں اور تھوڑا بہت نماز روزہ بھی ہے اور جہاں کوئی مصیبت پڑی بس سب رخصت! اس لیے ہمیشہ حتی الامکان اپنے آپ کو مباح آرام میں رکھنا چاہیے پانی جب پیے نہایت ٹھنڈا تا کہ ہر بن مو سے الحمد للہ نکلے ورنہ گرم پانی پی کر زبان تو الحمد للہ کہے گی لیکن دل شریک نہ ہوگا۔

پھر ہمارے حضرت نے فرمایا کہ ایسا شخص میری دیکھنے میں نہیں آیا نہ آئندہ امید ہے۔ حضرت مولانا مظفر حسین صاحب جن کا تقویٰ مشہور و معروف ہے ان کا مقولہ قاری محمد علی خاں صاحب جلال آبادی سے میں نے سنا ہے یہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت حاجی صاحبؒ سلف صالحین میں سے ہیں یہ حق تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اس زمانے میں پیدا ہوئے یہ بہت بڑی شہادت حضرت حاجی صاحبؒ کے کمال کی ہے کہ ایسے اکابر کی نظر میں حضرت کی اس قدر وقعت تھی۔

ملفوظ (۴۲۳) درس نظامی کے مشکل و آسان ہونے کا راز

۱۰ جمادی الاولیٰ یوم چہار شنبہ درس جلالین شریف میں فرمایا کہ کوئی درسی فن مشکل نہیں اگر ترتیب سے ہو اور کوئی فن آسان نہیں اگر بلا ترتیب ہو بس یہ چیز مفقود ہے مدرسین اور متعلمین دونوں میں استاد جس ترتیب سے پڑھائے اور تقریر کرے اس کے تابع رہنا چاہیے استاد کی تقریر کو نہایت غور سے سننا چاہیے اکثر طالب علم مدرس کی تقریر کے وقت خود بھی کچھ نہ کچھ سوچا کرتے ہیں۔ یہ ہرگز نہیں چاہیے نظر الفاظ پر رکھنی چاہیے اور دھیان تقریر کی طرف۔ ہمہ تن توجہ ہو کر سننا چاہیے مثلاً میں جب تقریر ختم کر چکوں اگر سمجھ گئے ہوں ''ہوں ہاں'' کچھ نہ کچھ کرنا چاہیے اگر نہ سمجھے ہوں دوبارہ پوچھنا چاہیے۔

اگر کوئی بات مستقل پوچھنا ہو بعد ختم تقریر پوچھنا چاہیے۔ نیز میری تقریر کا فضول اعادہ نہ

کیا جائے۔ جیسے کہ بعض کی عادت ہے کہ مدرس کی تقریر کو اعادہ کر کے مدرس سے پوچھتے ہیں کہ کیا اس طرح ہے اگر کوئی اشکال نہیں ہے تو آگے بڑھے لوگ استاد کی ترتیب کے تابع ہو کر نہیں پڑھتے اسی لیے مجھ کو مدرسی میں سخت تکلیف ہوئی۔ طالب علموں کو زجر کرتا تھا۔ دیکھنے والے کہتے تھے کہ یہ تو ذرا سی بات تھی اس پر اتنی خفگی کی کیا ضرورت تھی میں کہتا تھا کہ اس سے پوچھو جس کو محنت کرنا پڑی ہے۔ آج کل بعضے مدرسین خود ہی کچھ محنت نہیں کرتے بے پرواہی کے ساتھ بے ترتیب تقریری کرتے ہیں۔ اسی لیے طالب علم بھی اگر گڑبڑ کرتے ہیں تو انہیں کچھ تکلیف نہیں ہوتی وہ سمجھتے ہیں کہ ہم ہی کون سا حق ادا کر رہے ہیں ان کی تقریر ہی خود ایسی نہیں ہوتی کہ جس کے ضائع جانے کا ان کو قلق ہو جس نے جانفشانی کر کے تقریر کی ہو اور پھر اس کی ناقدری کی جائے اس کے دل سے پوچھئے کہ اس کو کس قدر کوفت ہوتی ہے۔

ملفوظ (۴۴۴) جس سے بیعت ہو اس سے سبق نہیں پڑھنا چاہیے، خود رائی اور اجتہادِ نفس:

ایک صاحب سے جن پر کسی بے عنوانی کے سبب پیشتر خفگی ہو چکی تھی۔ فرمایا کہ کیا کروں عزم تو ضبط کا میں کر لیتا ہوں کہ کسی کو اس طرح نہ کہوں گا لیکن وقت پر یاد نہیں رہتا میرے دل میں خدانخواستہ کوئی غبار نہیں میں تو خادم ہوں مجھے کسی خدمت سے انکار نہیں۔ ہاں یہ ہے کہ بس اتباع کرنا چاہیے۔ اور میں اپنی ذاتی اغراض میں تو اتباع نہیں کراتا وہ انہیں کی مصلحتیں ہوتی ہیں۔ میں نے جب پوچھا تھا کہ وجہ آپ کے اس اجازت لینے کی کیا ہے تو فوراً آپ کو وجہ بتلانی چاہیئے تھی (ان صاحب نے درس مثنوی میں کتاب لے کر بیٹھنے کی اجازت چاہی تھی۔ کہ ایک طالب علم جو حضرت سے بیعت بھی ہے۔ حضرت نے شرکت درس جلالین سے منع فرمایا تھا کیونکہ وہ طالب علمانہ حیثیت سے پڑھتے تھے اور بے ڈھنگے طور پر سوالات کرتے تھے اس لئے حضرت نے فرما دیا کہ چونکہ تم حقوق متعلمی ادا نہیں کرتے اس لئے انقباض ہوتا ہے جو تعلق بیعت میں تم کو مضر ہوگا۔ اس لئے تم بلا کتاب بیٹھ کر سن تو سکتے ہو لیکن طالب علمانہ حیثیت سے پڑھنے کی اجازت نہیں اس لئے بزرگوں نے کہا ہے کہ جس سے بیعت ہو اس سے سبق نہیں پڑھنا چاہیے۔ کیونکہ اس تعلق کے حقوق درس محفوظ نہیں رہ سکتے۔ چنانچہ ان صاحب نے بھی کتاب لے کر مثنوی شریف کے درس میں شرکت کی اس بناء پر اجازت چاہی لیکن واقعہ مذکورہ کا حوالہ باوجود حضرت

کے استفسار کے نہیں دیا۔ اور خود حضرت کے خیال میں نہ آیا کہ یہ اس لیے اجازت چاہتے ہیں اس لئے
اس پر حضرت کو تو نہایت انقباض ہوا اور چونکہ طبیعت نہایت لطیف ہے ان کو اٹھا دیا کیونکہ ان کو دیکھ کر
اور بھی طبیعت منقبض ہوتی۔ بعد کو فرمایا کہ ان کو خواہ مخواہ اس احتمال نکالنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔
اگر شرکت خلاف مصلحت ہوتی میں خود ہی روک دیتا لیکن جب احتمال پر پوچھنا تھا تو میرے پوچھنے
پر جواب بھی دیا ہوتا انہیں صاحب کی معذرت پر یہ گفتگو ہو رہی ہے) ساری خرابی خود رائی کی ہے۔ اتنے
دن آپ کو یہاں رہتے ہو گئے ہیں لیکن آپ کی خود رائی کی عادت میں رائی برابر بھی فرق نہیں آیا یہ آپ
کو یاد ہی نہیں رہتا۔ اجتہاد نہ کیا کیجئے اس سے بڑی تکلیف ہوتی ہے آپ کو بھی اور دوسرے کو بھی علاوہ اس
کے آپ نے اس وقت اتنا بھی نہ فرمایا کہ صاحب مجھ سے غلطی ہو گئی۔ محض ساکت بیٹھا رہنا اس بات کے
سمجھ لینے کیلئے کہ غلطی کو تسلیم کر لیا کافی نہیں ہوتا۔ کیونکہ سکوت سے یہ بھی شبہ ہو سکتا ہے کہ محض ادب کی وجہ
سے ساکت ہوں اور در اصل اپنی غلطی کی بابت اطمینان نہ ہوا ہو چنانچہ اس وقت بھی آپ ساکت بیٹھے
ہوئے ہیں۔ اس وقت بھی یہی شبہ ہے اسی طرح پڑھانے میں اگر ہوں ہاں کرتا رہے تو میری طبیعت
بڑھتی ہے ورنہ شبہ رہتا ہے کہ نہ معلوم سمجھا بھی یا نہیں اگر کوئی بولے کچھ نہیں منہ کو تکتا رہے تو پڑھانے میں
میری طبیعت کھلتی نہیں آپ سے وجہ تصریحاً پوچھی گئی لیکن پھر بھی آپ نے یہی کہہ دیا کہ بس حکم اجازت
کا معلوم ہو گیا۔ اب وجہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں رہی تو گویا آپ نے میری وجہ پوچھنے کو ایک لغو حرکت
سمجھا۔ جس کو آدمی بڑا سمجھے کیا اس کا یہی حق ہے میرا حکم تو خود موقوف تھا وجہ کے معلوم ہونے پر کیونکہ میں
کوئی علم غیب تو پڑھا ہی ہوا نہ تھا۔ بدوں اس کے جس کو آپ حکم سمجھے وہ حکم بھی ابھی حاصل نہیں ہوا۔

اب دیکھئے یہ بڑے میاں (ایک دیہاتی نے اپنے کسی عزیز کی بیماری کا حال تو تفصیلاً بیان
کر دیا اور یہ نہیں بتلایا کہ کیا چاہتا ہے) آئے انہوں نے ایک بحر طویل ہانک دی اور یہ نہیں بتلایا کہ مجھ
سے کیا چاہتے ہیں اگر میں اجتہاد سے کام لیتا تو ان کو تعویذ دے دیتا۔ اور ان کو چاہیے تھی دوا جیسا انہوں
نے بعد تفتیش کے کہا تھا میری بھی محنت ضائع جاتی۔ افسوس آپ کا کوئی کام کلام خود رائی سے خالی نہیں
ہوتا۔ اتنے دن سے رہ رہے ہیں لیکن رائی برابر بھی خود رائی میں فرق نہیں آیا۔ البتہ جس سے تعلق نہ رکھنا ہو
وہ اگر مجھے گالیاں بھی دے تو بھی کچھ نہیں لیکن تعلق والوں کی بے عنوانیوں سے بہت تکلیف ہوتی ہے۔
آپ میں سب کمال ہیں مگر اتباع نہیں۔ طباعت میں مخدوم بنے رہے ہیں اس لئے مزاج میں اجتہاد کی

عادت پڑ گئی اتباع تو بڑی راحت کی چیز ہے یہ بھی کوئی مشکل کام ہے کہ جو کہا جائے وہی کیا جائے۔ بلکہ اجتہاد میں تو ایک مصیبت ہے کہ ہر وقت سوچے کہ کیا کرنا چاہیے اور آپ نے اجتہاد بھی کیا خوب صورت کیا میں نے تو وجہ پوچھی آپ نے اس سے حکم استنباط کرلیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ جب ہم ایسے محسوسات میں اجتہاد کی قابلیت نہیں رکھتے تو غیر محسوسات میں بھلا کیا اجتہاد کریں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے ذمہ تقلید ائمہ کی واجب ہے ان صاحب نے عرض کیا کہ میں قصد تو کرتا ہوں فرمایا کہ غلط ہے قصد میں اتنی غلطیاں نہیں ہوتیں اس کو تو میں بھی مانتا ہوں کہ آپ خلاف کا قصد نہیں کرتے لیکن یہ عدم خلاف کافی نہیں۔ بلکہ قصد عدم خلاف کی ضرورت ہے۔

ملفوظ (۴۲۵) اسراف سے حفاظت

ایک خط کے آدھے کاغذ پر حضرت نے جواب لکھا اور آدھے کو پھاڑ کر اپنے پاس رکھ لیا تو فرمایا کہ اتنا کاغذ تعویذ ہی کے کام آئے گا۔ وہاں یہ ردی ہی میں جاتا لیکن ایسا کاغذ صرف اسی کے خط سے لیتے جس سے بخوبی واقف ہوں ورنہ واپس کر دیتے ہیں۔

ملفوظ (۴۲۶) قرض سے احتیاط۔ امام ابوحنیفہؒ کا کمال تقویٰ۔ امام ابوحنیفہؒ کو ایک بڑھیا سے دھوکہ:

ایک طالب علم جو کہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہیں ان کے پانچ روپیہ قرض کسی دوسرے طالب علم کے ذمہ تھے جو سہارنپور کے مدرسہ میں پڑھتے ہیں ان کو روپیہ کی ضرورت ہوئی انہوں نے قرضدار طالب علم کو لکھا ہوگا۔ قرض دار طالب علم نے سہارنپور سے حضرت کو لکھا کہ آپ پانچ روپیہ میری جانب سے دیدیجئے میں آپ کو بھیج دونگا۔

حضرت نے فرمایا کہ اس قصہ میں کون پڑے یاد رکھنے کا اور پھر وصول کرنے کا اپنے ذمہ کیوں بڑھایا جائے اس سے یہ سہل ہے کہ خود ان موجود طالب علم کو مدرسہ سے بطور امداد کے خرچ دیدیا جائے پھر یہ اپنا روپیہ ان سے جب چاہیں وصول کریں (یہ طالب علم غریب ہیں۔) پھر فرمایا کہ مجھے قرض لینا دینا دونوں ناپسند ہیں۔ حضرت ملا جامی فرماتے ہیں۔

مدہ شاں قرض مستان نیم حبہ   فان القرض مقراض المحبہ

اکثر لوگ اور بھی تساہل کرتے ہیں تو اس قرض خواہ کو جب کوئی ضرورت پیش آتی ہے ضرور اپنے قرض کا خیال آتا ہے کہ کیا کہئے ان کے پاس روپیہ پھنسا ہوا ہے مل جاتا تو کام چلتا تو اس سے بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ ایک شخص کانپور میں آئے کہا کہ پانچ روپیہ قرض چاہئیں۔ میں نے کہا یہ دو روپیہ ہیں یہ ویسے لے جاؤ مگر قرض سے معاف رکھو۔ ان کی ادائیگی کی فکر نہ کرنا خواہ مخواہ قرض خواہ پر بار ہوتا ہے اور دوسرے کو شرمندگی۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ بڑے مالدار تھے جب کسی کو ضرورت ہوتی تھی وہ قرض دے دیتے تھے قرض دار اگر کہیں راستہ میں دکھائی پڑتا تو کترا کر علیحدہ ہو جاتے تھے فرماتے تھے کہ وہ مجھ کو دیکھ کر شرمندہ ہوگا۔ مجھے بار ہوگا اگر سلام کرے گا تو یہ بھی ایک قسم کا نفع ہے قرض دیکر نفع لینا جائز نہیں۔ ممکن ہے کہ خوشامد ہی میں سلام کرے۔ میں مسلمان کو سود دینے سے اور اپنے آپ کو سود لینے سے بچاتا ہوں۔ اگر کسی قرض دار کی دیوار کا سایہ راستہ میں پڑتا تو اس سے بھی بچ کر چلتے کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا انتفاع ہے جو کہ کمال تقویٰ کے خلاف ہے خشیت کا کیا ٹھکانہ ہے اور خوف کا ہم تو ہاتھی بھی ہضم کر جائیں۔

وہ حضرات اتنا خیال رکھتے تھے پھر فرمایا بڑے دانش مند تھے کتاب میں تو نہیں دیکھیں لیکن ثقات اہل علم سے سنی ہوئی حکایتیں ہیں ایک بدوی کا ساتھ کسی سفر میں ہوا۔ حضرت ابوحنیفہؒ نے اس سے پانی مانگا اس کے پاس تھوڑا پانی تھا اس نے کہا کہ ایک درم کو دونگا گو قیمت بہت تھی لیکن پیاس تھی اس لئے آپ نے ایک درم میں خرید لیا۔ آپ نے کچھ پانی پیا اور کچھ میں ستو گھولا۔ بدوی سے فرمایا کہ میاں لیتے ہو بہت اچھا ستو ہے۔ بدوی کہاں بھلا چھوڑنے والا تھا فوراً لے لیا۔ ستو گاڑھا سا تھا کھاتے ہی اس کو پیاس لگی اس نے امام صاحب سے پانی مانگا آپ نے فرمایا کہ مول دیں گے اور ایک درم قیمت لیں گے چونکہ اس کو بہت پیاس لگی ہوئی تھی مجبوراً ایک درم دیکر پانی لینا پڑا امام صاحب نے اپنا درم بھی بچالیا اور مفت میں پانی پی لیا۔ تو گویا ستو کے عوض پانی ہوا۔

امام صاحب فرماتے ہیں کہ میں عمر بھر میں کسی کے دھوکے میں نہیں آیا۔ البتہ ایک بڑھیا نے مجھے دھوکا دیا بڑی استاد تھی۔ ایک چادر لقطہ کا پڑا ہوا تھا۔ لقطہ کے مال کو دیکھ کر واجب ہے اٹھانا۔ اور تشہیر کرنا۔ امام صاحب چلے جا رہے تھے۔ بڑھیا بھی سامنے آ رہی تھی اس کو معلوم ہوا کہ ایک چادر لقطہ پڑا ہوا ہے اس نے سوچا کہ اگر میں خود اٹھاتی ہوں تو میرے ذمہ پڑتا ہے کوئی ایسی ترکیب کرو کہ یہ (امام

صاحب) اٹھائیں کہ پورا حق ادا کر دیں گے۔ ورنہ دوسرا شخص شاید خیانت کرے اور خود ذمہ داری سے بچنا چاہا اس نے کیا ترکیب کی کہ چادر کے پاس آ کر گونگی بن گئی اور اشارہ سے ہوں ہوں کرنے لگی امام صاحب سمجھے کہ یہ اس کا چادرہ ہے گر گیا ہے اس کو اٹھوانا چاہتی ہے۔ امام صاحب اس چادرہ کو اٹھا کر اسے دینے لگے تو وہ بولی کہ یہ لقطہ ہے میرا نہیں ہے اس کی تشہیر کرو امام صاحب چادرہ کو لیے لیے پھرتے تھے کہ بھائی کس کا ہے بڑھیا بڑی استاد تھی فقیہہ تھی فقیہہ۔

ملفوظ (۴۲۷) مسلمانوں کو بھی تجارت میں حصہ لینا چاہیے

فرمایا کہ جی چاہتا ہے کہ مسلمان اناج کی تجارت کریں ظالم تاجروں کے ظلم سے بچیں بس یہ کریں کہ فصل پر غلہ بھر لیا اور جب نرخ بڑھا تو بیچ دیا۔ ظالم تاجر قحط کے زمانہ میں غلہ کو روک کر بڑا ظلم کرتے ہیں مسلمان لوگ اگر کریں تو یہ کیسی اچھی بات ہے۔ کہ قحط سالی میں غریبوں کی بڑی امداد کر سکتے ہیں لیکن مسلمان خود تجارت ہی کو ذلیل سمجھتے ہیں۔

ملفوظ (۴۲۸) حضرت حکیم الامتؒ کے والد ماجد کا توکل

فرمایا کہ والد صاحب کی عمر ۵۴۔۵۵ برس کی ہوئی جتنی اب میری عمر ہے پھر فرمایا کہ نہایت شوق سے والد ماجد صاحب نے مجھے علم دین پڑھایا یہ سب انہیں کا طفیل ہے تائی صاحبہ نے ان سے ایک بار کہا کہ جائداد سے اولاد کا کب کام چلتا ہے نوکری کے بغیر گذر کہیں ہوتی ہے۔ اور اس کو تو عربی پڑھا رہا ہے جس میں نوکری نہیں مل سکتی یہ بیچارہ کیا کریگا۔ یہ سن کر والد صاحب بہت بگڑے کہا بھائی اب کبھی مت کہنا اس بات سے مجھے بہت صدمہ ہوتا ہے تم نے یہ کیا کہا کہ یہ بیچارہ کیا کریگا تم دیکھنا کہ اس کی جوتیوں سے روپیہ لگے لگے پھریں گے اور یہ ادھر رخ بھی نہ کریگا وہ دنیا دار آدمی تھے لیکن اللہ اکبر کس قدر قوی توکل ہے اگر کسی درویش کے منہ سے یہ قول نکلتا تو لوگ ان کی کرامت سمجھتے۔ دیکھئے اتنی دور کی بات سمجھ کر انہوں نے مجھے عربی پڑھائی تھی کس قدر توکل تھا۔ چھوٹے بھائی کو انگریزی پڑھائی۔ مگر بفضلہ تعالیٰ اتنا فرق ہے کہ جنہوں نے انگریزی پڑھی ان کو بار بار افسوس ہو چکا ہے کہ مجھے والد صاحب نے علم دین نہ پڑھایا اور ماشاء اللہ ان کی بھی خوش فہمی اور حب دین ہے۔

اور مجھے ایک دن بھی بحمد اللہ یہ حسرت نہیں ہوئی کہ میں نے انگریزی کیوں نہ پڑھی دل ان

کا بہت اچھا ہے ان کو بہت ہی افسوس ہے اور حسرت ہوتی ہے کہ والد صاحب نے انہیں بھی کیوں علم دین ہی نہ پڑھایا یہ بھی رحمت ہے کہ ان کے قلب میں دین کی محبت ہے ان کا بہت اچھا قلب ہے وعظ میں جب بیٹھے بدوں روئے ہوئے نہیں اٹھے بعض دفعہ چیخیں مار مار کر رویا کرتے ہیں۔ ویسے بہت ذکی اور ذہین ہیں اگر علم دین پڑھتے تو بہت بڑے عالم ہوتے۔

ملفوظ (۴۲۹) مولانا فخر نظامی ملامتی کا واقعہ اور حضرت حاجی صاحبؒ کی تحقیق:

فرمایا کہ حضرت مولانا فخر نظامی ملامتی تھے ایک بار جامع مسجد سے نماز پڑھ کر نکلے ایک بڑھیا نے شربت پیش کیا کہ بیٹا! تیرے لیے بنا کر لائی ہوں اسے پی لے۔ مولانا کا روزہ تھا لیکن بلا تامل پی لیا۔ بعضوں نے کہا ہے کہ فرض روزہ تھا۔ واللہ اعلم۔ لوگوں نے پوچھا کہ حضرت یہ کیا کیا فرمایا کہ بھائی روزہ توڑنا آسان تھا دل توڑنے سے۔ روزہ کی تو قضا بھی ہے دل توڑنے کی قضا کہاں مجھے ساٹھ روزہ کفارہ آسان ہیں اس سے کہ اس کا دل توڑنا۔ پھر ہمارے حضرت نے فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ سے اس کی تحقیق ہے سبحان اللہ مجتہد تھے۔ فرمایا کہ فرض روزہ توڑنا تو کسی کی دل شکنی کے خیال سے جائز نہیں۔ مگر مولانا مغلوب الحال تھے۔ اس وقت ان پر قلب کی حقیقت منکشف ہوگئی اور صوم کی حقیقت منکشف نہیں تھی اگر حقیقت صوم کی بھی منکشف ہوتی تو ہرگز روزہ توڑنا گوارا نہ کرتے کیونکہ حقیقت صوم کی حقیقت قلب سے اکمل ہے اس وقت ان سے حقیقت صوم کی مخفی ہوگئی صرف قلب کی حقیقت مکشوف تھی اس سے مغلوب ہوکر روزہ توڑ دیا پھر ہمارے حضرت نے فرمایا کہ اس وقت کوئی مولوی بلکہ سچ کہتا ہوں۔ ہندوستان بھر میں کوئی درویش بھی سوائے حضرت حاجی صاحبؒ کے اس فعل کی حقیقت نہیں بتلا سکتا تھا۔ عجیب شان تھی کیسی ہی الجھی ہوئی بات ہوتی فوراً سلجھا دیتے تھے تب ہی تو حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ جیسے زبردست عالم فرماتے تھے کہ کوئی تو حضرت حاجی صاحبؒ کی کشف و کرامات دیکھ کر معتقد ہوتا ہے کوئی کچھ دیکھ کر کوئی کچھ دیکھ کر اور میں حضرت حاجی صاحبؒ کا ان کے علم کی وجہ سے معتقد ہوا ہوں۔ حالانکہ حضرت حاجی صاحبؒ کی ظاہری تحصیل صرف کافیہ کی تھی اور اس کے بعد کچھ مشکوٰۃ و بس۔

ملفوظ (۴۳۰) عالم باعمل کا مرتبہ

یکم رجب المرجب ۱۳۳۴ھ دوران درس مثنوی شریف میں فرمایا کہ عالم باعمل کا بڑا رتبہ ہے گو وہ صاحب باطن اس درجے کا نہ ہو۔

ملفوظ (۴۳۱) سالک کا نقل کرنا

فرمایا کہ اگر کوئی سالک اپنے مقام کو چھوڑ کر دوسرے مقام کی نقل کرے تو نقل بنتی نہیں اور امور طبعیہ کے خلاف تو دو دن بھی نہیں چلتی۔

ملفوظ (۴۳۲) گھٹیا قوم کا مقتدا

چند واعظین و مناظرین حال کا ذکر تھا جن کی وجہ سے دین میں بہت کچھ فساد پھیل رہا ہے ان میں سے بعض کا نسب ہی ٹھیک نہیں کوئی گھٹیا قوم کا ہے۔ فرمایا کہ اکثر ایسے لوگ پڑھ لکھ کر اور مقتدا بن کر خود بھی خراب ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ ایسوں کو بس تابع ہی رہنے میں سلامتی ہے۔ مقتدا بن کر غضب ڈھاتے ہیں۔ استفسار پر فرمایا کہ ایسے لڑکوں کو علم دین مقتدائیت کے درجہ کا نہیں پڑھانا چاہیئے جن کی بابت گمان ہو کہ دین میں فساد کرے گا۔ مزاج اور اخلاق دیکھے بچپن ہی سے حال معلوم ہو جاتا ہے۔ مگر مدرسین غور نہیں کرتے۔ انہیں تو مدرسوں کو بھرنے سے مطلب اور چندہ کھینچنے سے۔ ورنہ غور کریں تو معلوم ہو سکتا ہے۔

ملفوظ (۴۳۳) مقتدا کیلئے آفات کا سامنا

فرمایا کہ لوگوں کو مقتدا بننے کا بڑا شوق ہے مولانا فرماتے ہیں۔

خویش را رنجور ساز و زار زار   تا ترا بیرون کنند از اشتہار

اشتہار خلق بند محکم ست   بند ایں از بند آہن کے کم ست

مجھے تو اس مقام کا ایک شعر بہت پسند آیا ہے اس کے آگے پیچھے فرماتے ہیں۔

چشمہا و خشمہا و رشکہا   بر سرت ریزد چو آب از مشکہا

رشک حسد خشم ساری آفتوں کا سامنا ہوتا ہے بڑے بننے سے۔

ملفوظ (۴۳۴) انضباط اوقات کی برکت

احقر کو ہدایت فرمائی کہ انضباط و انتظام اوقات بڑی چیز ہے۔ یہ نہیں چاہیے کہ ایک کام کے وقت دوسرا کام۔ دوسرے کام کے وقت تیسرا۔ جس کام کا جو وقت مقرر ہوا اس کو اسی وقت کرے۔ اس سے بڑی برکت وقت میں ہوتی ہے اور راحت رہتی ہے پھر اپنی نسبت فرمایا میں بعد کھانا کھانے کے دوپہر کو بس سیدھا بالا خانہ پر چلا جاتا ہوں وہاں تنہائی میں چاہے پانچ منٹ کیوں نہ ہوں لیکن سکون ہو جاتا ہے۔ غیر اوقات میں اگر کوئی بات پوچھے تو صبح سے دوپہر تک کام کرنے میں اتنا تکان نہیں ہوتا جتنا کہ دو منٹ میں ہو جاتا ہے سخت الجھن ہوتی ہے کہ جب اس کام کا وقت نہیں تو پھر طبیعت کو دوسری طرف کیوں الجھا دی۔

ملفوظ (۴۳۵) حضرت بشر حافیؒ کا مقام

فرمایا کہ حضرت بشر حافیؒ بڑے رتبہ کے بزرگ ہیں ایک بار حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے امتحاناً ان سے مسئلہ زکوٰۃ کا پوچھا انہوں نے فرمایا کہ تمہاری زکوٰۃ تو یہ ہے کہ جب نصاب پورا ہو اور ایک سال گذر جائے تو چالیسواں حصہ مساکین کو دیدے باقی خود رکھے اور ہماری زکوٰۃ یہ ہے کہ اتنا جمع ہی نہ ہونے دے کہ زکوٰۃ واجب ہو پھر نماز میں سہو ہو جانے کے متعلق پوچھا کہ ایسے قلب کو سزا دینا چاہیے جو خدا کے سامنے کھڑا ہو کر اس سے غافل ہو۔ حضرت امام احمدؒ اس روز سے معتقد ہو گئے۔

ایک بار حضرت بشر حافیؒ کی بہن نے ان کی وفات کے بعد آ کر حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے مسئلہ پوچھا۔ امام صاحبؒ ان کو اس وقت جانتے نہیں تھے۔ حضرت بشر حافیؒ کی بہن سوت کاتا کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ بادشاہ کا جلوس نکلا بہت دور تک مشعلوں کا سلسلہ تھا اور رک رک کر جلوس جا رہا تھا۔ انہوں نے اس روشنی میں سوت کاتا اس کی بابت مسئلہ پوچھا کہ نہ معلوم ان مشعلوں میں تیل جائز ہوگا یا ناجائز کا اس لئے مجھے سوت میں شک ہو گیا ہے اس کا استعمال جائز ہے یا نہیں۔

امام صاحبؒ کو اس عورت کے تقویٰ پر بہت تعجب ہوا پوچھا کہ بی بی تم کون ہو انہوں نے کہا کہ میں بشر حافیؒ کی بہن ہوں حضرت بشر حافیؒ اس زمانہ میں انتقال فرما چکے تھے۔ امام صاحبؒ کو حضرت بشر حافیؒ یاد آ گئے اور آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے۔ پھر فرمایا کہ اگر کوئی اور پوچھتا تو خیر لیکن اب تو میں یہی

کہوں گا کہ بشر حافیؒ کی بہن کو وہ سوت جائز نہیں۔

حضرت بشر حافیؒ پڑھے لکھے نہ تھے۔ حضرت امام حنبلؒ اتنے بڑے مجتہد لیکن ایک بے پڑھے لکھے شخص کے معتقد تھے لوگوں نے کہا بھی کہ آپ عالم ہو کر ایک بے پڑھے لکھے شخص کے کیوں ایسے معتقد ہیں۔ فرمایا کہ میں تو کتاب کا عالم اور عارف ہوں وہ شخص صاحب کتاب کا عارف ہے۔ میں تو صرف کتاب کو جانے ہوئے ہوں وہ صاحب کتاب کو جانتا ہے۔

ملفوظ (۴۳۶) جھوٹ کی گندگی

فرمایا کہ حدیث میں ہے کہ جھوٹ جو بولے تو اس کی ایسی گندگی پھیلتی ہے کہ فرشتہ ایک میل دور چلا جاتا ہے۔

ملفوظ (۴۳۷) فہم و عقل میں نورانیت پیدا کرنے کی ترکیب

فرمایا ہے کہ ؎

چشم بند و گوش بند و لب بہ بند گر نہ بینی نور حق بر ماںجند

کھلی ہوئی بات ہے جب چاہو تجربہ کرلو۔ ملنا جلنا کم کردو۔ ادھر ادھر فضول دیکھنا بھالنا بند کردو۔ معاصی سے اجتناب کرو اس سے خود بخود فہم و عقل میں نورانیت پیدا ہوگی جو لوگ بک بک بہت کرتے ہیں ان کا فہم اور عقل برباد ہو جاتی ہے۔ معاصی سے ادھر ادھر دیکھنے بھالنے سے حواس منتشر ہو کر عقل خراب ہو جاتی ہے۔ مشاہدہ کی بات ہے۔

ملفوظ (۴۳۸) ثناء علی الکریم بھی دعاء ہے

فرمایا کہ ایک محدث نے اس اعتراض کا جواب بہت اچھا دیا کہ حدیثوں میں بعض صیغے توحید کو دعا فرمایا ہے تو انہوں نے جواب دیا ہے کہ ان الثنا علی الکریم دعا یعنی جب کریم کی ثنا کی جاتی ہے کہ آپ ایسے ہیں آپ ایسے ہیں تو اس سے مقصود مانگنا ہی ہوتا ہے کہ عطا فرمایا جائے بہت اچھا جواب ہے۔

ملفوظ (۴۳۹) حضرت حاجی صاحبؒ کے سامنے ہم کسی اور کی طرف التفات ہی نہ کریں:

فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ فرماتے تھے کہ اگر ایک مجلس میں تمام اولیاء اللہ جمع ہوں اور ان میں حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہوں اور ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ بھی ہوں تو ہم تو حضرت حاجی صاحبؒ کے سامنے حضرت جنیدؒ یا کسی اور کی طرف کبھی التفات بھی نہ کریں حضرت حاجی صاحبؒ ہی کے پاس پہنچیں۔ ہاں حضرت حاجی صاحب کو چاہیے کہ وہ ادھر التفات کریں کیونکہ وہ ان کے پیر ہیں ہمیں تو اپنے حضرت حاجی صاحبؒ ہی سے مطلب ہے۔ ہمارے حضرت مولانا کو لوگ خشک کہتے ہیں کسی کو کیا خبر خشک کس کو کہتے ہیں۔

ملفوظ (۴۴۰) مولانا رومیؒ کی اہل اللہ سے محبت

فرمایا کہ حضرت مولانا رومی جس وقت اہل اللہ کی تعریف کرنے پر آتے ہیں تو آپے سے باہر ہو جاتے ہیں بہت ہی محبت ہے۔ حالانکہ بڑے عالم ہیں۔ علماء کو ایسی محبت عشق کے درجہ میں درویشوں سے کم ہوتی ہے مولانا کو تو عشق ہے۔

ملفوظ (۴۴۱) اہل حق کے کلام کو ناتمام دیکھنے سے غلطیاں پیدا ہوتی ہیں

مثنوی شریف کا ایک شعر ایسا تھا جس سے اہل باطل کے کسی عقیدہ کی تائید بظاہر معلوم ہوتی تھی لیکن بعد کے اشعار نے اس شعر کا مطلب بالکل صاف کر دیا تھا۔ فرمایا کہ ہمیشہ یہ قاعدہ ہے کہ اہل حق کے کلام کو ناتمام دیکھنے سے غلطیاں ہوتی ہیں۔ حتیٰ کہ قرآن شریف کا بھی یہی حال ہے۔ ایک آیت کو دیکھتے ہیں دوسری کو نہیں دیکھتے۔

ملفوظ (۴۴۲) مشروع شہوت کے افراط سے باطن کا بھی نقصان ہے

مثنوی شریف کے ایک شعر کی شرح میں فرمایا کہ اس سے بھی زیادہ صاف دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

شہوت دنیا مثال گلخن ست　　　　که از وحمام تقوی روشن ست

حمام کو کوڑے کباڑے سے روشن کرتے ہیں جس سے وہ گرم ہو جاتا ہے۔ دنیا کی شہوت کو ضبط کیا جائے تو اس سے تقوی کی ہمت اور قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ واقعی بالکل صحیح ہے جب شہوت کو روکا جاتا ہے تو طبیعت میں ضرور ایک شگفتگی پیدا ہو جاتی ہے اس شگفتگی کو محفوظ رکھ کر اس سے طاعات میں کام

لینا چاہیے یہ حکمتیں رکھی تھیں۔حق تعالیٰ نے میول وجذبات میں ان سے اب نامشروع موقعوں پر کام لیا جاتا ہے۔خیر نامشروع شہوت سے تو نقصان ہوتا ہی ہے۔مشروع شہوت کے افراط میں بھی نقصان ہے اس واسطے کہ افراط میں نشاط طبیعت کا جاتا رہتا ہے بزرگوں نے بھی اس سے منع کیا ہے اس واسطے بہت غلو نہیں چاہیئے۔

حضرت حاجی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ جہاں تک ہو سکے جمعیت کو ہاتھ سے نہ جانے دے یہاں تک کہ چار پیسے اگر کسی کے پاس ہوں تو ان کو جمع رکھے برباد نہ کرے تاکہ قلب کو جمعیت رہے بے احتیاطوں سے مرضوں کا ہجوم نہ ہونے دو۔ایسی دلیری اور حق گوئی بھی نہ کرو کہ لوگ دشمن ہو جائیں اور قلب کو مشوش کریں۔غرض حضرت حاجی صاحبؒ کے یہاں اس کا بہت ہی اہتمام تھا کہ جمعیت ہو۔اس لفظ کو بہت فرمایا کرتے تھے کہ جمعیت بڑی چیز ہے پھر ہمارے حضرت مولانا نے یہ شعر عربی کا پڑھا ؎

احفظ منیک ان یصب فانہ ماء الحیاۃ یصب فی الارحام

اور فرمایا کہ مجھے یہ شعر بہت ہی پسند آیا۔کہتے ہیں کہ آب حیات ہے (ہنس کر فرمایا) آب حیات تو ایسا ہے کہ اس سے حیات اللہ (تام) پیدا ہوتے ہیں۔مگر یہ شخص اس کو حیات یعنی سانپ بچھو کر دیتا ہے۔

امام غزالیؒ رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جس کو مرض نہ ہو اور اعتدال کے ساتھ قوت بھی ہو اس کو مقویات اور دوائیں کھا کھا کر قوائے شہوانی کو از راہ ہوس برانگیختہ کرنا ایسا ہے۔جیسے کہ سانپ بچھو خاموش پڑے تھے ان کو چھیڑنا شروع کیا کہ آؤ مجھے کاٹو۔مرض ہو وہ اور بات ہے۔امراء کو اس کا بہت شوق ہوتا ہے۔میں نے اس پر اس لئے تنبیہ کی ہے کہ مشروع شہوت کے افراط سے بھی باطن کا نقصان ہوتا ہے۔

ملفوظ (۴۴۳) حضرت حاجی صاحبؒ کے باکمال اساتذہ

فرمایا کہ مولانا عبدالرزاق صاحب حضرت حاجی صاحبؒ کے مثنوی کے استاد تھے انہوں نے مولانا الٰہی بخش کاندھلوی خاتم مثنوی سے پڑھی تھی اور ان کو خاص مولانا کی روح سے فیض پہنچتا تھا۔حضرت حاجی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ میری سند بہت قریب کی ہے مولانا فتح محمد صاحب ان کا (یعنی مولانا عبدالرزاق صاحب کا) مقولہ نقل فرماتے تھے کہ جب مثنوی پڑھتا ہوں تو دنیا ومافیہا کی خبر نہیں

رہتی۔ اتنا فیض تو کھلا ہوا ہے کوئی راستہ میں آتا جاتا ملتا تو اس سے بھی کہتے کہ آؤ مثنوی پڑھ لو۔

کوئی کہتا ہے کہ حضرت فارسی نہیں جانتا فرماتے کہ میاں کریما بھی پڑھی ہے بس جیسی کریما ویسی مثنوی۔ کچھ بھی مشکل نہیں۔ ایسا شوق تھا کہ ہر شخص کو مثنوی پڑھنے کیلئے کہتے تھے کم سے کم سومرتبہ تو پڑھائی ہوگی۔ بلکہ زیادہ مولانا فتح محمد صاحبؒ نے کمال کیا یہاں مدرس تھے جمعرات کو عصر پڑھ کر چلتے مغرب اور عشاء کے درمیان جھنجھانہ پہنچ جاتے۔ صبح کی نماز پڑھ کر خدمت میں حاضر ہو جاتے ایسے ہی پڑھنے والے ایسے ہی پڑھانے والے جمعہ کی نماز تک پڑھتے۔ پھر بعد نماز کے عصر تک پڑھتے بعد عصر کے وہاں سے چل کر یہاں آجاتے اخیر میں مولانا عبدالرزاق صاحب نے ان سے کہا کہ بہتر ہے جلد ختم کر لو کچھ دن کی رخصت لیکر چلے آؤ۔ چنانچہ رخصت لے کر پہنچ گئے۔ مثنوی شریف ختم ہی کر کے آئے تھے کہ کچھ دن بعد انتقال ہو گیا مولانا کی یہ کرامت ہے ان کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ ان کا وقت اخیر ہے اچھا ہے مرنے سے پہلے کتاب ختم ہو جائے پھر فرمایا کہ حضرت پیرانی صاحبہ نے بھی انہیں سے مثنوی شریف پڑھی تھی ان کو مثنوی سے بہت مناسبت تھی حضرت حاجی صاحبؒ سے مثنوی پڑھتے میں علماء سوالات کرتے حضرت پیرانی صاحبہ گاہ گاہ پردہ کے پیچھے بیٹھ کر سنا کرتی تھی۔ بعض اوقات علماء کے سوالات سن کر ان کو جوش ہوتا تھا کہ فرماتیں بس نہیں کہ پردہ سے نکل کر تقریر کر دوں بڑی بزرگ تھیں عجیب وغریب صفات تھیں۔ مولانا عبدالرزاق صاحب نابینا تھے۔ لکڑی کے فن میں نہایت کامل تھے۔

ایک شخص خود اپنا مشاہدہ مجھ سے بیان کرتے تھے کہ ہم چند آدمی حاضر ہوئے ہماری درخواست پر فرمایا کہ اب تو میں اندھا ہو گیا لیکن خیر کچھ تمہاری سمجھ کے مطابق دکھائے دیتا ہوں ایک چارپائی پر رومال لے کر الٹے لیٹ گئے۔ چارپائی کے نیچے دانے ڈلوائے ایک چڑیا آکر چگنے لگی فرمایا کہ بس اب یہ نکل نہیں سکتی۔ چنانچہ واقعی نکلنے نہیں دیا رومال سے قلعہ باندھ لیا۔ میرے چھوٹے بھائی ہیں محمد اختر ان کے پرنانا تھے بڑے کامل شخص تھے یوں معلوم ہوتا ہے مثنوی شریف میں ان کی عمر گذر گئی۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ ہزاروں شخص فقط مثنوی کے شغل سے اولیاء اللہ ہو گئے۔ محض مثنوی شریف کے مطالعہ اور اس پر عمل کرنے سے مقصود تک پہنچ گئے۔ لیکن مثنوی شریف سے فیض حاصل کرنے کیلئے یہ ضروری ہے کہ قواعد شرعیہ میں ماہر ہو اور علوم عقلیہ میں بھی چاہے ماہر نہ ہو لیکن کچھ ضرور جانتا ہو۔ بس بات یہ ہے کہ عجیب کتاب ہے میاں ظفر نے خواب میں مجھ کو مثنوی پڑھتے دیکھا ہے شاید خدا کے یہاں یہ مثنوی پڑھانا۔

مقبول ہوتا ہوا گر تصرف ہو خیال کا تو فال نیک ہے۔ حضرت کے یہاں ہمیشہ مثنوی ہوتی تھی جب پڑھانے بیٹھتے فرماتے آؤ بھائی مثنوی کی تلاوت کرلو بڑا عشق تھا۔ کوئی بات باطن کی پوچھی جاتی بس مثنوی کا شعر پڑھ دیتے تھے۔ اس قدر عبور تھا خوب سمجھے ہوئے تھے کہ فلاں مقام پر یہ مسئلہ بیان فرمایا ہے۔ ایک شخص مولانا رومی کے سلسلہ کے اسعد آفندی کے عالم بھی تھے صاحب سلسلہ بھی تھے سب کچھ تھے لیکن حضرت سے بیعت ہوئے خرقہ حاصل کیا اجازت اشغال کی لی۔ دوہ ان کا لقب تھا۔ دوہ اس کا لقب ہوتا ہے جس نے بارہ برس تک مجاہدات شاقہ کئے ہوں حضرت مثنوی شریف پڑھا رہے تھے اردو میں تقریر فرما رہے تھے گو فارسی حضرت بہت اچھی جانتے تھے بول بھی سکتے تھے لیکن بے تکلفی اردو میں تھی اسلئے اردو ہی میں تقریر کرتے تھے تقریر مختصر ہوتی تھی وہ شیخ بیٹھے محظوظ ہو رہے تھے مولوی نیاز احمد نے عرض کیا کہ اگر یہ اردو سمجھتے ہوتے تو بہت حظ آتا فرمایا کہ اس حظ کے لئے اس زبان کی ضرورت نہیں اور برجستہ یہ اشعار پڑھے ؎

پارسی گوگرچہ تازی خوش تر ست — عشق را خود صد زبان دیگر ست

عشق آں دلبر چو پراں مے شود — ایں زباں با جملہ حیران مے شود

ملفوظ (۴۴۴) اذان محلّہ کیلئے اور تکبیر صرف مسجد کیلئے ہے

۲ رجب المرجب ۱۳۳۴ھ ایک طالب علم موذن نے تکبیر بہت بلند آواز سے کہی فرمایا کہ تکبیر میں اس قدر کیوں چلاتے ہو تکبیر صرف مسجد کیلئے اذان محلہ کیلئے۔ بعد نماز مکرر سمجھایا کہ شریعت کو سمجھ لو۔ اذان محلہ کیلئے ہے تکبیر صرف مسجد کیلئے ہے تم نے تکبیر ایسی زور سے کہی کہ میرے تو کان پریشان ہو گئے تکبیر کیوں کہی اذان ہی کہہ لیتے۔

ملفوظ (۴۴۵) دل کی شہادت

عرصہ سے بہیتانی والوں کا تقاضا تھا عدم فرصتی کا عذر حضرت کو ہمیشہ رہتا ہے اب کی جمعرات کیلئے فرمادیا کہ گاڑی بھیج دینا اگر فرصت ہوئی چلا آؤں گا ورنہ گاڑی واپس چلی جائیگی لیکن جمعرات کی صبح کو حضرت نے گاؤں کہلا بھیجا کہ گاڑی نہ لائیں فرصت نہیں۔ اتفاق سے دو پہر کی گاڑی سے چند مہمان آگئے اور حضرت کے چھوٹے بھائی صاحب بھی تشریف لے آئے فرمایا کہ دیکھئے صبح میرا جی

جانے کیلئے نہیں چاہتا تھا اس لئے گاڑی کو منع کر دیا تھا لیکن اب معلوم ہوا کہ نہ جانا ہی اچھا ہوا جی نہیں چاہتا تھا۔ خدا نے ویسا ہی کر دیا۔ گو فرصت بھی نہیں تھی لیکن ممکن تھا فرصت نکل آتی لیکن جی نہیں چاہا اس لئے صبح ہی کہلا بھیجا جمعہ کے دن وہ لوگ حاضر خدمت ہوئے تو فرمایا جی نہیں چاہتا تھا یوں ہی کہلا بھیجا دوپہر کی گاڑی میں مہمان آگئے ہیں میں تو بھائی کہیں آنے جانے کے قابل رہا نہیں اچھا ہوا۔ صبح کہلا بھیجا ورنہ تم آتے جاتے تو تکلیف ہوتی۔

ملفوظ (۴۴۶) بدعت کا ایک اثر

ایک صاحب جو داخل سلسلہ تھے کسی بات پر خفا ہو کر یہاں سے چلے گئے تھے ان کا پھر خط معافی کا آیا اور اپنی سخت حماقت کا اقرار کیا۔ فرمایا کہ نہ معلوم لوگ جا کر پھر کیوں آتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ جس شخص کی طبیعت میں بدعت کا اثر ہوگا وہ ہمیشہ ایسی ہی غلطیاں کریگا بڑے بڑے مشائخ کے یہاں یہ جانے والے تھے۔ نہ معلوم کہاں کہاں پھرتے ہوں گے۔

احقر نے عرض کیا کہ مجھے بہت مسرت ہوئی کیونکہ مجھے ایسے لوگوں کی محرومی پر سخت افسوس ہوا کرتا ہے۔ فرمایا کہ افسوس ہی کی کیا بات ہے ان کا تو کچھ نقصان نہیں کیونکہ وہ دوسری جگہ جا سکتے ہیں اور میرا فائدہ ہے کہ مجھ پر سے بوجھ ہلکا ہوا۔

ملفوظ (۴۴۷) اجتہاد ممنوع ہونیکی حکمت

ایک صاحب کو کچھ نقل کرنے کیلئے دیا گیا انہوں نے ایک نوٹ کو اپنی رائے سے جگہ بدل کر لکھ دیا بہت ناخوش ہوئے فرمایا کہ آپ کو اجتہاد کی کس نے اجازت دی تھی۔ اور اجتہاد کیا خوب صورت کیا ہے کہ میری تمام مصلحتوں کو برباد کر دیا۔ جس طرح لکھ کر دیا تھا اسی طرح آپ کو نقل کرنا چاہیئے تھا۔ اب اور کاموں میں بھی آپ کا کیا اعتبار رہا۔

آپ سے تعجب ہے اتنے دن ہو گئے آپ کو مجھ کم بخت کا مزاج بھی نہیں معلوم ہوا پھر فرمانے لگے کہ بڑی رحمت ہوئی حق تعالیٰ جزائے خیر دے۔ فقہا کو جنہوں نے اب اجتہاد کو منع فرما دیا۔ جب لوگ ایسی موٹی موٹی باتوں میں غلطیاں کرتے ہیں تو شرعیات میں تو کیا کچھ نہ کرتے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موٹی موٹی باتوں کا بھی فہم لوگوں میں نہیں رہا۔ شرعیات کا تو کہاں ہوتا۔ ویسے یہ حرکت ادب کے بھی

تو خلاف ہے۔

حضرت حاجی صاحبؒ نے خود مجھ سے بیان فرمائی حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی حکایت کہ حضرت حاجی صاحب نے کوئی تحریر نقل کرنے کیلئے انہیں دی ایک جگہ حضرت سے غلطی ہوگئی تھی۔ مولانا نے نقل کرتے وقت جگہ چھوڑ دی نہ بنایا نہ صحیح کر کے لکھا کیونکہ یہ ادب کے خلاف ہے بعد کو اطلاع بھی کی تو اس طرح کہ حضرت یہ مقام سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ ملاحظہ فرمالیا جائے حضرت فرماتے تھے کہ جب میں نے دوبارہ دیکھا تو معلوم ہوا کہ افوہ مجھ سے غلطی ہوگئی تھی۔

احقر نے عرض کیا کہ ہم لوگ تو محض عوام ہیں۔ ہماری بدفہمی کے قیاس پر مطلقاً اجتہاد کی قابلیت کی نفی کیسے کی جاسکتی ہے۔ ایسے حضرات کا فہم معتبر ہوسکتا ہے۔ جیسے حضرت مولانا گنگوہیؒ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ تو ان کی مجتہد کیوں نہ کہا جائے۔ فرمایا کہ یہ حضرات مجتہد نہیں تھے مجتہد کو دوسرے کی تقلید حرام ہے مجتہد گنہگار ہوگا۔ اگر تقلید کریگا ایسی مثال ہے کہ جیسے سوانکھا کہے کہ نہیں میں تو آنکھ بند کر کے دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر چلوں گا۔

پھر فرمایا کہ آپ کہتے ہیں کہ ہم لوگ عوام ہیں تو یہ بھی دیکھئے کہ بات بھی تو ویسی ہی موٹی تھی۔ جس میں ان صاحب نے اس وقت غلطی کی ہے بس یہی حال ہوگا۔ علماء غیر مجتہدین کا باریک باتوں میں پھر فرمایا کہ رام پور میں ایک طالب علم تھے جن کی کتابیں ختم کے قریب تھیں ان کی درخواست پر میں نے ان کو لاحول پانچ سو بار پڑھنے کیلئے بتلایا تھا۔ ایک بار مجھ سے مل کر شکایت کی کہ نفع نہیں ہوا آپ کے بتلانے پر لاحول لاحول لاحول پانچ سو مرتبہ پڑھ لیتا ہوں۔ لیجئے یہ مولوی تھے لاحول سے میرا مطلب پوری لاحول تھا۔ وہ صرف لاحول ہی سمجھے میں نے کہا لاحول ولاقوۃ۔ میں نے بھی لاحول پڑھ دی بہت ہی قحط ہے فہم کا۔ بڑی غنیمت ہے وہ حضرات دین کو منقح کر کے مدون کر گئے۔ اطمینان سے بیٹھے بس ان کی تقلید کئے جائیں اسی میں سلامتی ہے اول تو فہم نہیں دوسرے تدین نہیں اگر اجتہاد کی اجازت ہو تو رات دن اپنے نفس کے موافق مسئلے نکالا کریں۔

اسی دوران گفتگو میں ایک ذی علم و ذی استعداد مولوی صاحب کا بھیجا ہوا فتویٰ غیر جگہ سے بغرض دستخط ایک صاحب نے لا کر دیا کہ فلاں صاحب نے دیا ہے۔ حضرت نے دریافت فرمایا کہ یہ واپس کس طرح جائیگا۔ لانے والے صاحب نے کہا کہ مجھ سے تو کچھ بھی نہیں کہا۔ صرف یہ دینے کیلئے کہہ

دیا تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ سبحان اللہ پھر فرمایا لیجئے یہ خواص ہیں خدا تعالیٰ نے خواص کا بھی دکھلا دیا اجتہاد۔ پھر لانے والے نے عرض کیا کہ مجھے دیدیا جائے میں پہنچا دوں گا۔ فرمایا کہ اگر آپ پیشتر کہتے تو خیر اب تو آپ نے تنگ دیکھ کر یہ کہا ہے میں اپنے اوپر آپ کا کیوں احسان لوں۔ کام تو ان کا ہے اور آپ تو اس کو اپنے ذمہ لیتے ہیں میری خاطر میرے یہاں بھی اس کیلئے ایک جگہ ہے یہ فرما کر چوکی کے خانہ میں رکھ لیا اور فرمایا کہ امانت رکھا رہیگا۔

ملفوظ (۴۴۸) نگاہ بد اختیاری ہے

فرمایا کہ ایک صاحب کو اسی میں کلام تھا کہ نگاہ بد اختیار میں نہیں۔ اس پر بہت ہی اصرار کرتے رہے۔ میں نے کہا کہ سوچو تو بعد کو انہوں نے لکھا کہ واقعی میں غلطی پر تھا نگاہ اختیار میں ہے۔ میں نے ان سے کہا تھا کہ اصل وجہ یہ ہے کہ نفس سے تکلیف گوارا نہیں ہوتی۔ نگاہ ہٹانے میں الجھن ہوتی ہے تکلیف گوارا نہیں کرتے نفس کے ساتھ ہو لیتے ہو تمہارا جو خیال ہے اس سے تو شریعت پر اعتراض لازم آتا ہے کہ اس نے ایسی چیز کا مکلف کیا ہے جو اختیار میں نہیں۔

احقر عرض کرتا ہے کہ اس گفتگو کے وقت احقر بھی حاضر تھا۔ یہ بھی فرمایا تھا کہ اگر عورت کی چھاتی پر سوار اور زنا کا مرتکب ہونے والا ہو اس وقت بھی ہٹنا اختیار میں ہے گو مشقت چاہے جتنی ہو۔ کیونکہ اس وقت بھی اس کو شریعت حکم کرتی ہے کہ اس سے باز آ جاؤ ایسی حالت میں اگر اختیار نہ مانا جائے تو اس سے نعوذ باللہ قرآن کی تکذیب لازم آتی ہے کیونکہ ارشاد ہے لایکلف اللہ نفسا الخ سوچئے تو کہ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں کہاں تک یہ بات پہنچتی ہے۔

ملفوظ (۴۴۹) اللہ کے نام کو اغراض فاسدہ کا آلہ نہ بنانا چاہیئے

ایک صاحب نے حزب البحر کی اجازت چاہی اور لکھا کہ نوکری سے تنگ آ گیا ہوں استعفیٰ دے کر گھر بیٹھ کر اللہ اللہ کرتا رہونگا۔ حزب البحر کی اجازت عطا فرما دیجئے۔ تاکہ رزق گھر بیٹھے ملتا رہے بہت لمبا چوڑا خط تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ انہوں نے تو اتنا بڑا خط لکھا یہاں سے یہ جواب جاتا ہے کہ حزب البحر ان کاموں کیلئے نہیں ہے پھر فرمایا کہ یہ حالت ہے لوگوں کی اللہ کے نام کو آلہ بنا رکھا ہے اغراض فاسدہ کا حزب البحر تو دو پیسے میں آتی ہے اگر حزب البحر ایسے کاموں کے لئے ہوتی تو نہ کوئی ہل چلاتا نہ کوئی کھیتی

کرتا۔ بس حزب البحر دو پیسے میں خرید کر مزے میں گھر بیٹھے دونوں وقت کھانے کومل جایا کرتا۔

ملفوظ (۴۵۰) حق کی قوت

فرمایا کہ بعض اہل حق میں بھی ایک خاص مذاق گروہ بڑھانے کا پیدا ہو گیا ہے ایک صاحب ایک جگہ مدرس تھے جب تک وہاں مدرس رہے ہمیشہ مجھ سے وہاں پر وعظ ہونے کی فرمائش کرتے رہے اور ضرورت ظاہر کرتے رہے۔ وہاں سے اور کہیں تبدیل ہو گئے تو پھر انہوں نے وعظ کے لئے اس جگہ کا نام بھی نہیں لیا۔ اگر وہاں واقعی واعظ کی ضرورت لوگوں کو تھی تو وہاں سے چلے آنے کے بعد پھر وہاں کیلئے وعظ کی فرمائش کیوں کبھی نہیں کی گئی۔

بس معلوم ہوا کہ ان کی غرض محض یہ تھی کہ اگر یہاں وعظ ہوگا تو لوگ ہمارے قدردان ہوں گے اور ہماری مصلحتیں قوی ہو جائیں گی۔ میں جو کانپور گیا تو وہاں بہت لوگوں نے بیعت ہونا چاہا۔ میں نے انکار کر دیا کہ سفر میں میں بیعت نہیں کرتا۔ ایک دوست اپنی ہی جماعت کے وہاں تھے بہت نیک شخص ہیں۔ لیکن مذاق کہاں سے بدل سکتے ہیں وہ تو راسخ ہو گیا ہے انہوں نے مجھ سے کہا کہ اجی انکار کیوں کرتے ہو کیوں نہیں کر لیتے اپنا مجمع بڑھے گا۔ قوت ہوگی میں نے کہا انا للہ! مولانا آپ فوج بھرتی کر رہے ہیں۔ یہ کیا کہا کہ اپنا مجمع بڑھے گا۔ قوت ہوگی۔ جناب حق میں تو وہ قوت ہے کہ اگر عالم بھر میں صرف ایک اہل حق ہو اور باقی سب اہل باطل تو وہ سمجھتا ہے کہ ان کی حقیقت ہی کیا ہے میں ان سب پر غالب آ سکتا ہوں اور اگر اتنی قوت نہیں تو وہ حق ہی نہیں وہ کیا اہل حق ہے جس کی غیر پر نظر ہو لاحول پڑھیے خاک ڈالنی چاہیئے ایسے خیال پر۔ حق تو وہ چیز ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے جب منکرین زکوٰۃ سے قتال کا قصد کیا تو سب صحابہؓ نے اختلاف کیا کہ مصلحت کے خلاف ہے فتنہ برپا ہوگا یہاں تک کہ حضرت عمرؓ بھی اس اختلاف میں شریک تھے۔ حضرت صدیقؓ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ **اجبار فی الجاھلیة خوار فی الاسلام** حالت کفر میں تو تم ایسے سخت تھے اسلام میں ایسے بودے ہو گئے۔ جاؤ میں کسی کا انتظار نہیں کرتا کسی سے میری درخواست ساتھ دینے کی نہیں مجھے کسی کے ساتھ کی حاجت نہیں۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ان اللہ معنا حضور ﷺ کے ساتھ میں ہی تھا لہٰذا نص قطعی سے ثابت ہے کہ میرے ساتھ خدا ہے۔ بس جب میرے ساتھ خدا ہے مجھے کسی کی پرواہ نہیں۔ اکیلا کندھے پر تلوار رکھ کر نکلوں گا اور تمام عالم کے مقابلہ میں تنہا کافی ہوں۔ خدا میرا ساتھ دے گا یہ سن کر سب دم بخود رہ گئے اور موافقت

کرلی۔ پھر ہمارے حضرت مولانا نے فرمایا کہ آج کل ایک اور مرض بھی ہے وہ یہ کہ مرید ہونے کے لئے لوگوں کو اپنے بزرگ کے پاس لاتے ہیں اور سفارش کرتے ہیں اور حضرت افسوس ہے اس کی قدر بھی ہوتی ہے مجھے تو ایسی چڑ ہے کہ ذرا بھی معلوم ہو جائے کہ یہ کسی کا لایا ہوا ہے تو اسے مرید کرتا ہی نہیں تا کہ وہ ان ترغیب دینے والے کو گالیاں دے۔اور پھر انہیں سفارش کا حوصلہ نہ رہے۔ جناب طلب وہ چیز ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے کسی کی سفارش کی ضرورت ہی نہیں حضرت کہنے کی تو بات نہیں لیکن میرے یہاں کون سی بات چھپی ہوئی ہے۔ بعضے شخص ایسا آتا ہے کہ اس کو دیکھتے ہی خود جی چاہتا ہے کہ اس سے کہیں تم ہم سے بیعت کرلو۔ جب اس سے باتیں ہوتی ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود سر سے پیر تک طلب میں غرق ہے۔

دیکھئے جان نہ پہچان ایک بالکل اجنبی شخص پہلی ملاقات لیکن خود جی چاہتا ہے کہ یہ ہم سے بیعت کی درخواست کرے ویسے خود کہتے ہیں کہ تم ہم سے مرید ہو جاؤ شرم آتی ہے کیونکہ عرف کے خلاف ہے اور طریق کی بدنامی بھی ہے جیسے لڑکی کے نکاح کیلئے خود کہنے میں شرم آتی ہے لڑکی والا خود کہہ دیتا تھا کہ تم ہماری لڑکی سے نکاح کرلو۔ پھر فرمایا کہ اگر طلب صادق دیکھ کر کہہ ہی دے کہ تم ہم سے مرید ہو جاؤ تو کیا حرج ہے۔ لیکن پھر بھی یہ اس لئے مناسب نہیں کہ شاید اپنا یہ خیال کہ یہ طلب صادق ہے غلط ہو تو جناب طلب وہ چیز ہے کہ خود اس کی طرف کشش ہوتی ہے ایک بار اسی قسم کی گفتگو تھی فرمایا کہ جس کسی کی بابت مجھے یہ تمنا ہوئی کہ یہ درخواست بیعت کی کرے اس نے ضرور مجھ سے بیعت کی درخواست کی۔ جس کا خیال ایک سکینڈ کیلئے بھی قلب میں آ گیا خواہ بالکل سرسری اور گزرتا ہوا ہی ہو۔ لیکن تھوڑے دن بعد کیا دیکھتا ہوں کہ چلے آرہے ہیں کبھی اس کے خلاف نہیں ہوا۔ ایسا شخص جب بیعت کے لیے کہتا ہے فوراً کر لیتا ہوں کہ خدا نے منہ مانگا بھیجا ہے۔ اس سے نخرے نہیں کرنا چاہیے دوسرے یہ بات ہے کہ جو سفارش کے ذریعے بیعت ہونا چاہتا ہے تو معلوم ہوتا ہے یعنی اس کا ایہام ہوتا ہے گو یہ نیت نہ ہو لیکن صورت اس کی ہوتی ہے کہ اس کو نیازمندی سے عار ہے کیسی سفارش۔ بعضے طالب علم مدرسین سے خود درخواست کرتے ہیں کہ سند لکھ کر دیجئے۔ منہ مانگنا دلیل اس بات کی ہے کہ انہیں خاک نہیں آتا۔ اگر صاحب کمال ہیں تو بڑی سند یہ ہے کہ طالب علم لے کر بیٹھ جائیں پھر خود ہی ان کا اہل کمال ہونا ظاہر ہو جائے گا۔ اور اگر کچھ نہیں آتا تو لاکھ سندیں ہوں کچھ بھی نہیں سند لے کر طالب علموں کو پڑھانے بیٹھے انہوں نے سوالات شروع کئے۔ مولوی صاحب کو کچھ آتا ہو تو جواب دیں۔ کیا ان کا طالب علموں

سے یہ کہنا کافی ہو جائے گا کہ دیکھو میرے پاس سند موجود ہے گو اس وقت مجھے نہیں آیا لیکن تم میرے معتقد کمال رہنا کیونکہ میرے پاس سند موجود ہے۔ واہیات۔ خرافات کیا رکھا ہے سند میں اور دستار میں۔ خیر اگر اساتذہ خود عطا فرمائیں دل و جان سے قبول کرنا چاہیے۔ وہ دوسری بات ہے باقی درخواست کرنا اور کوششیں کرنا محض فضول حرکت ہے۔

پھر فرمایا کہ یہاں تک بے تمیزی بڑھ گئی ہے کہ کانپور میں ایک درجن سے زیادہ مدرسے ہیں۔ دو مدرسوں میں ایک ہی زمانہ میں جلسہ دستار بندی ہوا۔ ایک مدرسہ کے ایک طالب علم ایسے تھے کہ انہوں نے کچھ کتابیں دوسرے مدرسہ میں بھی پڑھی تھیں ان کو وہاں کے لوگ کھینچنا چاہتے تھے۔ تاکہ یہ نام ہو کہ ہمارے یہاں اس کی دستار بندی ہوئی۔ انہوں نے کچھ لالچ بھی دیا اس کو شبہ ہو گیا۔ پہلے مدرسہ والوں کو انہوں نے جلسہ سے ایک دن پہلے ان طالب علم کو کسی بہانہ سے ایک کمرہ میں بٹھایا انہیں خبر نہیں ایک ایک کر کے اٹھ گئے۔ جھٹ کواڑ بند کر کے کنڈی لگا دی۔ رات بھر وہیں بیچارہ کو رکھا۔ قفل لگا دیا صبح بھی نہ کھولا۔ غریب کو پیشاب پاخانہ کسی کام کیلئے نہ نکلنے دیا۔ جب سندوں کی تقسیم شروع ہوئی ان کو بھی نکال کر پگڑی باندھ کر چھوڑ دیا کہ اب جاؤ جہاں جاہو۔ بھلا خیال فرمایئے ایسی حرکتوں سے کیوں نہ ذلت ہو۔ یہی حال اس زمانہ میں پیری مریدی کا ہے۔ پھر فرمایا کہ اب تو کانپور کے گلی کوچوں میں ظلمت برستی ہے شہر کی شکل بھونڈی بھونڈی معلوم ہوتی ہے۔ مجھے تو وہاں جا کر ظلمت صاف محسوس ہوتی ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہاں نہ دین ہے نہ علم ہے بالکل ظلمت ہی ظلمت معلوم ہوتی ہے۔ پھر اپنے زمانہ کا حال دیر تک فرماتے رہے۔ کہ اس زمانہ گو اختلاف تھا لیکن بد تہذیبی نہیں تھی۔ اور کشاکشی نہیں تھی نوک جھونک ہوتی تھی لیکن تہذیب کے ساتھ جیسی کہ اہل کمال میں ہوا کرتی ہے۔ پھر یہ تفصیل فرمایا کہ رویت ہلال کے متعلق جو اختلاف اور تشویش ہوا کرتی تھی۔ ان کا انسداد میں نے یہ کیا کہ ایک عالم کو مدار فتویٰ اس باب خاص میں ٹھہرانے کے اوپر علماء شہر کو راضی کر لیا۔ پھر کوئی اختلاف نہیں ہوا مولانا احمد حسن صاحب کی بابت فرمایا کہ میرے خلاف ایک کتاب لکھی گئی تھی انہوں نے اس پر دستخط بھی کئے ان کا مسلک میرے خلاف لیکن ایک دعوت میں ہم دونوں شریک تھے انہوں نے سب کے سامنے میرے سامنے کی فیرنی کی پیالی قصداً لیکر اسی جگہ سے کھائی جس جگہ سے میں نے کھائی تھی۔ پھر میں نے بھی ان کے سامنے کی پیالی لے کر ایسا ہی کیا۔ خیر میں نے تو بدلہ ہی اتارا تھا۔ مگر انہوں نے خلوص سے کیا تھا۔ اس کی وجہ بعد کو لوگوں سے

بیان کی کہ حضرت حاجی صاحب کو اس شخص سے بہت محبت تھی وہ اس پر بہت عنایت کرتے تھے بس یہ کافی ہے اور دلیل کی ضرورت نہیں دیکھئے حضرت کے ساتھ کیسی محبت تھی کہ ایسے شخص کے ساتھ جس کی گمراہی پر دستخط بھی کریں۔ یہ برتاؤ حضرت سے کبھی انہوں نے میرے بارہ میں کچھ سنا تھا حضرت کے ساتھ ان کو عشق تھا۔ پھر فرمایا کہ وقت ایسا تھا کہ کانپور میں اہل اختلاف کا بھی یہ حال تھا۔ اب کہاں یہ بات نفسانفسی ہی رہ گئی ہے نہ جامع مسجد ہی میں کوئی رونق ہے نہ مدرسہ میں۔

ملفوظ (۴۵۱) نسبت باطنی مقصود ہے

عرض کیا گیا کہ یہ جو فرمایا جاتا ہے کہ ثمرات کی طرف التفات نہ کرنا چاہیے نہ ان کی تمنا کرے کیا نسبت باطنی بھی انہیں ثمرات میں سے ہے اس کی بھی تمنا نہ کرے۔ فرمایا کہ جی ہاں ثمرات سے مطلب مواجید واحوال ہیں نہ کہ نسبت۔ اس طرح تو جنت بھی ثمرہ ہے خدا سے لقاء بھی ثمرہ ہے۔ نسبت تو مقصود ہے اس کی ٹوہ میں اور فکر میں رہنا تو واجب ہے۔ اسی کیلئے تو یہ سب مشقتیں اٹھائی جاتی ہیں۔ مواجید واحوال یعنی ذوق وشوق یکسوئی وغیرہ ثمرات غیر مقصودہ ہیں۔ انہیں کی تمنا نہ کرے۔ عرض کیا گیا کہ یکسوئی نسبت میں بھی ہوتی ہے فرمایا کہ جو یکسوئی نسبت میں ہوتی ہے اس کے یہ معنی نہیں کہ کوئی خطرہ ہی نہ آئے۔ بلکہ یہ معنی ہیں کہ غیر حق پر نظر نہ ہو۔ صحابہ اہل نسبت تھے لیکن وساوس آتے تھے۔ اہل نسبت کو یہ ضروری نہیں کہ کوئی خطرہ یا وساوس نہ آئیں۔

ملفوظ (۴۵۲) قرض کے بارے میں احتیاط

ایک صاحب نے حضرت کو ایک شخص سے بطور قرض کے روپیہ بھجوانے کی سفارش کرنے کو کہا اس شخص سے تعلق خادمیت ہے حضرت نے حسب معمول انکار لکھ بھیجا۔ پھر فرمایا کہ حضرت میں تو یہاں تک احتیاط کرتا ہوں کہ ایسے شخص سے میں کبھی قرض نہیں لیتا جس کی امانت میرے پاس ہو یا مجھے علم ہو کہ اس کے پاس روپیہ آنے والا ہے اور اسے بھی یہ علم ہو کہ اسے علم ہے۔ ہمیشہ ایسے شخص سے لیتا ہوں جو انکار کر سکے۔ اور کسی قسم کا اس پر اثر یا دباؤ نہ ہو۔ ان امور کا ضرور لحاظ رکھنا چاہیے جو اپنا لحاظ کرے کیا اس کا یہی حق ہے کہ اس سے منتفع ہوا کرے۔ طالب نفع تو ایسے شخص سے ہونا چاہیے جو اگر چاہے تو صاف آزادی سے انکار کر سکے۔ اور جو انکار پر بوجہ عقیدت یا لحاظ یا دباؤ کے قادر نہ ہو اس سے کبھی نہیں چاہئے۔

ملفوظ (۴۵۳) اہل بدعت کی کتب سے اولیاء اللہ کی توہین

اہل بدعت کی کچھ کتابوں کا ایک صاحب نے ذکر کیا۔ جو بعض اولیاء اللہ کے حالات میں لکھی گئی ہیں فرمایا کہ اگر یہ حضرات زندہ ہوتے تو یقیناً ان لوگوں سے سخت ناراض ہوتے۔ وہ تو اپنے آپ کو خاک میں ملاتے ہیں یہ ان کو خدا سے ملائے دیتے ہیں۔

کانپور میں محمد جان ایک نوعمر اور نیک بخت صاحبزادے تھے۔عشرہ کا زمانہ تھا کہتے تھے کہ میں چلا آ رہا تھا ایک بڑھیا نے کہا کہ بیٹا نیاز دیدو۔ میں نے کہا کس کی اس نے کہا تم کو نہیں معلوم ان دنوں میں اور کسی کی بھی نیاز ہوتی ہے سوائے امام حسینؓ کے۔۔ تمہیں خبر نہیں اس زمانہ میں تو اللہ میاں نے بھی منع کر رکھا ہے۔میری بھی نیاز مت دیا کرو۔ خداتعالیٰ گویا نعوذ باللہ نعوذ باللہ نعوذ باللہ۔پنشن یافتہ ڈپٹی اس زمانے میں ہو جاتے ہیں کہ کام کچھ نہیں کرتے۔لوگ غضب کرتے ہیں خدا کو ایسا سمجھتے ہیں جیسے پنشن یافتہ حاکم اس کو کچھ اختیار نہیں رہتا۔شیخ فریدالدین عطار کتنے بڑے صوفی ہیں وہ تو یوں فرماتے ہیں۔

در بلا یاری مخواہ از ہیچ کس   زانکہ نبود جز خدا فریاد رس

جن لوگوں کو اتنا بڑھاتے ہیں میں پوچھتا ہوں وہ بڑے کاہے سے ہوئے ظاہر ہے عبدیت سے ہوئے عبدیت جس میں جتنی کامل ہوئی اتنی ہی اس کی بزرگی ہوئی۔ میں تو کہا کرتا ہوں اہل بدعت سے کہ تم جو بزرگوں میں خواص الوہیت ثابت کرتے ہو تو ظاہر ہے کہ وہ الٰہ کامل ہونے سے تو رہے ناقص ہی ہوں گے لہٰذا تم تو بزرگوں کو الٰہ ناقص بناتے ہو اور ہم بناتے ہیں عبد کامل۔تم ان میں ایسی چیز ثابت کرتے ہو جس میں وہ ناقص ہوں گے اور ہم ان میں ایسی چیز ثابت کرتے ہیں یعنی عبدیت جس میں وہ کامل ہوں گے تو فی الواقع تنقیص تم کرتے ہو۔

ملفوظ (۴۵۴) بعض اہل بدعت کا قول کہ تصوف کیلئے اسلام بھی ضروری نہیں

بعض اہل بدعت کا ذکر تھا فرمایا کہ بعضے یوں کہتے ہیں کہ تصوف کیلئے اسلام کی بھی ضرورت نہیں بس یاد ہونی چاہیے نعوذ باللہ! ایک بار فرمایا کہ جاہل صوفیہ کی طرح اگر شریعت سے قطع نظر کر لی جائے تو اسلام اور کفر میں مابہ الامتیاز پھر کوئی چیز ہی نہیں۔

ملفوظ (۳۵۵) گھر کے انتظام کے بارے میں قیمتی مشورہ

فرمایا کہ فتویٰ تو نہیں دیتا لیکن مشورہ ضرور دوں گا کہ گھر کا انتظام بیوی کے ہاتھ میں رکھنا چاہیے یا خود اپنے ہاتھ میں اوروں کے ہاتھ میں نہیں ہونا چاہیے چاہے وہ بھائی ہو یا بہن ہو یا ماں باپ ہی کیوں نہ ہوں۔ اس سے بیوی کی بڑی دل شکنی ہوتی ہے یا تو خاوند اپنے ہاتھ میں خرچ رکھے ورنہ اور رشتہ داروں میں سب سے زیادہ مستحق بیوی ہے بیوی کا صرف یہی حق نہیں کہ اس کو کھانا کپڑا دیدیا۔ بلکہ اس کی دلجوئی بھی ضروری ہے۔

دیکھئے فقہا نے بیوی کی دلجوئی کو یہاں تک ضروری سمجھا ہے کہ اس کی دلجوئی کیلئے جھوٹ بولنا بھی جائز فرمادیا۔ اس سے کتنی بڑی تاکید اس امر کی ثابت ہوتی ہے یہاں سے بیوی کے حق کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس کی دل جوئی کیلئے خدا نے بھی اپنا ایک حق معاف کر دیا۔

ملفوظ (۴۵۶) آداب دعوت۔ بے تکلفی کا ذوق۔ سفارش، اخلاص کی زیادتی۔ حفاظت دین، ہدیہ کی واپسی پر اس میں زیادتی۔ جوش محبت کا ہدیہ۔ اچھی حیثیت میں سفر کرنے کی حکمت اور عملی تعلیم کا اثر۔ دعوت بلا اہتمام۔ طرف دعوت۔ دعوت میں طریق سنت۔ حضرات صحابہؓ کا ذوق آزادی۔ حب دنیا کی خرابی۔ حکم اور سفارش کا فرق۔ ہدیہ میں جوش محبت۔ دین کی عزت کی حفاظت۔ ہدیہ کی واپسی میں زیادتی۔ بھٹیارون کا سا حساب کتاب ہر دستور العمل میں شریعت کی موافقت کا لحاظ۔ ہدیہ کی واپسی میں طبعی بار کا عذر عند الشرع معتبر ہے۔ من حیث لا یحتسب کی شان۔ سفر میں اچھی حیثیت بنانا۔ عملی تعلیم کا اثر:

احقر کے گھر کے لوگوں نے حضرت کی دعوت کرنے کا مع متعلقین و چند اعزاء و

مہمانان کے ارادہ کیا۔ حضرت نے منع فرمادیا۔ احقر کو ہدایت فرمائی کہ آپ یہاں مقیمانہ زندگی نہ بسر کیجئے بلکہ مسافرانہ طور پر رہیئے۔ دعوتوں کو بالکل حذف کیجئے نہ میری نہ کسی کی۔ اگر ایک پیسہ بھی کہیں سے بچ سکے تو بچائیے۔ (احقر بوضع تنخواہ طویل رخصت لے کر حاضر ہوا ہے اور توسیع کرانے کا بھی ارادہ ہے۔)
احقر نے عرض کیا کہ کم از کم تنہا حضور کی دعوت کی تو اجازت ہونی چاہیے فرمایا کہ اس جلسہ میں یہ اجازت لینا نہیں چاہیئے تھی کیونکہ اس وقت دوسری قسم کا اثر ہے۔ اگر جی چاہتا پھر کسی موقع پر پوچھ لیتے اور تنہا میری دعوت میں اسی کی کیا ضرورت ہے کہ پہلے سے نوٹس دیا جائے یا کوئی خاص اہتمام کیا جائے اس کی یہ بھی صورت ہوسکتی ہے کہ اگر گھر میں کوئی خاص چیز پکی اور محبت سے کھلانے کو جی چاہا تو ایک پیالہ میں رکھ کر بھیج دی چاہے دو روٹیاں بھی اوپر سے رکھ دیں کوئی خاص تکلف کرنے کی ضرورت نہیں یہ کیا ضرور ہے کہ دعوت ہی ہو اور خاص طور سے اہتمام کر کے نئی چیز بھی پکوائی جائے اور آپ سے یہ بھی کہنا ہے کہ فلاں وقت جو آپ کے یہاں سے کھانا آیا تھا وہ زیادہ تھا۔ ابھی ہم دو میاں بیوی ہیں باقی اور تو سب جی جوڑا کنبہ ہے جس وقت جی چاہیں حذف کر دیں اگر کوئی چیز بھیجی جائے تو بس صرف اس قدر کہ ہم دونوں مل کر کھائیں مع اس کھانے کی رعایت کے جو خود ہمارے یہاں پکا ہو۔ یعنی بس وہ کھانا ایک شخص کے لائق ہو پھر ہم چاہے سب خود کھالیں چاہے تھوڑا تھوڑا سب کو تقسیم کر دیں آپ ایک شخص کے اندازے سے زیادہ نہ بھیجیں۔

پھر فرمایا لوہاری میں ایک دوست نے میری دعوت کی بہت اصرار کر کے لے گئے میں سمجھا میں اکیلا ہوں گا جا کر کھالوں گا وہاں جا کر دیکھا کہ پچاس ساٹھ آدمیوں کی دعوت ہے میرے اوپر سخت بار ہوا۔ مگر اخیر میں چپ رہا۔ چلتے وقت انہوں نے ایک جوڑا اور دس روپیہ پیش کئے میں نے کہا کہ یہ جوڑا کیسا انہوں نے کہا کہ شادی میں آپ کے لئے بنایا ہے میں نے کہا کہ کیا میں نائی ہوں کہ شادی میں جوڑا لوں روپیوں کی بابت بھی کہا کہ میں ہرگز نہ لوں گا تم نے اتنا روپیہ کھانے میں برباد کر دیا مجھے وہ کھایا ہوا ہی برا معلوم ہوتا ہے مجھے پہلے سے معلوم ہوتا تو میں دعوت بھی منظور نہ کرتا۔

پھر فرمایا ہمیں تو وہ طرز دعوت کا پسند ہے جو حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا تھا۔ ان کی دعوت ایک طالب علم نے کی۔ مولانا نے فرمایا کہ بھائی اس شرط سے قبول ہے کہ صرف وہی کھانا ہو جو تمہارے لئے دوسرے کے گھر سے آتا ہے۔ (ان کا کھانا کہیں مقرر تھا) انہیں تو مولانا کو کھلانا منظور تھا

اس لئے مجبوراً انہوں نے اس شرط کو منظور کر لیا جو کھانا ان کیلئے آیا وہی مولانا کے سامنے لا کر رکھ دیا مولانا نے کھالیا۔ پھر فرمایا کہ اس طرز سے دوسرے کا بھی فائدہ کہ خرچ سے بچا اور انتظام کے جھنجھٹ سے بچا اور اپنا بھی فائدہ ہے کہ سستا پیر ہوگا تو بہت آدمی دعوت کیا کریں گے اور اگر مہنگا ہوا تو جب پچاس ساٹھ آدمیوں کے کھلانے کی توفیق ہو جب کہیں پیر صاحب کی دعوت کریں اس طرح تو جناب کہیں برسوں میں جا کر دعوت نصیب ہوا کرے اور اگر سستا ہو تو دعوت کرنا مشکل ہی کیا ہے آج یہاں کل وہاں روز دعوت ہوا کرے تین سو ساٹھ دن دعوت ہی میں گذر جائیں۔

میں کہتا ہوں جو سنت کے موافق طریقہ ہوگا اس میں ہر طرح فائدہ ہی فائدہ ہے یہ طریقہ بالکل سنت ہے حضور کی دعوت ایک صحابیؓ نے کی تھی راستہ میں ایک آدمی باتیں کرتا ہوا ساتھ ہو لیا جب میزبان کے دروازہ پر پہنچے تو ٹھٹک گئے اور میزبان سے دریافت فرمایا کہ بھائی ایک آدمی میرے ساتھ زائد ہے کہو تو آئے ورنہ لوٹ جائے میزبان نے بخوشی منظور کر لیا۔ اس پر لوگ آج کل خیال فاسد کرتے ہیں میں اس کے متعلق تقریر کرتا ہوں وہ بہت غور کے قابل ہے لوگ کیا کرتے ہیں کہ دعوت میں اپنے ساتھ بے بلائے دو، دو اور تین تین آدمی ساتھ لے جاتے ہیں اور اپنے تقویٰ کی حفاظت کیلئے میزبان سے پوچھ لیتے ہیں کہ بھائی ہمارے ساتھ دو اور ہیں یا تین اور ہیں اور تمسک کرتے ہیں۔

اس حدیث سے حالانکہ یہ بالکل قیاس مع الفارق ہے جہاں یہ دیکھا کہ حضورؐ نے اپنے ساتھ کے لئے پوچھ لیا تھا یہ بھی دیکھا ہوتا کہ پوچھنے سے پہلے حضورؐ نے ان میں مذاق کیا پیدا کر دیا تھا تم نے تو وہ مذاق اول پیدا کیا ہوتا وہ مذاق کیا تھا آزادی کا تھا ایک نظیر اس امر کی کہ حضور ﷺ نے صحابہ میں آزادی کا مذاق کس قدر پیدا کر دیا تھا۔ بیان کرتا ہوں وہ اتنی بڑی نظیر ہے جس کے قریب قریب بھی آج کل نہیں مل سکتی۔ مسلم میں ہے کہ ایک فارسی تھا شوربہ نہایت اچھا پکاتا تھا۔ ایک دن حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آج شوربہ میں نے بہت اچھا پکایا ہے چل کر نوش فرمائیے۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ ہاں مگر اس شرط سے کہ عائشہؓ بھی شریک ہوں گی وہ کہتا ہے نہیں حضرت عائشہؓ نہیں! غور کیجئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کی محبوب شریک حیات ان کیلئے بھی کس آزادی کے ساتھ انکار کر دیا۔ یہ مذاق کس کا پیدا کیا ہوا تھا حضور ہی کا اسی مذاق کے بھروسہ پر حضور ﷺ نے میزبان سے اپنی ساتھی کیلئے پوچھا تھا حضور ﷺ کو پورا اطمینان تھا کہ اگر جی چاہے گا تو منظور کر لے گا نہیں تو صاف انکار کر دیگا آج کل بھلا یہ

بات کہاں۔ پس جو شخص ہم سے مغلوب ہو اور جس کی بابت یہ یقین نہ ہو کہ اگر جی نہ چاہا تو کچھ لحاظ نہ کریگا آزادی سے انکار کر دے گا ان سے اس طرح پوچھنا کب جائز ہے اور اگر ایسے پوچھنے پر وہ اجازت بھی دیدے تو وہ اجازت عندالشرع ہرگز معتبر نہیں نہ اس پر عمل جائز۔ ہاں تو وہ صحابیؓ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نہیں حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت عائشہؓ نہیں تو ہم بھی نہیں دعوت کرنے والے کو شرط لگانے کا اختیار ہے تو داعی کو بھی اختیار ہے کہ وہ اس شرط کو چاہے منظور کرے یا نہ کرے وہ ایسے بزرگ اور آزاد تھے کہ نہیں تو نہ سہی اور چل دیئے تھوڑی دور چل کر پھر لوٹے محبت کا جوش ہوا حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضرت کھانا بہت اچھا پکا ہے چل کر نوش فرما لیجئے حضور علیہ السلام نے پھر فرمایا کیا عائشہ بھی انہوں نے کہا نہیں آپ علیہ السلام نے فرمایا اچھا تو ہم بھی نہیں وہ صحابی پھر لوٹ گئے۔ تیسری بار پھر آئے اور پھر عرض کیا حضور علیہ السلام نے پھر وہی فرمایا کہ عائشہ بھی۔ اب کی بار انہوں نے کہا کہ آپ کی یہی مرضی ہے تو اچھا عائشہ بھی۔

اس موقعہ پر ہمارے حضرت مولانا نے فرمایا کہ میری ایک رائے اس میں ہے وہ یہ کہ شوربہ غالباً تھوڑا تھا ان کا جی چاہتا تھا کہ حضور تنہا پیٹ بھر کر کھالیں اگر حضرت عائشہ بھی ہوئیں تو حضور کا پیٹ نہ بھریگا۔ لیکن جب معلوم ہوا کہ حضور کی یہی خوشی ہے اخیر میں راضی ہو گئے انہوں نے سوچا کہ اپنے نفس کی خوشی کیلئے میرا جی چاہتا تھا کہ حضور پیٹ بھر کر کھائیں اب یہی بھوکا رہنا چاہتے ہیں تو یہی سہی۔ اس وقت تک حجاب نازل نہیں ہوا تھا حضور آگے آگے حضرت عائشہؓ پیچھے پیچھے تشریف لے گئیں حضور علیہ السلام قبل پوچھنے کے یہ مذاق پیدا فرما چکے تھے۔

کوئی مولانا صاحب یا شاہ صاحب جو اس حدیث سے تمسک کرنا چاہتے ہیں پہلے یہ مذاق تو پیدا کر لیں ورنہ قبل اس کے پوچھنا بھی حرام اور اگر میزبان اجازت بھی دیدے تو اس اجازت پر کسی زائد شخص کو لے جانا بھی حرام۔ آج کل تو بس اندھا دھند ہو رہا ہے کسی کے یہاں دعوت ہوئی تو اپنے ساتھ اوروں کو بھی لے گئے کسی نے اعتراض کیا تو کہہ دیا کہ صاحب اجازت تو لے لی ہے کسی کو داعی کی طرف سے سفر کیلئے زادراہ دیا جاتا ہے تو جو کچھ خرچ کرنے کے بعد باقی رہ جاتا ہے اکثر تو اس کا تذکرہ بھی نہیں کرتے۔ حالانکہ اس کو واپس کرنا چاہیے ورنہ خیانت ہے کیونکہ وہ اس کی ملک نہیں کیا جاتا۔ بلکہ خرچ کرنے کیلئے بطور امانت کے دیا جاتا ہے اگر کسی نے بہت ہی ہمت کی تو یہ کیا کہ بھائی اتنا بچ گیا ہے۔ اب جیسا تم کہو بس اس کا جواب تو یہی ہے کہ آپ ہی خرچ کر لیجئے بڑی آفت برپا ہے واپس ہی کیوں نہ کر دیا

جائے یہ ساری خراب حب دنیا کی ہے مال کی محبت رگ ریشہ میں گھس رہی ہے ذرا سا بہانہ چاہئے اباحت کے لئے پہلے تو یہ فتویٰ تھا۔ کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے جب تک کہ حرمت ثابت نہ ہو۔ اب تو وہ حالت ہوگئی ہے کہ یہ کہنا چاہیے کہ اصل اشیاء میں حرمت ہے۔ جب تک کہ اباحت ثابت نہ ہو یہ فتویٰ دینا چاہیے تب کہیں جا کر لوگ حرام سے بچیں گے بڑی گڑ بڑ ہو رہی ہے ایک اور واقعہ اس زمانہ کے مذاق آزادی کا یاد آیا حضرت بریرہؓ آزاد کردہ لونڈی تھیں حضرت مغیث کے نکاح میں تھیں بعد آزاد ہو جانے کے ان کو اختیار تھا کہ حضرت مغیث کو ان کے ساتھ بہت محبت تھی گلیوں میں پریشان پھرا کرتے تھے حضور سرور عالم ﷺ کو ان کی حالت پر رحم آیا حضور ﷺ بریرہؓ کے سامنے سفارش لائے کہ اے بریرہؓ مغیث سے نکاح کرلو۔

دیکھئے! سفارش کی یہ حقیقت ہے جو آگے معلوم ہوتی ہے حضرت بریرہؓ پوچھتی ہیں کہ یا رسول اللہ یہ حکم ہے یا سفارش عجیب گہرا سوال کیا حضور نے فرمایا کہ سفارش ہے انہوں نے کہا کہ میں نہیں قبول کرتی آپ خاموش ہوگئے اب کوئی مرید پیر سے کہہ تو دے کہ میں آپ کی سفارش نہیں قبول کرتا تو غضب ہو جائے۔ پیر فوراً ہی کہہ دے کہ مرتد ہوگیا آج کل تو پیروں کو چاہیے کہ سفارش بھی نہ کیا کریں جب وہ بیچارے دبتے ہیں تو ان کو اور بھی زیادہ کیوں دبایا جائے۔ اب عادت عام یہ ہے کہ اگر کوئی مفاسد کو دیکھ کر سفارش کرنے سے انکار کردے تو الزام دیتے ہیں کہ زبان سے بھی نفع نہیں پہنچایا جاتا بڑے کنجوس ہیں۔ میں سچ کہتا ہوں مال خرچ کرنا تو آسان مگر زبان ہلانا سفارش میں جہاں یہ وہم ہو کہ ہمارا دباؤ مانے گا موت ہے کیونکہ یہ وہم پیدا ہو جاتا ہے کہ نہ معلوم بیچارے کی کیا مصلحت فوت ہو کیا اثر ہو۔ ایک صاحب سفارش لکھانے آئے میں نے سفارش کی مذمت بھی کی باتیں بھی سنائیں مگر پھر بھی انہوں نے یہ کہا کہ لکھ دو میں مغلوب ہوگیا میں نے کہا تم ایک رقعہ میرے نام لکھ لاؤ جس میں سفارش کی درخواست ہو میں اس پر لکھ دونگا۔ میں جب سفارش کرتا ہوں تو ایسا ہی کرتا ہوں تاکہ اس بیچارے مخاطب کو معلوم تو ہو جائے کہ کاتب کی ابتدائی رائے نہیں ہے دوسرے کی درخواست پر لکھا ہے۔ غرض حد تو معلوم ہو کہ آیا سفارش کرنے والا ایسا شخص ہے کہ اس کو خود کوشش ہے یا محض دوسرے کے کہنے کا اثر ہوا۔ چنانچہ انہوں نے رقعہ لکھدیا میں نے اس پر لکھ دیا کہ انہوں نے مجھ سے سفارش کی یہ درخواست کی ہے اگر آپ کی کوئی مصلحت بھی فوت نہ ہوتی ہو اور آپ کی وضع کے بھی خلاف نہ ہو اور کسی قسم کا بار بھی نہ ہو تو یہ صاحب آپ

کے ممنون ہوں گے میں کیوں ممنون ہوں پھر میں نے لفافہ پر بھی لکھ دیا کہ یہ صاحب قیام وطعام کا بندوبست خود کریں گے آپ تکلیف یا تکلف نہ کیجئے لفافہ پر اس لئے لکھا کہ یہ صاحب بھی دیکھ لیں ورنہ جناب یہ بھی ہوتا ہے کہ سفارش کا خط لے لیا اور پڑے ہیں مہینوں روٹی کھا رہے ہیں لوگوں کو کچھ سہارا چاہیئے یوں ہو رہے ہیں قصے۔ اس قدر بے حیا بے مروت بننا پڑتا ہے۔ کچھ پوچھئے نہیں اس وقت تو ان کو گراں ہوا، میرا یہ معمول اور یہ عادت مگر میں نے کہا کہ تھوڑی دیر کیلئے اگر فرض کرو کہ میرا خط لیکر کوئی تمہارے پاس پہنچتا تو تم پر کیا اثر ہوتا۔ فرض کر کے اب اپنے دل کو ٹٹولو کہ اس معمول کی قدر ہوگئی یا نہیں اس طریق کا کیا اثر ہوتا اور اس طریق کا جو میں نے اختیار کیا کیا اثر ہوتا یقیناً معلوم کرو گے کہ اس طریق میں نہایت گرانی ہوتی اور میرے طریق میں نہایت سہولت اور آزادی رہتی اس طرح سے سمجھ میں آئے گا۔ میں تو ہدیہ بھی یہاں تک سوچتا ہوں کہ بہت زیادہ جوش محبت سے تو نہیں دیا گیا عام طور سے اخلاص کی کمی تو ہدیہ قبول کرنے کی مانع ہوتی ہی ہے میرے یہاں اخلاص کی زیادتی بھی منجملہ موانع کے ہے۔ کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت تو جوش محبت میں کچھ نہیں سوجھتا جب جوش ٹھنڈا ہوگا تب حساب کتاب کا ہوش آئے گا کہ دس تو پیر ہی کو دیدیئے اس لئے اگر کسی کو پانچ کی گنجائش ہوئی تو یہ کرتا ہوں کہ ڈھائی ہی لیتا ہوں۔ اس پر بھی بفضلہ خوب ملتا ہے جو قسمت کا ہے وہ کہیں جا ہی نہیں سکتا۔ ہم لوگوں کا یقین ہی خراب ہوگیا ہے۔ یوں سمجھتے ہیں کہ اگر واپس کر دیں گے تو پھر کہاں ملے گا میں کہتا ہوں قسمت کا پھر بھی مل کر رہتا ہے اور جو نہیں ملتا وہ قسمت کا تھا ہی نہیں۔ ایک صاحب نے سو روپیہ مدرسہ کے لئے ایک شخص کی طرف سے بھیجے ہیں میں نے ابھی خرچ نہیں کئے میں نے ان سے پوچھا ہے کہ تم نے ترغیب تو نہیں دی تھی اگر بلا ترغیب دیئے ہونگے تو رکھے جائیں گے ورنہ واپس کر دیئے جائیں گے جواب آنے تک وہ روپیہ امانت رکھا ہوا ہے وہ سچے آدمی ہیں اگر ترغیب دی ہوگی تو صاف لکھ دیں گے کہ ہاں میں نے ترغیب دی تھی اگر ایسا ہوا تو میں واپس کر دونگا اور یہ لکھوں گا کہ تم سے کس نے ترغیب دینے کیلئے کہا تھا کہ کیا تم ہمارے گھر گئے ہو کہ چھٹے پھرتے ہو پھر فرمایا کہ اس طرح کرنا بڑی ذلت اور بدنامی کی بات ہے۔ البتہ اگر کوئی ایسا شخص ہو جسے کوئی نہ جانتا ہو اس کیلئے کہنے کا بھی مضائقہ نہیں اور جب سب آدمی جانتے ہیں پھر ترغیب وغیرہ کی کیا ضرورت ہے۔ جب بھوکوں مرنے لگیں گے لوگوں کو خود رحم آئے گا۔ میں ابھی قابل رحم نہیں۔ احقر نے عرض کیا کہ بھوک کا پتہ چلنا بھی تو ضروری ہے لوگوں کو بھوک کا حال کیسے معلوم ہو فرمایا

کہ جناب بھوک کہیں چھپی رہتی ہے۔

صورت نہیں حالت میری

اب دیکھئے میں جو اس قدر بلند آواز سے بول رہا ہوں۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ پیٹ میں روٹیاں موجود ہیں وہی یہ شور مچا رہی ہیں۔ یہ سارے نخرے روپیوں کی بدولت ہیں۔ (ہنس کر فرمایا) دیکھئے میں آپ سے اچھے کپڑے پہنے ہوئے ہوں روٹیاں بھی کھانے کو ہیں اور میں تو اذان سی دے رہا ہوں آپ تکبیر سی بھی نہیں کہتے پھر فرمایا کہ حضرت دین کی حفاظت بلا اس کے نہیں ہو سکتی ہماری طرف جو کچھ لوگوں کی توجہ ہے وہ سب دین کی بدولت ہے پس ہم کو اس دین کی عزت قائم رکھنے کی سخت ضرورت ہے اگر اس کی عزت نہ رہے پھر ہمیں کون پوچھتا ہے گڑھی میں ایک خان صاحب تھے بڑے بوڑھے آدمی تھے بڑی شفقت فرماتے تھے وہ مجھ کو ان کا دینا ایسا ہی معلوم ہوتا تھا جیسے کہ اپنے بیٹے کو دے رہے ہوں ان کے انتقال کے بعد ان کے بیٹوں نے بھی وہی برتاؤ کرنا چاہا میں نے صاف انکار کر دیا کہ اب میں نہیں لے سکتا کیونکہ تم تو میرے برابر کے بھائی ہو میں تم سے اس وقت لوں جب تم کو بھی کچھ دوں وہ ماشاء اللہ نہایت خوش فہم و شائستہ ہیں انہوں نے کہا کہ اچھا اب کے لے لو پھر ہم وعدہ کرتے ہیں کہ عمر بھر نہ دیں گے میں نے لے لیا۔ اس کے بعد انہوں نے پھر کبھی نہیں دیا۔ اب یہ کرتے ہیں کہ کبھی مچھلی پکا کر بھیج دی کبھی شکار کا گوشت بھیج دیا۔ اس میں کوئی ایسی بات نہیں مگر اللہ جانتا ہے شرم آتی ہے بات یہ ہے کہ میں بھی بوجہ اس کے کہ خان صاحب میرے والد کے دوست تھے اپنے آپ کو خان صاحب کے لڑکے کے برابر سمجھتا تھا اور یہی ان کے لڑکے ہیں اگر علاقہ عقیدت مندی کا یا بیعت کا ہوتا تو وہ دوسری بات تھی ان کا علاقہ تو محض اپنے باپ کی وجہ سے ہے اس لئے وہ تو بھائی کے درجہ میں ہو گئے اور حیثیت دوسری ہو گئی (پھر فرمایا) اب کیا میری آمدنی کم ہو گئی۔ میں نے دیکھا ہے جس روز میں نے کوئی ہدیہ واپس کیا ایک دو زیادہ کر کے کہیں نہ کہیں سے خدا نے دلوا دیئے تو میرا دماغ اور بھی خراب ہو گیا ہے جب کوئی ہدیہ واپس کرتا ہوں پورا وثوق ہوتا ہے الحمد للہ کہ ضرور آئے گا۔ اس لئے آسان ہو جاتا ہے لوٹانا۔ پھر فرمایا کہ اب تو یہ باتیں سختی معلوم ہوتی ہیں کچھ دن بعد جب لوگوں کو منافع نظر آئیں گے تب قدر ہو گی اور اب بھی نظر آنے لگے ہیں بہتوں کو۔ اور حضرت میں نے احباب سے یہ بھی کہہ رکھا ہے کہ یہاں آئیں تو دینے کی پابندی نہ کریں ورنہ جناب مہینوں بلکہ سالہا سال بھی توفیق ملاقات کی نہ ہو کیونکہ پہلے کچھ انتظام کرلو تب

چلو اب یہ ہے جب جی چاہے آؤ اور بے فکر ہو کر آؤ اور چاہے عمر بھر بھی کچھ نہ دو لوگوں میں ایسی شکل ہو رہی ہے کہ کھانا اور کھلانا۔ کھانے والے جاتے وقت حساب کرتے ہیں کہ چار دن میں اتنا کھایا ہوگا آٹھ آنہ بڑھا کر دینا چاہیے ذلیل حالت ہے میں نے یہ قصہ ہی نہیں رکھا باستثنا بعض خصوصیات کے عام طور سے کھانا کھلانے کو بھی ضروری نہیں سمجھتا۔ ہم بھی بے فکر تم بھی بے فکر۔ یہ حساب کتاب بھٹیاروں کا سا کیسا اس پر بھی لوگ دیتے ہیں گو شرم تو آتی ہے لیکن چونکہ خلوص ہوتا ہے لے لیتا ہوں خلاصہ یہ ہے کہ خدا خلوص دے جہاں خلوص ہوتا ہے وہاں فلوس خود بخود آجاتا ہے کمی تو اخلاص کی ہے عرض کیا گیا کہ جی چاہتا ہے کہ حضور کا مجموعی طریقہ قلم بند ہو کر محفوظ ہو جائے تو بہت نافع ہو آئندہ زمانہ کے لوگوں کیلئے بھی فرمایا کہ جی میرا کیا طریقہ ہے دین کا طریق ہے میں نے ایجاد نہیں کیا الحمد للہ مجھے اس کا بہت خیال رہتا ہے کہ کوئی دستور العمل سنت اور شریعت کے خلاف نہ ہو خدا تعالیٰ کی یہ بڑی رحمت ہے۔ ایک بات میں میرا خیال تھا کہ شاید سنت کے خلاف ہو وہ یہ کہ اگر بڑی رقم کا کوئی ہدیہ دیتا ہے تو گو دینے والے کی حیثیت سے زیادہ نہ ہو اور خلوص میں بھی کمی نہ ہو لیکن مجھے زیادہ معلوم ہوتا ہے اور طبیعت پر بوجھ سا ہوتا ہے اور واپسی کو جی چاہتا ہے مگر ساتھ ہی ساتھ میں یہ کہتا تھا کہ یہاں کیا عذر شرعی ہے لیکن باوجود عذر سمجھ میں نہ آنے کے چونکہ طبعی بات کی مخالفت مشکل ہوتی ہے اس لئے میں انکار کر دیتا تھا۔ لیکن میں سمجھتا تھا کہ یہ محض طبعی معذوری ہے سنت میں اس کی اصل نہیں ہے بہت دنوں مجھے یہ شبہ رہا۔ میں اپنے کو قاصر سمجھتا تھا۔ اس واپسی میں مگر واپس کر دیتا تھا لیکن الحمد للہ میرا وہ شبہ جاتا رہا جیسے کہ میں نے ایک حدیث دیکھی کہ حضور فرماتے ہیں کہ کوئی خوشبو پیش کرے تو واپس مت کرو اور خود ہی اس کی علت فرماتے ہیں کیونکہ بار اس کا کچھ زیادہ نہیں ہوتا اور فرحت کی چیز ہے پس علت عدم رد کی خفیف المحمل ہونے کو بتلا دیا۔ میں نے کہا الحمد للہ اس حدیث سے ثابت ہو گیا کہ بوجھ پڑنا طبیعت پر یہ بھی ایک عذر معقول و مشروع رد ہدیہ کا ہے میں نے احتیاطاً اوروں سے بھی پوچھا کہ اس حدیث سے یہ بات نکلتی یا نہیں کیونکہ مجھے خیال ہوا کہ کہیں میرے نفس نے یہ مطلب نہ تراشا ہو۔ مگر وہ کہنے لگے کہ ابھی صاف دلالت ہے۔

پھر فرمایا کہ ایک دفعہ بھائی نے چاہا کہ میں کچھ ماہوار تمہارے لیے مقرر کر دوں سمجھدار آدمی ہیں بے تکلف لکھ دیا۔ میں نے لکھ دیا کہ اس میں خرابی ہے اب تو میری نظر کسی خاص شخص پر نہیں اللہ پر ہے اور اگر مخلوق پر بھی ہے تو کسی مخلوق معین پر تو نہیں ہے اگر تم نے ماہوار مقرر کر دیا تو بریلی ہی میں دل پڑا رہیگا۔ اول

تو حساب لگانا پڑیگا کہ مارچ ختم بھی ہوگیا یا نہیں مئی ختم ہوئی یا نہیں جب پہلی تاریخ ہوگی تو یہ خیال ہوگا کہ آج تنخواہ وصول ہوئی ہوگی آج روپیہ چلا ہوگا آج راستہ میں ہوگا آج آرہا ہوگا نہ آیا تو لیجئے پریشانی کہ نہ معلوم کیا وجہ ہوگئی۔ یہ جھگڑا تو یہاں ہوگا اب تو یہ ہے کہ آ کودتا ہے من حیث لایحتسب کی شان تو نہ رہیگی کہ جہاں سے گمان بھی نہیں ہوتا وہاں سے حق تعالیٰ دیتے ہیں۔ دوسرے میں نے یہ لکھا کہ برا ماننے کی بات نہیں گو تمہاری تنخواہ ساڑھے چار سو روپیہ ہے لیکن ضرورتیں مختلف ہوا کرتی ہیں بعض دفعہ پانچ سو کا خرچ پڑ جائیگا اس وقت تم کو گرانی ہوگی کیونکہ یہ ظاہر ہے۔ کہ ہر وقت جوش محبت کا نہیں رہتا وہ بڑے سمجھدار آدمی ہیں۔ انہوں نے لکھا کہ مجھے تعجب ہے کہ ایسی موٹی بات کی طرف لکھنے کے وقت مجھ کو توجہ نہ ہوئی آپ کے خط کو دیکھ کر آنکھیں کھلیں آپ کے خط کا ہر ہر حرف آب زر سے لکھنے کے قابل ہے میں رجوع کرتا ہوں اور واپس لیتا ہوں اپنی رائے کو بعد کو انہوں نے کہا کہ آخر اور لوگ بھی تو پیش کرتے ہیں اگر میرا جی چاہے تو مجھے خدمت سے کیوں محروم رکھا جائے میں نے کہا کیا اور لوگ معین کرتے ہیں جیسا کہ تم کرنا چاہتے تھے۔ غیر معین طور پر کچھ پیش کرو۔ میں وعدہ کرتا ہوں لے لوں گا پھر جب میں بریلی جاتا تھا کبھی ٹکٹ لے دیتے تھے کبھی پچیس کبھی بیس روپیہ دیدیئے کبھی کچھ کپڑے بنوا دیئے۔ اور کبھی کچھ بھی نہیں اور زیادہ وہی ہوتا تھا کہ کچھ بھی نہیں۔ سمجھ گئے وہ میرے مذاق کو اس کے موافق عمل کیا۔ محبت کی بات تو یہی ہے پھر میں ایسا کرتا کہ کبھی کبھی قصداً گنی بھائی کے پاس امانت رکھوا دیتا تاکہ انہیں اطمینان ہو جائے کہ ہاں اس کے پاس کافی سرمایہ موجود رہتا ہے۔ میرے گھر میں کہا کرتی ہیں مجھے ان کی یہ بات بہت پسند آئی کہ ذرا سفر بھی اچھی حیثیت سے جایا کرو کپڑے بھی اچھے ہوں جوتا بھی نیا ہو ایک آدھ جوتہ اور بھی ساتھ بندھا ہو میں نے کہا کیوں مجھے کسی کو دکھلانا تھوڑا ہی ہے انہوں نے کہا کہ انما الاعمال بالنیات میرا خیال تو یہ ہے کہ اگر لوگ تمہیں خستہ حالی میں دیکھیں گے تو انہیں فکر ہوگی کہ آج کل تنگی میں ہیں کچھ دینا چاہیے اور اگر کپڑے بھی اچھے اور جوتا بھی نیا ہوگا تو سمجھیں گے کہ کسی چیز کی حاجت نہیں سب بے فکر رہیں گے۔ جب سے میں یہ کرتا ہوں کہ دو چار جوڑے جو اچھے ہوں وہی چھانٹ کر سفر میں لے جاتا ہوں پھر فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے اس بندی خدا میں ذرا بھی حرص نہیں ورنہ نباہ مصیبت ہوتا حضرت نے فرمایا کہ ایسا ہوتا ہے کہ ہدیہ لینے میں اگر میں کبھی اپنے معمول کو بھول جاتا ہوں تو وہ ٹوکتی ہیں کہ تمہارے معمول کے خلاف ہے یہ کیوں لے لیا۔ پھر فرمایا کہ میں اس واسطے یہ سب باتیں سنا رہا ہوں کہ اگر ان میں

سے کسی کو کوئی بات پسند آئے تو تقلید کی جائے کیونکہ علمی تعلیم سے اتنا اثر نہیں ہوتا جتنا عملی تعلیم کا اثر ہوتا ہے۔ واقعات سن کر بہت اثر ہوتا ہے کہ بھائی ایسا ہو بھی رہا ہے۔ منشی محمود الحق صاحب وکیل ہردوئی کے معہ قاضی محمد مصطفیٰ ڈپٹی کلکٹر کے آئے تھے بہت اچھے آدمی ہیں دیندار آدمی ہیں ۔علی گڑھ کے پڑھے ہوئے ہیں۔ وہاں ماسٹر بھی تھے۔ بی اے ایل ایل بی ہیں۔ شیخ عبدالحق دہلوی کی اولاد میں ہیں۔ مجھے تو نقل نہ کرنا چاہیے لیکن اگر نقل بھی کر دوں تو کون سا بڑا کمال ثابت ہو جائے گا کیونکہ میں چیز ہی کیا ہوں۔ انہوں نے ایک بات کہی کہ دو باتیں اس وقت تک کم تھیں ظاہر نہیں کی جاتی تھیں کتابوں میں بھی کہیں پتہ نہ تھا۔ ایک تو فن سلوک کے اصول۔ یہ کہیں نہیں سنے جاتے تھے اس کو تربیت السالک کے نام کتاب جس میں ذاکرین شاغلین کے خطوط مع جوابات حضرت مولانا درج ہیں۔۔ بالکل صاف کر دیا۔ ایک معاشرت اور معاملات پر گفتگو کسی نے نہیں کی۔ انہوں نے اس کی وجہ بھی تراشی کہ اس لئے گفتگو کی ہمت نہیں ہوئی کہ لوگ کہیں گے کہ تم خود ہی کیا کر رہے ہو الحمد للہ ایک یہ جزو دین کا مخفی تھا اب ظاہر ہوا۔

جناب شیخ معشوق علی صاحب بھی جو ہمارے حضرت کے خلفا میں سے ہیں حاضر مجلس تھے انہوں نے عرض کیا کہ حضرت واقعی عملی تعلیم کا بہت اثر ہوتا ہے ایک بار حضور کے ساتھ میں اور (احقر کا نام لیا کہ) یہ ریل کے سفر میں تھے کھانا کھاتے ہیں ایک بوٹی گر گئی تھی میں نے اس کو تختہ کے نیچے سرکا دیا حضور نے دیکھ کر فرمایا کہ کیا بوٹی گر گئی ہے۔ چنانچہ وہ بوٹی حضرت نے اٹھوائی اور فرمایا کہ اس کو دھو لیجئے میں کھا لوں گا پھر وہ بوٹی خواجہ صاحب (احقر) نے دھو کر خود ہی کھا لی وہ دن ہے اور آج کا دن ہے کہ کبھی دسترخوان پر سے ایک ریزہ بھی زمین پر گر گیا ہے تو اس کو بھی اٹھا کر کھا لیا ہے عملی تعلیم کا اتنا اثر ہوتا ہے۔ پھر جناب شیخ صاحب ممدوح نے احقر سے فرمایا کہ آپ نے بوٹی کا واقعہ بھی ملفوظات میں قلم بند کر لیا ہے۔ احقر نے عرض کیا کہ (اشارہ کے طور پر) میں نے لفظ بوٹی لکھ لیا ہے بعد کو مفصل کر لوں گا۔ حضرت نے ہنس کر فرمایا کہ بس ایسی مختصر نویسی بہت اچھی ایک دن لکھ لیا بوٹی اور ایک دن لکھ لیا روٹی۔

ملفوظ (۴۵۷) بندہ پرستی کی مار۔ زحمت بصورت خدمت۔ ضبط اوقات میں طبیعت میں شگفتگی رہتی ہے۔ خلاف وقت بات کرنے سے دردِ سر۔

دوسروں کی تکلیف کی خاطر اپنا حرج۔ خدمت کی شرائط۔ رسمی خدمت۔ ایذاء کی شبہ کی وجہ سے خدمت سے احتیاط۔ حقیقی ادب و عظمت۔ پیرزادوں کے ڈھونگ۔ ایک رئیس کی بدتہذیبی۔ عرفی تہذیب۔

دو جماعتیں حکیم کہنے کے قابل ہیں:

بعد مغرب حضرت وظیفہ پڑھ رہے تھے دو طالب علم پنکھا حسب معمول جھل رہے تھے جمعہ کا دن تھا ایک صاحب جو دوپہر کے آئے ہوئے تھے پاس جا کر بیٹھ گئے اور خود جھلنے کی غرض سے ایک صاحب زادہ کے ہاتھ سے پنکھا لینے لگے حضرت نے منع بھی فرمایا لیکن انہوں نے اصرار کیا۔ پھر تو حضرت نے آڑے ہاتھوں لیا بہت دیر تک ڈانٹتے رہے کہ یہ کیا واہیات حرکت ہے اپنا وظیفہ اطمینان سے پورا کر لیا۔ میرے وظیفہ کو خراب کرنے یہاں آ بیٹھے۔ سورۃ واقعہ پڑھ رہا تھا سب گڑبڑ کر دیا ایک تو مجھے توفیق ہی نہیں ہوتی اور جو کسی وقت پڑھنے بیٹھتا ہوں تو آپ لوگ نہیں پڑھنے دیتے۔ اب کیا ہر وقت میں آپ ہی لوگوں کی خدمت کرتا رہوں اپنا کچھ کام نہ کروں مجھ کم بخت کو وظیفہ بھی نہ پڑھنے دیا کچھ انصاف بھی ہے عقلیں مسخ ہو گئیں حس جاتی رہی ہٹ غضب کی ہے۔ اب میں کیسے بے حیا بن جاؤں سب سے کیسے بے تکلف ہو جاؤں سب سے تو خدمت نہیں لے سکتا ایسا ہی خدمت کا شوق ہے تو رہیئے دو برس سال بھر میں تو صورت کی زیارت کرائی پھر چاہتے ہیں کہ بے تکلف کا سا برتاؤ کریں مجھ سے اپنا کام لو میری خدمت کے لئے تم نہیں آئے بڑی خدمت یہ سمجھتے ہیں کہ جوتا اٹھالیا۔ پنکھا جھل لیا۔ رسوم نے ناس کر دیا۔ خدا پرستی چھوڑ کر بندہ پرستی لوگ کرنے لگے اور جب دوسرا شخص پنکھا جھل رہا ہے تو تم کو کیا حق ہے کہ اس سے پنکھا چھینو اور جو اس کا بھی ایسا ہی جی چاہ رہا ہو جیسا تمہارا۔ اگر شوق تھا گھر سے پنکھا ساتھ لائے ہوتے دوسرے سے لینے کا کیا حق تھا جمعہ کے وقت سے میں آپ کی حرکتوں کو برداشت کر رہا ہوں جب میں بالا خانہ پر گیا تو آپ سڑک پر کھڑے اپنا جلوہ دکھا رہے ہیں اگر آئے تھے تو میرے اوپر کون سا احسان کیا تھا۔ میں جو اوپر گیا تھا کیا گلی ڈنڈ کھیلنے گیا تھا یا جھنجھنا بجانے گیا تھا۔ کوئی کام ہو گا یا آرام ہو گا۔ اور یہ دونوں ضروری۔ پھر اس وقت تک ایک لفظ منہ سے نہیں بولے۔ یہ عجیب بات

ہے کہ زبان تو کھلی نہیں ہاتھ پیر خدمت کیلئے اچھے کھل گئے۔

پھر فرمایا کہ میں نے آپ لوگوں کا کیا بگاڑا ہے کہ اس کا مجھ سے انتقام لیتے ہیں اور پریشان کرتے ہیں۔ اول تو کچھ پڑھنے کی توفیق ہی نہیں ہوتی اور جو کچھ وقت کیلئے توفیق ہوتی ہے اس کو بھی آپ لوگ پورا نہیں کرنے دیتے۔ اب میں تو اسی کا ہو رہا۔ جھک جھک جھک جھک۔ یہ ہٹ غضب کی ہے اگر ہٹ نہ ہوتی تو خیر غلطی ہوگئی تھی۔ یہ بحر طویل تو نہ چلتی دوسرے کے وظیفہ کا وقت آپ کو خلوت کیلئے ملا۔ عمر بھر یاد رکھو کہ جب کسی کے پاس جاؤ اس کے طریقے اور معمولات دریافت کئے بغیر ہرگز وہاں کے کاموں میں دخل نہ دو جب خدمت کا طریق ہی نہیں معلوم تو وہ خدمت کیا ہوئی زحمت ہوئی۔ اگر خدمت کا شوق تھا یہاں کا طریق پوچھتے۔ مجھ ہی سے پوچھتے۔ پہلے اجازت حاصل کرتے۔

پھر فرمایا کہ جمعہ کو جو کوئی آئے اپنی صورت دکھلانے اور میری صورت دیکھنے آئے ملاقات کیلئے میرے پاس جمعہ کے دن وقت نہیں پھر فرمایا کہ ویسے خالی وقت پر مجھ سے خدمت لو میں خادم ہوں سب مسلمانوں کا۔ لیکن یہ تو مجھ سے نہیں ہوسکتا کہ آپ لوگوں کے تابع ہو کر رہوں وہ جیسے چاہیں، میں لیٹوں وہ جیسے چاہیں میں بیٹھوں وہ جیسے چاہیں میں کھڑا ہوں۔ غضب ہے تابع کیسے بن جاؤں لوگ اپنی راحت دیکھتے ہیں دوسرے کی راحت کا خیال نہیں۔ جس خدمت سے پریشانی ہو وہ خدمت کیا ہوئی پوری زحمت ہے۔

لوگ کہتے ہیں سختی کرتا ہے جب نرمی کا اثر نہ ہو کیسے سختی نہ کروں کام بھی کسی طرح چلے لوگ مجھے بد اخلاق کہتے ہیں۔ آپ لوگ بڑے با اخلاق ہیں کہ پریشان کرتے ہیں۔ ابتدا بالظلم تو آپ ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔ ہٹ نہ کریں تو بحر طویل کیوں چلے۔

کئی دن بعد اس واقعہ کا پھر ذکر فرمایا جس گفتگو کے دوران میں اس کو ذکر فرمایا تھا اس کو نقل کرتا ہوں احقر کو تنبیہ فرمائی کہ آپ میں انتظام کم ہے اب تک انضباط اوقات آپ نے نہیں کیا۔ اسی واسطے آپ کو دشواری معلوم ہو رہی ہے انتظام وہ چیز ہے کہ مشکل سے مشکل کام پھولوں ہلکا ہو جاتا ہے اور اگر انتظام نہ ہو تو آسان سے آسان کام پہاڑ ہو جاتا ہے ابھی تک کام آپ کے قابو میں نہیں آیا میں دیکھتا ہوں کہ آپ پریشان رہتے ہیں وجہ یہ ہے کہ آپ نے اپنے اوقات منقسم نہیں کئے اگر اوقات منقسم ہوں تو کوئی کام مشکل نہیں۔

الحمد للہ مجھے کسی بڑے سے بڑے کام میں بھی پریشانی نہیں ہوتی۔ ہمیشہ طبیعت شگفتہ رہتی ہے وجہ یہی ہے کہ میرے اوقات سب منقسم ہیں کوئی کام دشوار نہیں معلوم ہوتا۔

احقر نے عرض کیا کہ حضور کی نظر ثانی کے بعد جو نقل ہو کر ملفوظات کا مقابلہ ہوتا ہے اس میں بعض ملفوظ کے مناسب کوئی مضمون یاد آ جاتا ہے تو اس کو میں بڑھا دیتا ہوں اس کو حضور دوبارہ نظر ثانی فرما لیا کریں۔ فرمایا کہ اس کا بھی کوئی قاعدہ مقرر کر لیجئے جب تک کہ قانون مقرر نہ ہو جائے مجھ سے کوئی کام ہوتا ہی نہیں۔

احقر نے عرض کیا کہ حضور ہی تجویز فرما دیں فرمایا کہ اس کی یہ صورت ہے کہ مقابلہ کے وقت جن مقامات پر کچھ اضافہ کیا جائے اس کو حوالہ صفحہ اور سطر کا ایک علیحدہ کاغذ پر آپ لکھتے جائیں اور جب ایک معتد بہ تعداد ہو جائے تب وہ پرچہ مع اصل کے مجھ کو دیدیا جائے میں اس کو دیکھ کر واپس کر دیا کروں ورنہ غیر معین طور پر جب آپ نے کچھ بڑھایا لیکر دکھلانے چلے آئے اس طرح کام تو کچھ بھی نہ ہوگا اور وقت پورا پورا صرف ہو جایا کرے گا۔ اس میں دونوں کو مقید بھی ہونا پڑیگا کہ جس وقت آپ آئے مجھے فرصت نہ ہوئی تو آپ کو بیٹھا رہنا پڑا ادھر مجھ کو بھی اسی وقت دیکھ کر واپس کرنا پڑیگا اور میری اس مجوزہ صورت میں آپ دیکر فارغ ہو گئے میں نے آزادی کے ساتھ جس وقت فرصت ہوئی دیکھ کر آپ کو دیدیا دونوں طرف آزادی رہے گی۔ طبیعت قاعدہ کی ایسی خوگر ہو گئی ہے کہ یقین کیجئے ظہر کے وقت جب میں وضو کرتا ہوں اس وقت اگر کوئی ذرا سی بات پوچھتا ہے تو میری سمجھ میں نہیں آتا۔ چونکہ وہ وقت اس کام کا نہیں ہے اس لئے دماغ حاضر نہیں ہوتا اور فوراً میرے سر میں درد شدت کا ہو جاتا ہے اور جب تک کوئی واقعہ فرحت بخش نہ سنوں وہ درد رفع نہیں ہوتا۔ خلاف وقت بات کرنے سے اس قدر کلفت ہوتی ہے۔

صبح سے دوپہر تک برابر کام کرتا رہتا ہوں اس سے کچھ بھی تکان نہیں ہوتا اور ایک بات میں یہ اثر ہوتا ہے کہ طبیعت قاعدہ کی خوگر ہو گئی ہے اور لوگ اس کے خلاف کے خوگر ہو رہے ہیں یہ ہو رہا ہے کہ بھینس کی گائے تلے اور گائے کی بھینس تلے۔

ایک صاحب کی بابت فرمایا کہ انہوں نے ظہر کے وضو میں کچھ پوچھنا چاہا مجھے بہت بہت تکلیف ہوئی اور کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ میں نے کہا کہ بعد ظہر کے پوچھنا اس وقت دماغ حاضر نہیں اس کے بعد دو دن گزر گئے اب تک پوچھنے نہیں آئے۔

معلوم ہوا کہ کوئی ضروری بات نہ تھی ورنہ اگر ضروری ہوتی تو پوچھنے نہ آتے مجھے وضو کرتے دیکھا بے کار وقت سمجھ کر آ بیٹھے کہ لاؤ باتوں ہی کا مشغلہ سہی سوال کرنا اسی کی تمہید کی غرض سے تھا میں نے تو اپنے نزدیک سب کے کاموں اور مصلحتوں کا لحاظ کر کے بقدر ضرورت ہر شے کا وقت مقرر کر دیا ہے لیکن اسے تو گزاردیں اپنے واہیات کاموں میں اور بعد کو میرے اوقات میں آ کر خلل ڈالیں اور حضرت انضباط اوقات کی صورت میں تو ممکن ہے کہ کسی کے کام میں صرف ایک ہی دو روز کی دیر ہو جائے لیکن موقعہ تو مل جاتا ہے اور اگر بے انتظامی ہوتی جیسا لوگ چاہتے ہیں تو ہفتوں بھی نوبت نہ آتی دیکھئے جمعہ کے دن ان حافظ جی نے (یہ وہی صاحب ہیں جن کا شروع میں ذکر بتفصیل ہو چکا ہے) تنگ کیا۔ میں ایک پرچہ دینے کیلئے بالا خانہ کے کمرہ سے باہر نکلا۔ آنکھیں کیسے بند کرلوں سڑک پر نظر پڑی تو آپ کھڑے ہو کر اپنا جلوہ دکھلانے لگے۔ مطلب یہ تھا کہ اترو مجھے ان کی اس حرکت سے بہت تکلیف ہوئی۔

صاحب بعض اوقات میں ڈر کے مارے باوجود ضرورت کے نیچے نہیں آتا کہ تنگ کریں گے۔ بعض اوقات کسی کتاب کی ضرورت ہوتی ہے حجرہ سے لانے کی لیکن اپنا حرج کرتا ہوں نیچے اسی خیال سے نہیں آتا کہ لوگ تنگ کریں گے اور اگر جواب دونگا تو انہیں تکلیف ہوگی اس لئے میں اپنا حرج گوارا کرتا ہوں لیکن اترتا نہیں انہوں نے ایک یہ حرکت کی کہ بعد مغرب جب میں وظیفہ پڑھ رہا تھا تو دوسرے سے پنکھا لیکر پنکھا جھلنا چاہا خدمت سے کس کو راحت نہیں ہوتی لیکن خدمت کے لئے دو شرطیں ہیں ایک تو یہ کہ خلوص ہو مطلب یہ کہ اس وقت کوئی غرض اس خدمت سے نہ ہو محض محبت سے ہو اکثر لوگ خدمت کو ذریعہ بناتے ہیں عرض حاجت کا یہاں تک کیا ہے کہ بعد عشاء کے میں تھوڑی دیر کیلئے لیٹ رہتا ہوں۔ طالب علم بدن دبانے لگتے ہیں چونکہ بدن دبانے سے راحت ہوتی ہے میری آنکھ لگنے لگتی ہے جس وقت میری آنکھ لگنے لگی تو ایک صاحب نے جو بدن دبانے میں شریک ہو گئے تھے مجھ سے کہا کہ مجھے کچھ پوچھنا ہے انہیں واقعات سے میں دوسروں پر بھی بدگمانی کرنے لگا اسی لئے میں تحقیق کر لیتا ہوں کہ کون کون بدن دبا رہا ہے اور سوائے دو چار طالب علموں کے باقی سب کو رخصت کر دیتا ہوں۔ دوسری شرط خدمت کی یہ ہے کہ دل ملا ہوا ہو۔

ایک نو وارد آ کر بدن دبانے لگے یا پنکھا جھلنے لگے تو لحاظ بھی ہوتا ہے شرم بھی آتی ہے ب آدمی تختہ مشق کیسے سب کا بن جائے۔ تیسرے یہ کہ کام بھی آتا ہو۔ مثلاً بعضوں کو بدن دبانا نہیں آتا۔

بعض موقعہ لحاظ کا ہوتا ہے اب ان سے کیسے منہ پھوڑ کر کہہ دیا جائے کہ آپ کو بدن دبانا آتا نہیں آپ چھوڑ دیجئے۔ مجبوراً چپ رہنا پڑتا ہے وہ سمجھتے ہیں کہ ہم خدمت کرر ہے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ میں ان کی خدمت کرر ہا ہوں کہ کچھ بولتا نہیں وہ سمجھتے ہیں کہ ہم تکلیف اٹھار ہے ہیں اس کے واسطے اور میں سمجھتا ہوں کہ میں ان کے واسطے تکلیف اٹھار ہا ہوں طالب علموں سے دل کھلا ہوا ہے اوران کوطریقہ بھی آتا ہے ان سے کچھ تکلیف بھی نہیں ہے چاہے پاؤں پھیلا دیا چاہے بیٹھ کر کے سو رہا اب دو چار تو ایسے ہوتے ہیں سب ایسے کہاں ہو سکتے ہیں۔

ایک صاحب کو میں نے پنکھا جھلنے سے منع کیا انہوں نے کہا کہ ہم تو خدمت ہی کیلئے آئے تھے میں نے کہا کہ معاہدہ کیلئے تو دونوں طرف سے رضا ہونی چاہیے مجھ کو اپنے اس ارادہ سے مطلع کر کے میری بھی تو رضا حاصل کرنی چاہیے تھی اگر آپ اس غرض سے آئے ہیں تو لوٹ جایئے میں خدمت کی اجازت نہیں دیتا (احقر بھی اس گفتگو کے وقت موجود تھا یہ بھی فرمایا تھا کہ یہ آپ بالکل غلط کہتے ہیں کہ خدمت ہی کیلئے آیا تھا کیا جس وقت آپ نے اس سفر کا قصد کیا تھا یہی خیال تھا کہ وہاں جا کر پنکھا جھلا کرونگا) پھر فرمایا کہ یہ تو بہت آسان ہے کہ میں کسی سے خدمت نہ لوں۔ اور کام سب کا کروں لیکن لوگ رسوم کے خوگر ہو گئے ہیں۔

ایک صاحب دہلی کے آئے وہ ایک واعظ کے پاس رہے تھے رات دن خدمت کرتے کے خوگر تھے بعد کوان کا میلان بدعات کی طرف دیکھ کر یہاں آئے ان کو عادت تو اسی کی پڑی ہوئی تھی مجھ سے بھی بھوت کی طرح لپٹنا چاہا۔ میں نے انہیں نرمی سے سمجھایا انہوں نے ایک پرچہ لکھ دیا کہ مجھے رنج ہوا۔ آپ نے مجھ کو سعادت سے محروم رکھا۔ میں نے بلا کر کہا کہ اگر آپ کو مجھ سے اعتقاد نہیں ہے تو میری خدمت میں کوئی سعادت نہیں جس کی محرومی کا رنج کیا جائے گا اگر اعتقاد ہے تو یہ عجیب بات ہے کہ آپ مجھے سعادت سے محروم کرنے والا سمجھتے ہیں اگر ایسا ہے تو پھر ایسے شخص سے اعتقاد ہی کیوں رکھتے ہو اعتقاد تو اس سے رکھنا چاہیے جو سعادت سے قریب کرنے والا ہوں میں تو آپ کو سعادت سے بعید کرنے والا ہوں جو شخص سعادت سے محروم کرنے والا ہو وہ تو دشمن دین ہے جب آپ مجھے سعادت سے محروم کرنیوالا سمجھتے ہیں تو میں آپ کا دشمن دین ہوں اگر آپ مجھے ایسا سمجھتے ہیں تو پھر آپ کا یہاں رہنا فضول ہے تشریف لے جایئے۔ تب ان کی آنکھیں کھلیں۔ پھر میں نے کہا کہ تمہیں یہ سمجھنا چاہیے کہ جو کچھ مجھ کو کہا

جائےگا وہی ٹھیک ہوگا۔

پھر فرمایا کہ حضرت میں نے اپنے کسی بزرگ کی خدمت ہاتھ پاؤں کی کبھی نہیں کی کہ شاید مجھ سے نہ آئے تو انہیں تکلیف ہو۔ عمر بھر میں ایک دفعہ مولانا گنگوہی کو پنکھا جھلنے بیٹھا تھا اس وقت مولانا اور میں اکیلے تھے کبھی یہ کام کیا نہیں تھا تھوڑی دیر میں مونڈھے دکھنے لگے۔ اب کوئی دوسرا وہاں تھا نہیں کہ اس کو دیدوں اور موقوف کر دینا برا معلوم ہوا۔ جی چاہا کہ کوئی آجائے تو اچھا ہو۔ چنانچہ ایک صاحب آگئے میں نے ان کے حوالہ کر دیا۔ اور جی میں کہا کہ توبہ ہے جو اب پنکھا جھلوں۔ نہ ہمارے بزرگوں کو کبھی اس کا خیال ہوا۔ اب جیسا برتاؤ بزرگوں کا دیکھا ہے ویسے ہی کرنے کو جی چاہتا ہے۔ دیکھئے صحابہ سے زیادہ کون ادب کرنے والا ہوگا۔ مؤرخین نے بھی لکھا ہے کہ دنیا میں نظیر نہیں پائی گئی اس محبت تعظیم اور جاں نثاری کی مگر باوجود اس کے جب حضرات صحابہؓ کو معلوم ہوا کہ حضورؐ کو تعظیم کیلئے کھڑا ہونا ناگوار ہوتا ہے۔ تو کھڑا ہونا چھوڑ دیا۔ صحابہؓ کہتے ہیں کہ ہم کھڑے نہیں ہوتے تھے کہ ناگوار نہ ہو۔ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ جب آتے ہم کھڑے ہو جاتے مولانا کو تکلیف ہوتی۔ بہت دن صبر کیا ایک دن فرمایا کہ بھائی مجھے تکلیف ہوتی ہے کھڑے مت ہوا کرو۔ اس کے بعد سے کھڑا ہونا چھوڑ دیا۔ جب مولوی صاحب آتے تھے بے اختیار جی چاہتا تھا کہ کھڑے ہو جائیں کیونکہ محبت بھی ادب بھی عظمت بھی لیکن یہی خیال ہوتا تھا کہ مولانا کو تکلیف ہوگی جوش کو ضبط کئے بیٹھے رہتے۔ پھر فرمایا کہ اس صورت میں میرے نزدیک بیٹھا رہنا زیادہ نافع ہے کیونکہ اپنا جی چاہتا ہے کہ اٹھیں لیکن شیخ کی کلفت کے خیال سے طبیعت کو روک کر بیٹھ رہے مخالف طبیعت مجاہدہ ہے۔

اب یوں چاہتے ہیں کہ خود پیر صاحب مجاہدہ کریں۔ یہ عجیب بات ہے کہ جو فارغ ہے مجاہدہ سے یعنی ان کے اعتقاد میں وہ تو مجاہدہ کرے اور جنہیں حاجت ہو مجاہدہ کی وہ نہ کریں حضرت رسوم کی بدولت حقائق مٹ گئے چھپ گئے یہ سب پیرزادوں نے کھانے پینے کے ڈھونگ نکالے ہیں ایک یہ سکھلا رکھا ہے کہ خالی جائے خالی آئے۔ میں ان خود غرضی کے جملوں کے بھی معنی بتا دیتا ہوں۔ کہتا ہوں کہ اس کے یہ معنی ہیں کہ جو خالی جائے گا خلوص سے وہ خالی آئے گا فیض و برکات سے۔ اب اس کی ایسی پابندی ہے کہ بعضے تو بلا نذرانہ ملاقات ہی نہیں کرتے کسی سے نہ ہو سکا نذرانہ کا انتظام تو وہ بیچارہ تو یوں ہی رہا۔

پیرزادوں نے ایک یہ ترکیب بھی ایجاد کی ہے کہ مصافحہ میں نذرانہ دیا جائے سنت کو بھی دنیا کی غرض سے ملا کر خراب کیا۔ پھر فرمایا کہ ایک صاحب یہاں تشریف لائے بڑے مہذب رئیسوں میں سمجھے جاتے ہیں بہت مہذب اور شائستہ لیکن دنیا کی تہذیب یہی واللہ! بدوں دین کے یا صحبت اہل دین کے کافی نہیں ہوتی۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب بھی مہمان تھے سب نے مل کر کھانا کھایا جب کھا چکے تو انہیں رئیس صاحب نے ایک روپیہ جیب میں سے نکال کر میرے اوپر پھینک دیا میں نے اٹھا کر ان پر پھینک دیا۔ مولانا خلیل احمد صاحب کو ان کی اس حرکت پر بہت غصہ ہوا۔ انہوں نے کچھ فرمانا چاہا مولانا بہت صاف ہیں میں نے سوچا کہ کہیں انہوں نے مولانا کے فرمانے پر کچھ جواب دیا تو بہت بے جا ہوگا اس لئے میں نے خود ہی کہنا شروع کر دیا۔ حالانکہ بڑوں کے سامنے بولنا بے ادبی ہے لیکن اس وقت مصلحت اسی میں تھی پھر کہا تو اتنا کہا کہ مولانا کبھی بھی نہ کہتے خوب ہی آڑے ہاتھوں لیا۔ بڑے چپ ہوئے۔ مولانا بعد میں فرمانے لگے کہ مجھے ان کی حرکت بہت ہی ناگوار ہوئی۔ میں تو خود ان سے کہنے والا تھا کہ یہ کیا بد تہذیبی ہے۔ میں نے کہا کہ نہیں میرا معاملہ تھا۔ میرا کہنا انہیں ناگوار نہیں ہوا۔ آپ کا کہنا ناگوار ہوتا کہ یہ کون ہیں بیچ میں بولنے والے۔ پھر ہمارے حضرت نے فرمایا کہ یا تو تکلف ایسا کہ مصافحہ میں دیں یا بے تکلف ایسے کہ منہ پر ہی مار دیں۔

حفیظ شاعر جونپوری نے ایک کتاب یہاں آنے کے حالات میں لکھی ہے اس میں انہوں نے لکھا ہے کہ تہذیب جو ہم نے مدتوں میں حاصل کی تھی وہ یہاں آ کر معلوم ہوا کہ تہذیب ہی نہیں ہے۔ پھر فرمایا کہ ایک صاحب آ کر کھڑے ہو گئے بیٹھنا چاہتے تھے لیکن بلا اجازت کیسے بیٹھیں میں نے پوچھا کہ کھڑے کیوں ہو کہا کہ بلا اجازت کیسے بیٹھ سکتا ہوں یہ وہی عرفی تہذیب۔ میں نے کہا کہ اچھا ایک ہفتہ تک بیٹھنے کی اجازت نہیں کھڑے رہو۔ یہ سن کر فوراً بیٹھ گئے میں نے کہا کہ یہ کیا سبحان اللہ جب بیٹھنے کی ممانعت نہ تھی تب تو بیٹھے نہیں اور جب صریح ممانعت ہو گئی تو بیٹھ گئے یہ کیا بات ہے۔

پھر فرمایا کہ ایک فہیم صاحب یہاں (سہ دری میں) آتے ہی چپکے بیٹھ جاتے ہیں سلام بھی نہیں کرتے۔ ایک صاحب نے ان سے اعتراض کیا کہ تم بڑے بد تہذیب ہو بلا سلام کئے آ کر بیٹھ جاتے ہو۔ انہیں نے کہا کہ تم ہی بد تہذیب ہو کہ کام کے وقت سلام کر کے حرج کرتے ہو۔ کام کے وقت سلام کرنا جائز ہی نہیں۔ پھر فرمایا کہ فقہاء نے اس راز کو سمجھا ہے انہوں نے ایسے اوقات میں سلام کرنے

کومکروہ فرمادیا ہے بیچ یہ ہے دو جماعتیں حکیم کہنے کے قابل ہیں۔ صوفیہ اور فقہا بھی یہ دونوں جماعتیں حقیقت کو سمجھنے والی ہیں۔ محض الفاظ پرست نہیں ہیں۔ فقہا نے فہرست لکھ دی ہے جن حالات میں سلام کرنا مکروہ ہے۔ ان میں یہ بھی ہے کہ جو طبعی یا دینی کام میں مشغول ہو۔ چنانچہ کھانا کھاتے میں سلام مکروہ لکھا ہے اور باتیں کرنے کی اجازت دی ہے۔

ملفوظ (۴۵۸) بوتل ٹوٹ جائے تو خیر دل نہ ٹوٹے

ایک صاحب نے کچھ تیل عطر وغیرہ ہدیہ بذریعہ ڈاک بھیجا۔ بذریعہ خط دریافت کیا کہ صحیح وسالم پہنچ گئے ہیں یا نہیں۔ فرمایا کہ اگر راستہ میں نقصان ہو جائے تو اطلاع نہیں کرنا چاہیے ایک تو بوتل ٹوٹی پھر دوسرے کا دل کیوں توڑے۔

ملفوظ (۴۵۹) حصول نسبت میں شیخ کی ضرورت۔ مجاہدہ نسبت کیلئے علت نہیں

فرمایا کہ شیخ کی بدولت نسبت باطنی آسانی کے ساتھ حاصل ہو جاتی ہے تنہا سینکڑوں برس مجاہدہ کرتے گذر جائیں جو کبھی میسر ہو۔ یہ بھی فرمایا کہ نسبت باطنی موہوب من اللہ ہے۔ مجاہدہ موقوف علیہ نسبت باطنی کا تو ہے علت نہیں اور اگر علت ہے تو علت عادی ہے علت حقیقی نہیں۔

ملفوظ (۴۶۰) بیان حقائق میں اہل اللہ میں تکلف نہیں ہوتا

فرمایا کہ اہل اللہ تکلف سے کبھی حقائق نہیں بیان فرماتے۔ جب جوش ہوتا ہے تب فرماتے ہیں میں نے حضرت حاجی صاحب کے یہاں تو قریب قریب روز یعنی کثرت سے دیکھا کہ کوئی بات اگر پوچھی گئی اور اس وقت جوش نہ ہوا تو یوں فرمادیا کہ اس وقت طبیعت متوجہ نہیں گو اسی مضمون کو پیشتر بارہا فرما چکے ہوں لیکن یہ کبھی نہیں ہوا کہ تقریر یاد ہے جب پوچھا پڑھ دیا۔

ملفوظ (۴۶۱) ضعفاء کیلئے اسباب میں بڑی حکمتیں ہیں۔ ضعفاء کی محبت حق اسباب کی بدولت محفوظ ہے۔ اسباب کے بارے میں حضرت شاہ ولی

اللہ صاحبؒ کا کشف۔ حضرت حاجی صاحبؒ کے ہاں حکمت کی رعایت۔ تعریف ولایت۔ اعلیٰ سے اعلیٰ توکل۔ مال کی قدر کی اہمیت۔

اسباب کی تکوین میں مصلحت:

قطع اسباب کا مثنوی شریف میں ذکر آیا اس کے بعد یہ مضمون تھا کہ اسباب میں بھی حکمت ہے حضرت نے فرمایا کہ میں حصر نہیں کرتا لیکن اسباب میں ضعفاء کیلئے بڑی حکمتیں ہیں ان کیلئے اسباب میں بڑی تسلی ہے ورنہ کھانا کیونکر پکاتے ہیں کھیتی کون کرتا یہ عالم ویراں ہو جاتا اسی واسطے کہا ہے۔

لولا الحمقی لخربت الدنیا

؎ استن ایں عالم اے جاں غفلت ست ورنہ ایں جاشربت اندر شربت ست

اگر اہل غفلت نہ ہوتے تو دنیا آباد نہیں رہ سکتی تھی تھوڑی غفلت تو ہونا چاہیے تاکہ دنیا کے کام چل سکیں پس جب بھوک لگی فوراً گیہوں پیسے آٹا گوندھا آگ جلائی اور روٹی پکائی ورنہ کون یہ جھگڑا کرتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ ضعفاء کو محبت حق جو تھوڑی بہت ہے وہ انہیں اسباب کی بدولت محفوظ ہے۔ ورنہ بہت سے ناگوار واقعات پیش آتے ہیں اور محبت غالب نہیں یعنی اس میں درجہ کمال حاصل نہیں۔ سو اب تو اسباب کی طرف انتساب کر لیتے ہیں اگر اسباب نہ ہوتے اور بلاواسطہ اسباب کے منجانب اللہ ہو جاتا۔ یہ بڑی حکمت اسباب میں ہے۔ اب چاہے کچھ ہی ہو جائے خدا سے تو تکدر کسی کو نہیں ہوتا۔ انہیں حکمتوں کی وجہ سے حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اپنا کشف لکھا ہے کہ مجھے حضور کریم نبوی ﷺ نے میری طبیعت کے خلاف تین امور پر مجبور کیا۔ ایک تو یہ کہ شیخین کو افضل سمجھوں حالانکہ میرا جی چاہتا تھا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو افضل سمجھوں۔

سبحان اللہ! کیسے سچے لوگ تھے جو بات جی میں تھی سچی سچی کہہ دی بدنامی وغیرہ کا خیال نہ کیا۔ ایک یہ بات تھی کہ مجھ کو تقلید اچھی نہ معلوم ہوتی تھی لیکن مجھے حضور ﷺ نے خروج عن المذاہب الاربعہ سے منع فرمایا۔ ایک اسباب سے نفرت تھی۔ اس پر حکم ہوا کہ اسباب کو کبھی نہ چھوڑنا۔ اس لئے تشبث بالاسباب پر مجبور ہوا۔ پھر فرمایا کہ ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ کے یہاں حکمت کی اس قدر رعایت تھی کہ جس کی انتہا نہیں۔

ایک بی بی نے یعنی میرے گھر میں کہا کہ میں اپنی زمین وقف کردوں حضرت نے منع فرمادیا کہ وقف مت کرنا۔ دیکھئے بظاہر ایک نیک کام سے منع کیا لیکن فرمایا کہ نفس کے بہلانے کیلئے بھی کوئی چیز ہونی چاہیے اپنے پاس کچھ جمع ہو تو نفس کو تسلی رہتی ہے۔ اور اس پر حضرت حاجی صاحب کی ایک حکایت فرمایا کرتے تھے کہ ایک بزرگ تھے انہوں نے حق تعالیٰ سے دعا مانگی کہ جتنی روزی میری قسمت میں ہو وہ سب ایک دم سے مجھے دیدیجئے تھوڑی تھوڑی نہ دیجئے۔ ارشاد ہوا کہ کیا تمہیں یقین نہیں ہمارے وعدہ پر۔ غرض کی یقین تو ہے مگر وعدہ مبہم ہے ملیگا تو لیکن یہ متعین نہیں کہ کب! شیطان مجھے بہکاتا ہے کہ جانے کے دن میں ملے اگر ہفتہ بھر تک نہ ملے تو تمہارا تو ہو جانے قلیہ۔ اور یہ شیطان بڑا دشمن ہے اور آپ ہی نے یہ بھی فرمایا ہے الشیطن یعدکم الفقر الایۃ اگر آپ مجھے ایک دم سے دے دیں گے تو میں کوٹھڑی میں بھر کر رکھ چھوڑ دوں گا۔ جب شیطان مجھ سے پوچھے گا کہ کہاں سے کھائے گا میں کہہ دوں گا کہ اس کوٹھڑی میں سے۔ تو بزرگوں نے ایسی ایسی تدبیریں کی ہیں اپنے ضعف کی۔ اور ضعف وقوت امور طبیعہ سے ہیں۔ ولایت میں ان کو دخل نہیں۔ ولایت کہتے ہیں اطاعت اور عبدیت کو۔ حضور ﷺ نے ازواج مطہرات کو سال بھر کا خرچ ایک ساتھ دیکر ظاہر فرمادیا کہ سال بھر تک کا خرچ ذخیرہ رکھنا اعلیٰ سے اعلیٰ توکل کے بھی خلاف نہیں۔ واقعی کچھ جمع رہنے سے تسلی تو ہوتی ہے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کو زہد میں بہت ہی مبالغہ تھا یہاں تک کہ ہارون الرشید بادشاہ کے یہاں کے رقعہ کو ہاتھ سے نہیں چھوا تھا۔ دور سے لکڑی سے الٹ کر کھولا تھا وہ ہم لوگوں کے لئے فرما گئے ہیں کہ جس کے پاس درہم ہوں اس کو چاہیئے کہ وہ ان کی قدر کرے کیونکہ اب وہ زمانہ ہے کہ جب آدمی کے پاس کچھ نہیں ہوتا تو اس کی اول مشق دین پر ہوتی ہے دوسرے یہ کہ اگر ہمارے پاس مال نہ ہوتا تو امراء ہم کو دست مال کردیتے مال کی بدولت اب وہ ہم پر ہاتھ نہیں ڈال سکتے اس کی بدولت ہم ان کے شر سے محفوظ ہیں ورنہ ہمیں ذلیل سمجھ کر ہم سے بیگاریں لیا کرتے۔

پھر ہمارے حضرت مولانا نے فرمایا کہ جو اسباب کے بالکل ہی منکر ہیں جیسے حضرت عطاء اسکندری رحمۃ اللہ علیہ انہوں نے اپنی کتاب تنویر میں بالکل اسباب کو مٹادیا ہے لیکن پھر بھی اسباب کی تکوین میں مصلحت ثابت کی ہے لکھا ہے کہ اسباب کو حق تعالیٰ نے اس لئے پیدا فرمایا ہے تاکہ بندہ اسباب کو اختیار فرمانے اور اللہ تعالیٰ ان کو توڑے اور کچھ نہیں تو اسباب میں یہی ایک نفع سہی۔ غرض تاثیر

اسباب نے بھی اسباب میں حکمت ثابت کی ہے۔

معلوم ہوا کہ اسباب میں بالا جماع حکمتیں ہیں۔ پھر مثنوی شریف میں یہ مضمون آیا کہ اسباب کے ذریعہ سے اسباب الاسباب پر نظر کرو اس پر حضرت نے فرمایا کہ اسی طرح اسباب موصل الی اللہ ہو جائیں گے کیونکہ مصنوع اپنے صانع کیلئے دلیل ہوا کرتا ہے ایک یہ مصلحت بھی اسباب میں نکلی۔

ملفوظ (۴۶۲) اسلام بزور شمشیر پھیلا اعتراض کا لطیف جواب

اس اعتراض کا ذکر تھا کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے۔ فرمایا کہ مولانا محمد قاسم نے خوب لطیف جواب دیا تھا کہ اگر مان لیا جائے کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا تو ہم یہ پوچھتے ہیں کہ وہ شمشیر زن کہاں سے آئے کیونکہ ظاہر ہے کہ ایک دو شمشیر زن تو بزور شمشیر اسلام کو عالم بھر میں پھیلا نہیں سکتے تھے تو پس معلوم ہوا کہ شمشیر زن اصل علت اشاعت اسلام کی نہیں بلکہ اصل علت اور ہی ہے جس سے شمشیر زن پیدا ہوئے وہ حقیقت میں تو تائید حق ہے اور ظاہری سبب حضور ﷺ کے اخلاق ہیں اسلام پھیلا ہے اخلاق سے تلوار سے نہیں پھیلا۔

دوران درس مثنوی میں فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کی عنایت ہوتی ہے خود ان پر ایسے واقعات ڈالتے ہیں جن سے اسباب کی تاثیر کی نفی ہوتی ہے۔

ملفوظ (۴۶۳) اہل الرائے کو یہاں آنے کی ترغیب نہ دو

ایک صاحب نے اپنے والد کو بھی حضرت کی خدمت میں اپنے ساتھ لانے کیلئے ترغیب دی اور حضرت سے دعا و اجازت کیلئے لکھا حضرت نے صاف انکار لکھ کر بھیجا کہ جب ان کو خود رغبت نہیں تو ہرگز ترغیب نہ دی جائے وہ صاحب حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اخیر میں وہ راضی بھی ہو گئے تھے لیکن فلاں شخص نے بہکا دیا۔ حضرت نے فرمایا کہ ان کو خود ہی شوق نہ تھا تو آپ کو ہرگز ترغیب نہ دینی چاہیے تھی۔ میں تو یہی لکھ بھی چکا تھا۔ دین تو مطلوب ہونا چاہیے کیوں کسی کے درپے ہوں ایک تبلیغ اور اعلام تو ضروری ہے باقی درپے ہونا ضروری نہیں بلکہ میری رائے میں مضر ہے میں نے تو ایک وعظ التصدی للغیر مستقل طور سے اسی کی بابت کہا ہے معلوم نہیں چھپا ہے یا نہیں۔ بہت دن سے یہ مضمون ذہن میں تھا حق تعالیٰ نے اس روز مفصل بیان کروا دیا۔ میں تو یہ مشورہ دیا کرتا ہوں کہ اگر وہ لوگ اہل الرائی نہیں

مثلاً بچے ہیں تو ان کو لے آؤ اور جو اہل الرائے ہیں اگر خود رغبت ہو لاؤ ورنہ چھوڑ دو پھر ہمیشہ ان کی خاطر کرنی پڑتی ہے کیا ضرورت؟ اجی آنے والے کی خدمت کیلئے حاضر ہیں باقی گھیرے کیوں خواہ مخواہ خاطر کرنی پڑتی ہے کہ کوئی بات خلاف طبیعت نہ ہو۔

ملفوظ (۴۶۴) محقق کی ایک منٹ کی تقریر کا اثر

فرمایا کہ محقق کی ایک منٹ کی تقریر میں جو اثر ہوتا ہے وہ غیر محقق کے آدھ گھنٹہ کے لیکچر میں بھی نہیں ہوتا کیونکہ وہ تو دیکھی ہوئی کہہ رہا ہے اور یہ یوں ہی گڑھی ان گڑھی ہانک رہا ہے۔

ملفوظ (۴۶۵) بد دین کی صحبت کا اثر

فرمایا کہ ممکن نہیں بد دین آدمی کی صحبت کا اثر نہ ہو۔ میں تو کہا کرتا ہوں کہ جہاں اور باتوں سے احتراز کرے بعد توبہ اپنے پرانے جلسہ کو بھی رخصت کرے یعنی جن لوگوں سے پہلے صحبت رکھتا تھا ان کو چھوڑ کر دوسری قسم کے لوگوں کی صحبت اختیار کرلے۔

ملفوظ (۴۶۶) سنت کے موافق نکاح

ایک صاحب نے اپنی صاحب زادی کا نکاح بعد نماز عصر مسجد میں پڑھوایا نکاح کے بعد صرف چھوہارے تقسیم کر دیے گئے۔ دولہا نے کوئی نئے کپڑے بھی نہیں پہنے تھے اسی طرح کئی نکاح ہو چکے ہیں ایک نکاح میں تو دولہا کے پاس روزمرہ کے استعمالی میلے ہی کپڑے تھے اس بے تکلفی سے سب نہایت خوش ہوئے حضرت نے فرمایا کہ اس طرح کا نکاح میرے بھائی مظہر کا ہوا تھا۔ بوڑھیوں نے کہا کہ واقعی اس شادی کے موقعہ پر گو ظاہری رسم نہیں ہوئی لیکن ہمارے دلوں میں رونق معلوم ہوتی ہے۔

فرمایا سبحان اللہ! سنت کے موافق نکاح میں کیوں نورانیت نہ ہو۔ اور یہ بھی بات ہے کہ جتنی سہولت ہوتی ہے اتنی ہی نورانیت قلب میں ہوتی ہے کیونکہ جھگڑا بکھیڑا ہوتا نہیں اس لئے انشراح رہتا ہے اور جہاں طوالت اور جھگڑے ہوتے ہیں وہاں ضرور قلب میں کدورت اور ظلمت ہوتی ہے۔

ملفوظ (۴۶۷) ضرورت شیخ

ضرورت شیخ کا ذکر مثنوی شریف میں آیا فرمایا کہ حضرت شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں ؎

گر روی صد سال دررا ہ طلب　　　راہ بر نبود چہ حاصل زاں تعب

ایسی مثال ہے جیسے فنون حسیہ میں سے کبھی چا ہے جس فن کو لے لے تو یوں چا ہے کام چل جائے
لیکن فن کی مناسبت خواہ کیسا ہی آسان فن ہو بلا استاد کے نہیں حاصل ہو سکتی ۔ مناسبت جس چیز کا نام ہے
کسی فن کی ہو بلا استاد کے نہیں پیدا ہو سکتی ۔ مثلاً گاڑی ہانکنا ہی لیجئے بہت ہی خسیس بات ہے لیکن مشہور
ہے سئیسی علم دریاؤ ۔ واقعی باریکیاں بلا کسی سے سیکھے نہیں معلوم ہو سکتیں ۔

ملفوظ (۴۶۸)　　　نبی اور ساحر میں فرق

ایک ذی علم کی بابت فرمایا کہ ان سے ایک کوتوال نے سوال کیا کہ نبی اور ساحر میں فرق کیا
ہے کیونکہ نبی بھی معجزات دکھلاتا ہے اور ساحر بھی ایسے ایسے عجیب کرشمے دکھلا سکتا ہے انہوں نے خوب
جواب دیا کہ جو ڈاکو سرکاری وردی پہن کر اور کوتوال بن کر ڈاکے ڈالے تو میں پوچھتا ہوں کہ کوتوال میں
اور ڈاکو میں کیا فرق ہے نبی اور ساحر میں ۔

ملفوظ (۴۶۹)　　　اجمیر شریف کے انوار

فرمایا کہ میں بھی ایک مرتبہ اجمیر شریف ویسے ہی بغرض زیارت حاضر ہوا ہوں چونکہ حضرت
شیخ کی بڑی بڑی برکات ہیں وہاں اترتے ہی تمام شہر میں ایک رونق معلوم ہوتی ہے وہاں کے زمین آسمان
ہی پر رونق معلوم ہوتے تھے ۔ اب نہیں معلوم میرا خیال ہے یا کیا ۔ حالانکہ وہاں ظلمات بدعت کی بہت ہیں
لیکن ان پر انوار پھر غالب ہیں حضرت شیخ کے ۔

ملفوظ (۴۷۰)　　پکی بات ۔ مناظرہ سے نفرت ۔ مناظرہ میں اضاعت وقت ۔ ہم نے ماں باپ سے دین سیکھا ہے ۔ تعلیم لڑائی کیلئے نہیں دلوائی جاتی ۔ بزرگوں کے وعظ کا طریقہ ۔ مناظرہ میں فریق مخالف کا تسلیم کا ارادہ نہیں ہوتا :

فرمایا کہ بعضے باطل فرقے جو پیدا ہوئے وہ بہت جلد مٹ گئے اگر ان کے رد کیلئے بڑے

بڑے علماء نہ کہتے ہو جاتے۔ علماء کے رد نے ان کو اور بھی وقعت دیدی لوگ خواہ مخواہ ان کے دعووں کو اہم سمجھنے لگے۔ کہ بڑے بڑے لوگ ان کے رد کی طرف متوجہ ہیں تو ضرور اہم ہوں گے۔ علماء کے متوجہ ہونے نے ان کو اور بھی رونق دیدی ورنہ بہت جلد ختم ہو جاتے۔

اسی طرح آریوں کو جو قوت ہوئی اکثر کی رائے ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ علماء ان کے جوابات دینے کی طرف متوجہ ہوئے ان کے مقابلہ کیلئے تو عوام ہی مناسب تھے کیونکہ عالم کو تو یہ بھی لحاظ رہتا ہے کہ کوئی ایسی ویسی بیکی بات منہ سے نہ نکلے۔

ایک مولوی صاحب سے کسی نے کہا کہ داڑھی رکھنے کا حکم قرآن مجید میں دکھلا دو انہوں نے یہ آیت پڑھی لاتاخذ بلحيتي اور کہا کہ دیکھو اگر ہارون علیہ السلام کے داڑھی نہ ہوتی تو موسیٰ علیہ السلام پکڑتے کہاں سے اس سے ثابت ہوا کہ ان کے داڑھی تھی۔ میں نے ان مولوی صاحب سے کہا کہ مولانا اگر وہ یہ کہتا کہ اس سے داڑھی کا صرف وجود ثابت ہوا وجود کا کون انکار کرتا ہے وجوب تو ثابت نہ ہوا وجوب ثابت کرو تو آپ کے پاس کیا جواب تھا۔ مولوی صاحب بولے اجی اس میں اتنی سمجھ کہاں تھی وہ یہ سوال کرتا۔ پھر ہمارے حضرت نے فرمایا کہ ہمیں تو خدا جانے بیکی بات کہتے شرم آتی ہے ایسا شخص جو بیکی بات کہنے سے شرمائے جاہلوں سے یا ہٹ دھرموں سے مقابلہ کب کر سکتا ہے۔ ایسوں کے مقابلہ کے لئے ایسا ہی شخص چاہئے۔

ایک گنوار نے کسی عیسائی سے پوچھا کہ عیسیٰ خدا کا بیٹا ہے اس نے کہا ہاں اس نے پوچھا اور بھی کوئی بیٹا ہے کہا نہیں اس نے کہا تیرے خدا سے تو (نعوذ باللہ) میں ہی اچھا ہوں دیکھ میری تھوڑی سی عمر میں بیس لڑکے ہو چکے ہیں۔ معلوم ہوا کہ تیرا خدا کچھ بھی نہیں بہت ہی کمزور ہے سب لوگ کہنے لگے واہ بھائی خوب کہی پادری کو ہرا دیا۔ ایسے جاہلوں کی قدر ہوتی ہے مناظروں میں۔ عدالتوں میں بھی جو قابل وکیل ہیں وہ مختصر سی گر کی بات کہتے ہیں لیکن ان کی عوام کچھ قدر نہیں کرتے اور جو بہت بک بک کرتا ہو اس کو کہتے ہیں کہ بڑا اچھا وکیل ہے خوب لڑتا ہے۔ مجھ سے جب کسی نے مناظرہ کیلئے کہا میں نے کہا کہ ایک بڑی بات ہے کہ حکم کون ہوگا۔ یا علماء یا عوام علماء اگر حکم ہوئے تو وہ یا ادھر کے ہوں گے یا ادھر کے ان کا فیصلہ ہی کیا ہوگا۔ عوام بے شک خالی الذہن ہوتے ہیں لیکن وہ ہیں جہلا تو جس فیصلہ کا مدار جہلا پر ہو وہ فیصلہ جیسا ہوگا ظاہر ہے بس اس سے تو یہی بہتر ہے کہ جو تمہارے نزدیک حق ہو تم کہو اور جو ہمارے نزدیک حق

ہوہم کہیں۔ خدا جس کو اثر دے مناظروں سے کوئی نفع نہیں۔ بس یہ چاہیے کہ جب اہل باطل بکیں تو اپنی الگ کہنے لگیں زیادہ اچھا طریقہ یہی ہے۔ انبیاء کا یہی طریقہ ہے کفار کے جواب میں اتنی مشغولی نہیں کرتے تھے حق کا تو اعادہ بار بار کرتے تھے جواب کے زیادہ درپے نہیں ہوتے تھے اس سے زیادہ نفع ہوا مجھے طالب علمی ہی کے زمانہ میں یہ تجربہ ہوگیا تھا اور بجائے مناظرہ کے میں یہ کرتا تھا کہ عیسائیوں کے مقابلہ میں اپنا وعظ دوسری طرف کھڑے ہوکر کہنے لگتا تھا۔ اس سے بہت نفع ہوتا تھا مناظرہ سے مجھ کو سخت نفرت ہے۔

مراد آباد میں کسی صاحب سے مناظرہ کرنے کیلئے ٹھہرالیا میرے پاس خط آیا میں نے انکار لکھ بھیجا لیکن ایک بار مراد آباد ایسے ہی قصہ میں جانا پڑا مگر اللہ جانے اس قدر نفرت ہوئی کہ مجھے منہ دکھلاتے ہوئے شرم آتی تھی کہ اگر کوئی پوچھے کہ کیوں آئے ہو تو کیا کہوں۔ یوں کہوں کہ مناظرہ کیلئے آیا ہوں۔ تو لاحول ولاقوۃ بڑی نامعقول حرکت ہے۔ مگر خیر مناظرہ نہیں ہوا۔ پھر وعظ وغیرہ ہوا اس سے نفع ہوا۔ جس روز تاریخ مناظرہ کی تھی اس قدر چرچا تھا کہ ہندو بھی آپس میں کہتے تھے کہ وہاں شاہی مسجد میں چلو مولویوں کی لڑائی ہورہی ہے ایسی شرم آئی کہ لاالہ الااللہ۔ ایسی ذلت مناظروں میں ہے۔ صاحب مجھے تو بہت ہی ناپسند ہیں۔

مولانا محمد قاسم صاحبؒ بھی بہت نفور تھے مسلمانوں سے بالکل مناظرہ نہیں کرتے تھے ہاں کفار سے کرتے تھے۔ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کے پاس ایک شخص نے ایک سوال لکھ کر بھیجا۔ مولانا نے مجھ سے جواب لکھوا دیا اس نے ایک جواب پر پھر اعتراض لکھا میں نے اس کا جواب لکھنا چاہا۔ مولانا نے فرمایا کہ جواب لکھنے کی ضرورت نہیں یہ لکھ دو کہ ہم مرغان جنگی نہیں ہیں ہمیں لڑنے کی فرصت نہیں کسی اور جگہ سے جواب منگالو۔ میں نے عرض بھی کیا کہ حضرت کچھ تو جواب لکھ دوں فرمایا نہیں جی واہیات بات ہے کیوں وقت ضائع کیا جائے۔ پھر ہمارے حضرت نے فرمایا کہ اس وقت تو سمجھ میں نہیں آیا تھا اب قدر معلوم ہوتی ہے کہ کیا بات تھی واقعی وقت بہت خراب ہوتا ہے اور دل بھی خراب ہوتا ہے مولوی عبدالقیوم صاحب بڑے ظریف تھے کسی نے مسئلہ پوچھا آپ نے بتلا دیا۔ اس نے پوچھا کہ مسئلہ کون سی حدیث میں ہے۔ کیا فرماتے ہیں کہ میں تو مسلم نہیں ہوں ہم نے باپ دادا سے دین سیکھا ہے اور انہوں نے اپنے باپ دادوں سے یہاں تک کہ ہمارے جدامجد تھے انہوں نے تو حضور ﷺ سے اسلام سیکھا اس

لئے ہم نے حدیث کی تلاش نہیں کی۔ ایک بار ایک شخص نے مسئلہ پوچھا مولوی صاحب نے بتلا دیا اس نے کچھ اعتراض کیا فرمایا کہ مسئلہ تو بتلا دیا لیکن بھائی میرے باپ نے مجھے لڑنے کیلئے نہیں پڑھایا تھا پھر ہمارے حضرت نے فرمایا کہ بزرگوں کا تو یہ طریقہ دیکھا ہے اسی کو جی چاہتا ہے کہ کوئی بات پوچھے ذرا شبہ ہوا کہہ دیا بھائی کتاب دیکھ کر بتلائیں گے یاد نہیں رہا۔

پہلے بزرگوں میں زبانی وعظ کا بھی طریقہ نہیں تھا۔ مولانا محمد اسحاق صاحب قرآن یا حدیث کی کتاب لے کر وعظ فرماتے تھے اب کوئی ایسا کرے تو عیب سمجھا جاتا ہے کہ کچھ آتا نہیں۔ ایک بار فرمایا کہ مناظرہ سے کچھ نتیجہ نہیں کیونکہ فریق مخالف پہلے ہی سے یہ سوچے ہوئے رہتا ہے کہ اگر یہ کچھ کہے گا پھر جواب دوں گا تصدیق اور تسلیم کر لینے کا اس کا کسی حال میں ارادہ ہی نہیں ہوتا۔ البتہ جہاں متردد ین کے شبہات کے ارتفاع کے بجز اس کے کوئی صورت ہی نہ ہو وہاں مضائقہ ہی نہیں۔

ملفوظ (۴۷۱) تھوڑے کام میں سستی

احقر کو ایک خط کا جواب لکھنا تھا لیکن باوجود ارادہ کے کئی دن ہو گئے لیکن نہیں لکھا گیا حضرت کو اطلاع ہوئی تو فرمایا کہ کچھ یہ دیکھا ہے کہ تھوڑا کام اگر ہو تو وہ نہیں ہوتا اور جو زیادہ کام ہوں تو وہ سب ہو جاتے ہیں۔

ملفوظ (۴۷۲) غرباء کے پیسے میں برکت اور رونق۔ مسجد کے نقش ونگار۔ دلیر ذی علم کو ملازمت کی تلاش:

فرمایا کہ میں تو امراء کو مشورہ دیا کرتا ہوں کہ اگر تم کسی نیک کام میں روپیہ لگاؤ تو اگر برکت چاہتے ہو تو غرباء کے بھی دو چار پیسے شامل کر لیا کرو اگر دیسے نہ ہو تو مانگ ہی کر شامل کرا لیا کرو۔ میں اس کی نظیر بتلایا کرتا ہوں کہ دیکھ لو۔ جہاں خالص امراء کے مدرسے ہیں وہاں دیکھ لو کہ کیا نور برس رہا ہے کہ وہاں سے ایک عالم بھی نہیں اور ایک سہارنپور کا مدرسہ ہے اور دیوبند کا مدرسہ ہے جہاں دیکھ لو کیسی رونق ہے اگر امراء یہ کہیں کہ وہاں بھی ہمارے ہی پیسہ سے رونق ہے تو اچھا جہاں تمہارا خالص پیسہ ہے وہاں رونق کیوں نہیں۔

معلوم ہوا کہ یہ سب غرباء کے پیسہ کی برکت ہے۔ میں نے یہ مضمون ایک خالص موقعہ کے

وعظ میں کہا تھا اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک مدرسہ میں ایک مسجد ایک ریاست کی جاگیردار رئیسہ نے بنوائی ہے
اس کے افتتاح کا جلسہ رئیسہ نے کرایا تھا اور خود بھی تشریف لائی تھیں انہیں نے مہتمم صاحب کو لکھا تھا کہ
آپ اپنے مدرسہ کے سرپرستوں کو جمع کر لیجئے گا۔ مہتمم صاحب نے مجھے لکھا مجھے نہایت ناگوار ہوا۔ میں
نے لکھا کہ میں ہرگز نہیں آؤں گا اگر ہم اس ریاست میں کسی کو لکھ بھیجیں کہ ہم فلاں تاریخ وہاں آئیں
گے۔ فلاں رئیسہ کو کہہ دینا کہ ہم سے فلاں جگہ ملیں تو کیا وہ پسند کریں گی پھر ان میں کیا چیز زیادہ ہے۔ مہتمم
صاحب نے لکھا کہ یہ تو ان کے کارندہ کی بے تمیزی ہے کہ ایسا مضمون لکھ دیا۔ میں نے لکھ دیا کہ ایسا کارندہ
رکھنا بھی محل شکایت ہے۔ میں نے لکھ دیا کہ بات یہ ہے کہ میں انکے بلانے سے اس ذلت کے ساتھ نہیں
آؤں گا۔ اگر بلاتی ہیں تو استقبال کا سامان کریں اول منظوری لیں لیکن ہاں آپ کے بلانے سے آؤں گا
اور جوتیاں چٹخاتے ہوئے آؤنگا ننگے پاؤں آؤنگا لیکن ان سے نہ ملوں گا۔ پھر میں مدرسہ کی طرف سے
بلانے پر پہنچ گیا۔ اور اسٹیشن سے پیدل ہی مدرسہ پہنچا وہ ایڈیٹر مروڑ تو امیروں کے مقابلہ میں تھی میں نے
وہاں وعظ کہا اور اس میں بجائے شکریہ وغیرہ کے یہی کہا کہ امراء کے پیسہ میں جو برکت ہے تو غرباء ہی کے
پیسے شامل ہونے سے ہے امراء کو احسان مند ہونا چاہیے غرباء کا مجھے اندیشہ تھا کہ بعد وعظ کہیں حضرات
مدرسہ اصرار نہ کریں ان رئیسہ سے ملنے کا اس لئے میں وعظ کہہ کر سیدھا اسٹیشن پہنچ گیا۔ ان رئیسہ نے مٹھائی
بھی تقسیم کی تھی۔ مجھے مٹھائی اسٹیشن پر بھیجی۔ اور کہلا بھیجا کہ اس میں شبہ نہ کیجئے یہ میرا حصہ ہے میں نے
دعا کی بیچاری بہت دیندار اور نیک بخت ہیں مگر حضرت امراء کے ساتھ یوں ہی کرنا چاہیئے۔ ایک قصبہ میں
ایک جامع مسجد بنی تھی ایک واعظ ہیں۔ انہوں نے ان رئیسہ کے یہاں عرضی دی کیسی ذلت کی بات ہے
رئیسہ نے کہا کہ مولانا اتنے تکلف کی مسجد کی کیا ضرورت تھی مسجد نبوی ﷺ سے تو زیادہ کوئی مسجد نہیں۔ چھپر
ڈال لینا بھی کافی تھا آپ جایئے جو کچھ میری سمجھ میں آئے گا بھیج دوں گی۔ پھر انہوں نے بھیجا کئی ہزار
مگر کیا ہوا۔ مجھے تو بہت ہی برا معلوم ہوا بات بھی انہوں نے ایسی کہی کہ مسجد نبوی ﷺ سے تو زیادہ کوئی
مسجد نہیں چھپر ڈال لینا بھی کافی تھا وہاں ان واعظ صاحب سے کچھ نہ بنی۔ حامد علی میرا بھتیجا بچہ تھا ایک
مقام پر میرے ساتھ گیا وہاں کی مسجد دیکھ کر اس نے مجھ سے پوچھا کیا ایسے ہی نقش و نگار مسجد میں کیا حضور
کے زمانہ میں بھی تھے وہ بہت تیز اور سلیم طبیعت ہے قبل اس کے کہ میں جواب دوں ایک رئیس متولی جی بیچ
میں بول کہ اس زمانہ میں ضرورت نہ تھی اور اب ضرورت ہے اس واسطے کہ کفار کے دلوں میں مسلمانوں

کی عزت ہو اس نے کہا کہ صاحب ان باتوں سے کہیں عزت ہوتی ہے جن سے عزت ہے وہ وہی چیزیں ہیں جو حضور ﷺ کے زمانہ میں تھیں آپ کیا حضرت سے بھی زیادہ مصلحت اندیش ہیں اگر اس زمانہ میں ضرورت نہ تھی تو حضور ﷺ فرما تو جاتے کہ اگر ایسا زمانہ ہو تو ایسا کرنا وہ رئیس بیچارے چپ ہو گئے میں نے کچھ جواب دینا چاہا تو اس نے کہا کہ آپ نہ بولیئے انہیں کو جواب دینے دیجئے۔ جب میں نے ڈانٹا تب خاموش ہوا۔ ماشاءاللہ بہت ہی تیز ہے۔ ایک بار خورجہ میں پہنچے تو وہاں اس کی شرارتوں پر ایک صاحب جن کی داڑھی منڈی ہوئی تھی ہنسنے لگے اس نے کہا کہ کیوں صاحب آپ کیوں ہنستے ہیں انہوں نے کہا کہ آپ کی حرکتوں پر ہنس رہا ہوں۔ یہ سن کر کیا کہتا ہے کہ جناب آپ کی بھی ایک حرکت ہے ہنسنے کے قابل کہئے تو کہہ دوں۔ جب میں نے ڈانٹا تب چپ ہوا۔ پھر کہنے لگا کہ ہم وعظ کہیں گے کھڑے ہو کر داڑھی کی خوب خبر لی۔ پھر ہمارے حضرت نے فرمایا کہ جو باتیں سچی ہوتی ہیں وہ تو بچوں کے دل کو بھی لگ جاتی ہیں۔ بیگم صاحبہ نے واعظ صاحب سے جب یہ سوال کیا کہ اتنے تکلف کی مسجد کی کیا ضرورت تھی تو چپ ہی ہو گئے انہیں چاہیے یہ تھا کہ روپیہ نہ لیتے۔

پھر ایک ذی علم کی نسبت فرمایا کہ وہ ایک بہت بڑے حاکم سے ملنے گئے کسی ملازمت کی تلاش میں گئے۔ ہیں بڑے دلیر کہا کہ کیا ہمارا کوئی حق نہیں گورنمنٹ میں۔ انہوں نے جواب دیا۔ کہ مولانا نوکری آپ کی وضع کے موافق نہیں آپ کو تو مسجد میں بیٹھ کر مسلمانوں کو نفع پہنچانا چاہیے۔ چلتے وقت پھر انہوں نے پچاس روپیہ پیش کئے کہ مولانا اس وقت یہی خدمت کر سکتا ہوں۔ انہوں نے صاف انکار کر دیا کہ میں آپ کی نصیحت پر عمل کرنا شروع کرتا ہوں۔ میں معافی چاہتا ہوں روپیہ نہیں لیے میں نے کہا بہت اچھا کیا ایک صاحب نے عرض کیا کہ وہ کہتے تھے کہ اس ملاقات کے بعد ان کو ملازمت مل گئی حضرت نے فرمایا تعجب ہی کیا ہے واقعی تھی بھی قدر کی بات تو ایسے شخص کو ملازمت دینا چاہیے تھا۔

۸ رجب المرجب ۱۳۳۴ھ

ملفوظ (۴۷۳) تعلق مع الحق کی برکات

فرمایا کہ جب حق تعالیٰ سے تعلق بڑھتا ہے حقیقتیں منکشف ہو جاتی ہیں۔

ملفوظ (۴۷۴) مرتے وقت حقیقت دنیا کا انکشاف

مثنوی شریف میں اس کا ذکر تھا کہ مرنے کے وقت دنیا کی حقیقت معلوم ہوگی فرمایا کہ مرنے کا وقت تو بڑا وقت ہے مرض ہی میں ثلث سے زیادہ کا حق چلا جاتا ہے۔

ملفوظ (۴۷۵) ہمارے بارے میں اہل اللہ کی رائے درست ہے

فرمایا کہ جس طرح لہو ولعب کی چیزوں میں مشغول دیکھ کر ہم بچوں کو بے وقوف سمجھتے ہیں اور وہ اس سے بے وقوف سمجھنے میں ہماری رائے کو غلط سمجھتے ہیں اور دراصل ہمارا بیوقوف سمجھنا صحیح ہے اسی طرح اہل اللہ ہمیں بے وقوف سمجھتے ہیں اور ہم اہل اللہ پر ہنستے ہیں لیکن اہل اللہ ہی کا ہمیں بے وقوف سمجھنا صحیح ہے۔

ملفوظ (۴۷۶) جو علم خدا تک نہ پہنچائے وہ جہل ہے

فرمایا کہ ندوۃ العلماء کا اول یا دوسرا جلسہ کانپور میں ہوا تھا ایک فاسد المذہب عالم بھی آئے تھے انہوں نے کہا کہ میں ۲۷ علم کا عالم ہوں ۔مولوی محمد شاہ صاحب رامپوری نے اسی کا بیان رد کردیا تھا۔ اول یہ آیت پڑھی تھی :

قل افغیر اللہ تامرونی اعبد ایھا الجاھلون

کہ دیکھو اس آیت میں حق تعالیٰ نے جن لوگوں کو خطاب کیا ہے ان میں بڑے بڑے عاقل وعالم ہی تھے پھر ان کو بھی ایھا الجاھلون سے خطاب کیا ہے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ جو علم خدا تک نہ پہنچائے وہ جہل ہے علم نہیں ہے ۲۷ اور ۳۷ علم سے کچھ نہیں ہوتا ۔مولوی صاحب کو اس وقت خوب جوش تھا۔

ملفوظ (۴۷۷) جی بہلانے کو دینی کتب کا مطالعہ دنیا ہے

فرمایا کہ آج میں نے عوارف المعارف میں دیکھا کہ مطالعہ چاہے دینی کتاب کا ہو لیکن اگر اس وجہ سے ہو کہ ذکر اللہ سے جی گھبراتا ہے اس میں جی بہلے گا تو وہ دنیا ہے اور اگر اسلئے ہو کہ حق تعالیٰ کا قرب ہوگا ثواب ملے گا تو وہ البتہ مقبول ہے پھر فرمایا کہ اس کو دیکھ کر میری تو ایک حالت طاری ہوگئی تھی عجیب بات لکھی ہے۔

ملفوظ (۴۷۸) **حضرت جنیدؒ کی مغفرت کا سبب**

فرمایا کہ حضرت جنیدؒ بہت بڑے شخص ہیں خصوص تصوف میں تو امام ہیں ان کو خواب میں کسی نے دیکھا تو پوچھا کہ کیا حال گزرا۔ فرمایا العبارات تاھت الاشارات وماما نفعنا الا رکعات فی جوف اللیل۔ یعنی جتنے حقائق و معارف تھے یہاں کچھ بھی کام نہ آئے سب فنا ہو گئے ایک کی بھی پوچھ نہیں ہوئی البتہ چند رکعتیں جو اخیر شب میں پڑھا کرتا تھا وہ کام آئیں انہیں کی بدولت مغفرت ہوئی۔

پھر فرمایا کہ اس فن کے تمام نکتے اور لطائف تھوڑا ہی قابل قبول ہیں اسی واسطے علوم مکاشفات کی طرف کبھی توجہ نہیں کرنی چاہیے۔ البتہ علوم معاملات میں صرف وہ علوم جن کو قرب اور بعد کے طریقے معلوم ہونے میں دخل ہے وہ البتہ قابل تحصیل ہیں ویسے تو بہت نکتے ہیں۔

ملفوظ (۴۷۹) **ہم لوگ حضور ﷺ کے لئے وقایہ ہیں**

فرمایا کہ میں تو کہتا ہوں کہ ہم لوگوں کو خدا نے جو اتنی دور حضور ﷺ کے زمانہ سے پیدا کیا بڑی رحمت ہے ورنہ خدا جانے حضور ﷺ کے ساتھ کیا برتاؤ کرتے دیکھو کسی بزرگ کا کہنا کیسا ناگوار ہوتا ہے معاصرت میں مناسبت ہوتی ہے سو اگر کہیں حضور ﷺ کے ارشاد سے تغیر ہو جاتا تو تباہ ہو جاتے میں تو کہا کرتا ہوں کہ لوگ مولویوں کو بھلا برا کہہ لیتے ہیں لیکن الحمد للہ حضور ﷺ تو بچے ہوئے ہیں اور لوگوں کا ایمان بھی بچا ہوا ہے ورنہ یہی باتیں حضورؐ سے سنتے اور نفس کے خلاف ہونے کی وجہ سے ظاہر ہے کہ انکار کرتے ایمان ہی نہ رہتا بلا سے ہمیں برا بھلا کہہ لیں لیکن حضور ﷺ تو محفوظ ہیں ہم لوگ حضور ﷺ کیلئے وقایہ ہیں جیسے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ حضورؐ کے لئے وقایہ تھے کوئی تیر یا پتھر یا تلوار حضور ﷺ پر چلاتا تو حضرت طلحہؓ سامنے آ کر سپر ہو جاتے تھے اور اپنے اوپر لے لیتے تھے۔

ملفوظ (۴۸۰) **مدرسہ کی تنخواہ کے بارے میں ایک اشکال کا جواب**

آداب عیادت مریض:

ایک صاحب کا کسی مدرسہ اسلامی سے تعلق ہو گیا تھا وہ تنخواہ میں سے کچھ واپس بھی کر دیتے تھے کیونکہ کام تھوڑا سمجھتے تھے ان کو کچھ ضروریات پیش آ گئیں بذریعہ خط دریافت کیا کہ اس ماہ میں واپس نہ

کروں تو کچھ گناہ تو نہیں ۔ تحریر فرمایا کہ اگر کسی ماہ میں بھی واپس نہ کیجئے تو ذرا گناہ نہیں بلکہ بہتر یہی ہے کہ واپس نہ کیا کیجئے انہیں صاحب نے حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری کی عیادت کے بارہ میں دریافت کیا تھا کہ جاؤں یا نہ جاؤں ان سے تحریر فرمایا چند امور میں غور کر لیجئے اگر سب میں اطمینان ہو جائے تو جانے میں کیا مضائقہ ہے۔

نمبرا مدرسہ کا حرج نہ ہو۔ نمبر۲: مہتمم کو ناگوار نہ ہو۔ نمبر۳: خود مولانا رائے پوری کے قلب پر گرانی دبار نہ ہو۔ کیونکہ بعض اوقات مریض کا دل ملنے کا نہیں چاہتا مگر لحاظ کے مارے اپنی رائے کے خلاف کرتا ہے۔

زبانی فرمایا کہ میرا ارادہ شاہ صاحب کی عیادت کی غرض سے جانے کا تھا شاہ صاحب کو پتہ چل گیا مجھے لکھا کہ تم مت آنا مجھے تکلیف ہوگی وہیں سے دعا کرتے رہو یہی کافی ہے۔ چنانچہ میں نہیں گیا۔ یہیں سے دعا کرتا ہوں مریض کو عیادت کرنے والے کے ہجوم سے تکلیف ہوتی ہے شاہ صاحب بہت خلیق ہیں (پھر بعد صحت کے ملاقات کیلئے رائے پور گئے احقر بھی ہمراہ تھا)

ملفوظ (۴۸۱) ڈوبتے ہوئے کرنے کا کام

ایک نئی روشنی کے حامی مولوی کی بابت فرمایا کہ مجھے تعجب ہے کہ انہوں نے ایک انگریز کی مدح لکھی ہے جو ان کے ساتھ جہاز میں تھا۔ لکھا ہے کہ طوفان کی وجہ سے جہاز کے ڈوبنے کا اندیشہ تھا سب لوگ پریشان تھے وہ انگریز اطمینان کے ساتھ کتاب دیکھ رہا تھا میں نے (یعنی انہی مولوی نے) ان سے کہا کہ جہاز تو ڈوب رہا ہے اور آپ کتاب دیکھ رہے ہیں اس نے کہا کہ میں اس لئے کتاب دیکھنا بند نہیں کرتا کہ جو وقت گزرے ضائع نہ ہو۔ پھر ہمارے حضرت نے فرمایا کہ وہ کام بڑا اچھا تھا جس کی تعریف لکھی ہے کوئی انگریزی کتاب دیکھ رہا ہوگا نہ معلوم کیا بلا ہوگی کوئی ناول ہوگا سائنس ہوگا کیا بلا ہوگی۔ ایسے وقت میں کلمہ پڑھتا ایمان لاتا البتہ قابل تعریف تھا۔

مفتی عنایت احمد صاحب کا واقعہ ہے کہ جس جہاز میں تھے جب وہ ڈوبنے لگا تو اور لوگ پریشان تھے مفتی صاحب نہایت اطمینان کے ساتھ یہ آیت تلاوت فرمار ہے تھے۔ قل لن یصیبنا الاما کتب اللہ لنا ھو مولٰنا و علی اللہ فلیتوکل المؤمنون۔

ملفوظ (۴۸۲) عنایت باری تعالیٰ

فرمایا کہ آقا اپنے نوکر کو چار روپیہ دیتا ہے اور کتنا کام لیتا ہے حق تعالیٰ کی کتنی نعمتیں ہیں پھر مطالبہ کچھ بھی نہیں صرف چند چیزوں سے بچنا اور چند چیزیں کرنا۔

۱۰ رجب المرجب ۱۳۴۴ھ

ملفوظ (۴۸۳) مذاہب میں متردد ہندو کا مسلمان ہونا

فرمایا کہ تھانہ بھون کا ذکر ہے ایک ہندو تھا اس کو مذاہب کے اندر تردد تھا کہ کون سا مذہب حق ہے۔ علم تھا نہیں جہاں تک اس سے ہوسکا اس نے بہت کچھ تحقیق کی لیکن تسلی نہیں ہوئی یہاں تک کہ اس کو یہ بھی شبہ تھا کہ خدا ہے یا نہیں۔ بالآخر تنگ ہوکر اس نے ایک روز دعا کی کہ کوئی زمین آسمان کا پیدا کرنیوالا ہوگا تو سنتا ہوگا۔ میں نے بہت تحقیق کی کہ کون سا مذہب حق ہے لیکن کچھ پتہ نہیں چلا اب میری کوشش سے تو باہر ہے آپ ہی میرے قلب میں اپنی قدرت سے پیدا کر دیجئے کہ حق کیا ہے دفعتاً اسلام کا حق ہونا اس کے قلب میں آ گیا۔ غرض طلب کرے تو فضل ہو جاتا ہے۔

ملفوظ (۴۸۴) حضرت مولانا محمد یعقوبؒ کا صبر اور کشف۔ حضرت مرزا مظہر جان جاں کا کشف۔ حضرت مولانا محمد یعقوبؒ صاحب کے اکثر مکاشفات صحیح ہوتے تھے۔ حضرت مولانا محمد یعقوبؒ کے مزار پر فاتحہ خوانی کرنے والے کو لقب۔ مزار یعقوبیؒ کی برکت۔ سفید قلندر:

مثنوی شریف میں یہ شعر آیا ہے۔

جز نیاز و جز تضرع راہ نیست　　　زیں تقلب ہر قلم آگاہ نیست

فرمایا مولانا محمد یعقوبؒ صاحب کا جب انتقال ہوا تو ان کے چودہ آدمی گھر کے ان سے پیشتر چند ہفتوں کے اندر اندر مر چکے تھے بڑے صابر تھے کبھی تہ روئے نہ کوئی بے صبری کی بات منہ سے نکالی ہاں ایک مرتبہ تنہائی میں بیٹھے ہوئے میں نے سنا کہ یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

تن بہ تسلیم و رضا کو چارۂ　　　در کف شیر نر خونخوارۂ

یہ شعر بھی مولانا رومیؒ ہی کا ہے پھر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمہ اللہ علیہ کی بابت

فرمایا کہ انہوں نے خبر دیدی تھی اس وباء کی۔ جس میں ان اعزاء نے وفات پائی تھی پھر فرمایا کہ مولانا تھے بڑے صاحب کشف! رمضان ہی میں خبر دیدی تھی کہ ایک بلائے عظیم رمضان کے بعد آئے گی۔ ابھی آجاتی لیکن رمضان کی برکت سے رکی ہوئی ہے اگر لوگ بچنا چاہیں تو ہر چیز سے صدقات دیں یعنی اناج میں سے اناج۔ کپڑا میں سے کپڑا روپیہ میں سے روپیہ۔ غرض ہر چیز میں سے صدقہ نکالیں تو امید ہے کہ ٹل جائے گی۔

بعضوں نے یہ سن کر کہا کہ معلوم ہوتا ہے مدرسہ میں ضرورت ہوگی کہ اسی بہانہ سے مال آئے لوگ ایسے لگانے والے ہوتے ہیں کسی نے آگاہی کہ لوگ یوں کہتے ہیں۔ مولانا میں غصہ بہت تھا فرمایا کہ یوں کہتے ہیں پھر فرمایا کہ یعقوب اور یعقوب کی اولاد اور سارا دیو بند۔ تین دفعہ یہی فرمایا کہ خبر محذوف تھی لیکن لوگ سمجھ گئے مگر کسی کو ہمت نہ ہوئی کہ کہتا آپ کیا فرما رہے ہیں حاجی محمد عابد صاحب کو خبر ہوئی وہ دوڑے ہوئے آئے کیا کہا آپ یوں فرما رہے تھے کہ یعقوب اور یعقوب کی اولاد اور سارا دیو بند۔ فرمایا کہ کیا میں نے یوں کہا ہے کہا جی ہاں فرمایا کہ اب تو کہہ دیا۔ رمضان کا گذرنا تھا کہ ہیضہ پھیلا اور تڑ تڑ شروع ہوئی ۱۶ ہزار کی مردم شماری میں ۴ ہزار مرے۔

خود مولوی صاحب کے کنبہ سے کئی کچے بچے کچھ جوان لڑکے۔ غرض ۱۴ خاص کنبہ کے جگر گوشہ بہت قریب عزیز اسی مرض میں مرے۔ اخیر میں مولوی صاحب بیمار ہوئے پھر اچھے ہو گئے۔ تو فرماتے ہیں کہ میں تو یہ سمجھتا تھا کہ میرا وقت آ گیا کیا ابھی وقت نہیں آیا۔ حضرت پھر مرض لوٹ آیا۔ نانوتہ اسی حالت میں تشریف لائے اور انتقال فرما گئے۔ یہی فرمایا تھا کہ یعقوب اور یعقوب کی اولاد اور سارا دیو بند وبا آنے والی بھی تھی اس پر گستاخی کا وبال مزید ہو گیا واقعی سچ ہے۔

ہیچ قومے را خدا رسوانہ کرد ـــــ تا دلے صاحب دلے نامد بدرد

بس تجربہ کردیم دریں دیر مکافات ـــــ با درد کشاں ہر کہ در افتاد بر افتاد

بعض دفعہ حق تعالیٰ اپنے حقوق کی اضاعت کو تو معاف فرما دیتے ہیں مگر اپنے خاص بندوں کی اضاعۃ حق کو معاف نہیں کرتے۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ بڑے نازک مزاج تھے لوگوں سے ملتے کم تھے کسی نے کہا کہ لوگ فیض سے محروم رہتے ہیں۔ فرمایا بات یہ ہے کہ مجھ کو آخر سے اذیت پہنچی ہے اور اس سے

ان کا ضرر ہوتا ہے۔ میں نے حق تعالیٰ سے عرض بھی کیا کہ میرے وجہ سے کسی کو ضرر نہ ہو لیکن میری یہ دعا قبول نہیں ہوئی جب کسی سے مجھ کو تکلیف پہنچتی ہے تو ضرور اس پر کوئی مصیبت آتی ہی ہے میں خلق پر شفقت کرتا ہوں رحم کرتا ہوں ملتا نہیں۔ پھر ہمارے حضرت نے فرمایا کہ جناب یہ حالت ہے۔

حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی میرے مقبول بندوں کو ستاتا ہے تو مجھے ایسا غصہ آتا ہے جیسے شیر کو اس کے بچوں کے چھیڑنے سے غصہ آتا ہے۔ چنانچہ شیر کو اگر چھیڑ یئے تو بعض اوقات ٹال بھی جاتا ہے پھر فرمایا کہ خیر! شیر تو کہاں دیکھے ہیں لیکن بلی ہی کے بچہ کو چھیڑ کر دیکھ لیجئے تو خدا کی پناہ کیا عجب حالت ہوتی ہے۔ پھر فرمایا کہ مولانا بھی خوب صاف صاف اپنے مکاشفات سب کے سامنے بیٹھ کر بیان فرمایا کرتے تھے کہ بھائی رات مجھے یوں مکشوف ہوا اور بزرگ ان پر ہنسا کرتے تھے خوب صاف صاف کہہ ڈالتے ہیں بہت ہی صاف طبیعت تھی اور بزرگ اپنے مکاشفات ان کے سامنے ڈر کے مارے نہیں کہتے تھے کہ سب پر ظاہر کر دیں گے۔ مولانا کے اکثر مکاشفات صحیح ہوتے تھے باقی جو کشف غلط ہو تو وہ مجھے معلوم ہیں ایک تو خود مولانا فرماتے تھے کہ مجھے سمجھنے میں غلطی ہوئی یعنی مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی عمر کی بابت وہ یہ کہ جب مولانا کی شدت مرض سے زندگی سے مایوسی ہوئی تو مولانا محمد یعقوب صاحب رجوع الی اللہ ہوئے اور براہ بعض ناز اس طرح دعا کی کہ ہماری عمر انہیں عطا فرما دیجئے۔ فرماتے تھے کہ میری تسلی کی گئی کہ ابھی دس برس اور زندہ رہیں گے۔ مولانا نے سب سے کہہ دیا کہ گھبراؤ مت ابھی دس برس مولانا اور زندہ رہیں گے سب خاموش ہو گئے لیکن بعد مولانا محمد قاسم صاحب کا انتقال ہو گیا لوگوں نے پوچھا کہ حضرت آپ تو فرماتے تھے کہ دس برس ابھی اور زندہ رہیں گے۔ فرمایا بھائی میرے سمجھنے میں غلطی ہوئی میں نے خود یہ مطلب سمجھ لیا۔ حالانکہ مطلب اور تھا۔ ایک بات صرف یہ معلوم ہوتی تھی کہ میری دعا کے جواب میں لفظ مہدی کا ارشاد فرمایا گیا یوں فرماتے تھے کہ میں نے مہدی کے عدد جوڑے تو ۵۹ ہوئے اور اس وقت مولوی صاحب کی عمر ۴۹ سال کی تھی میں نے سمجھا کہ ابھی دس برس زندگی کے اور ہیں جب انتقال ہو گیا تو اب سمجھ میں آیا کہ مطلب یہ تھا کہ مہدی کی برابر عمر ہوگی۔

حضرت امام مہدی علیہ السلام کا ۴۰ برس کی عمر میں ظہور ہوگا اور ۹ برس کے بعد انتقال ہو جائے گا۔ پورے ۴۹ برس کی عمر ہوگی۔ مولانا نے ایک اور کشف اپنی عمر کے متعلق فرمایا تھا اس کی غلطی اخیر عمر میں انہیں معلوم ہوئی ہوگی۔ فرماتے تھے کہ میری عمر ۶۳ برس کی ہوگی اور اس کے متعلق ایک واقعہ بیان

فرماتے تھے کہ میرے سامنے ایک تسبیح ہوا کے اندر معلق ظاہر ہوئی۔ تقریباً تخمیناً سو دانے اس میں تھے لیکن ایک عجیب ترتیب کے ساتھ کہ ہر دس دانہ پر ایک حلقہ نورانی تھا جس سے گویا احاد اور عشرت میں اور پھر باہم عشرات میں فرق کیا گیا اور ان میں سے اول کے دس دانے بہت ہی کم نور مٹے مٹے تھے اس کے بعد جو دس دانے تھے ان میں سے پانچ تو پچھلے دانوں سے کچھ روشن تھے اس کے بعد روشنی بڑھتی گئی اسی طرح چھ حلقے گئے پس ساٹھ دانہ تو یہ ہوئے پھر تین دانے اور تھے یہ سب متصل تھے کل ۶۳ ہوئے بقیہ دانے الگ تھے گنے نہیں تو بھائی یہ میری عمر مجھے دکھلائی گئی ہے۔ اور جو شروع کے دس دانے مٹے ہوئے تھے وہ نابالغی کا زمانہ تھا بعد کے پانچ دانے کچھ ان سے روشن تھے وہ پانچ برس مراہقت کے زمانہ کے تھے جس میں نماز کی بابت حکم ہے کہ مار کر پڑھائی جائے۔ چنانچہ بزرگ اس زمانہ میں نماز پڑھنے کی تاکید رکھتے ہیں اور گو روزہ کا حکم نہیں لیکن روزہ بھی رکھواتے ہیں اس لئے یہ پانچ دانے ان سے زیادہ روشن تھے لیکن پھر بھی بعد کے دانوں سے روشنی کم تھی کیونکہ اس زمانہ کی عبادت محض نفل ہوتی ہے۔ مگر ۱۴، ۱۵ برس کی عمر میں بالغ ہو جاتا ہے پھر نماز روزہ وغیرہ فرض ہو جاتا ہے اس کے بعد علم و عمل بڑھتا گیا چنانچہ روشنی بھی دانوں پر بڑھتی گئی اس کے یہ معنی ہیں کہ ۶۳ سال میری عمر ہوگی مگر مولوی صاحب کی اس سے کم ہوئی یوں معلوم ہوتا ہے کہ گننے میں غلطی ہوئی۔ کشف صحیح ہے۔ تسبیح سے عمر ہی مراد تھی پھر فرمایا کہ بڑا مزا آتا تھا۔ مولوی صاحب کے سبق میں ایسی ایسی باتیں فرمایا کرتے تھے سبحان اللہ! کیا لوگ تھے ایک بزرگ یہاں آیا کرتے ہیں حضرت مولانا گنگوہیؒ سے بیعت ہیں وہ صاحب کشف ہیں وہ کہتے تھے کہ مولانا محمد یعقوب کی قبر پر میں فاتحہ پڑھنے گیا تو مجھے مولانا نے ایک لقب دیا عجیب لقب دیا وہ اشعار درد کے اور نعت کے اور پیروں کی مدح میں بہت پڑھا کرتے ہیں تو اس کے مناسب مولانا نے مزار سے ان کو لقب دیا۔ محمدی بھات ہنستے تھے کہ بھائی ہمیں تو یہ لقب مولانا نے دیا ہے مولانا ظریف بہت تھے دیکھئے ظرافت اس کو سوجھتی ہے جو شگفتہ ہو وہاں تو شگفتگی ہی شگفتگی ہوگی یہاں تو رنج و غم وغیرہ بھی رہا کرتے ہیں یہ تو بڑی فرصت کے کام ہیں کہ لوگوں کے لقب تجویز کریں۔ حکیم معین الدین صاحب مولانا کے صاحب زادے یوں فرماتے تھے کہ مولانا کے انتقال کے بعد برسات کے شروع میں جاڑا بخار کی کثرت ہوئی تو لوگ مولانا کی قبر پر سے مٹی لا لا کر بازو پر باندھنے لگے باندھتے ہی بخار بالکل موقوف ہو جاتا میں قبر پر مٹی ڈال دوں وہ پھر اڑ جائے میں دق ہو گیا۔

پھر ہمارے حضرت نے فرمایا کہ ہیں حکیم صاحب بھی بڑے آزاد، جیسے مولانا تھے قبر پر پہنچ کر کہتے ہیں کہ دیکھئے حضرت آپ کی تو کرامت ہوئی اور ہماری مصیبت ہوئی میں کہاں تک مٹی ڈلواؤں۔ اب اتمام حجت کے لئے کہے جاتا ہوں کہ اب کے اور مٹی ڈالے دیتا ہوں پھر چاہے قبر رہے یا نہ رہے میں مٹی نہ ڈالوں گا وہاں بیٹھے بیٹھے یہ کیا کرار ہے ہواب ایک ٹوکری بھی مٹی نہیں ڈالوں گا یہ کہہ کر چلے آئے پھر اس کے بعد ایک بھی اچھا نہیں ہوا۔ پھر لوگوں نے خود ہی مٹی لینا چھوڑ دیا۔ کیسے اسرار ہیں اللہ کے بندوں کے سبحان اللہ! اور انہیں لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ درویش نہیں ہیں چونکہ کپڑا رنگا ہوا نہیں موٹی موٹی تسبیح پھیلتے چلاتے کودتے پھاندتے نہیں کہتے ہیں ملانے ہیں یہ بھی حق تعالٰی کی حکمت ہے کہ نااہلوں سے کمالات کو چھپا رکھا ہے یہ بڑی حکمت ہے کہ اب جو آئے گا تو اہل ہی آئیگا نااہل نہیں آسکتا ورنہ گیڑ سیڑ میں خدا جانے کون آمرتا کہ جو سب کو خراب کرتا جیسے بعض مچھلی سارے تالاب کو گندہ کر دیتی ہے اب وہی آئے گا جو سچا طالب ہوگا یعنی حقیقت کا طالب نہ کہ ڈھونگ کا۔

ہمارے ایک ماموں صاحب اپنے بعضے بزرگوں کو سفید قلندر کہا کرتے تھے واقعی سفید قلندراں حضرات کے مناسب ہے، واقعی یہی شان ہے ان حضرات کی اب قلندر انہیں کہتے ہیں جو بندر نچاتے ہیں۔ یوں اٹکل سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی بزرگ نے اخفا حال کیلئے بندر پال لیے ہوں گے تاکہ شہرت نہ ہو بندر وال مشہور ہو گئے ہوں گے اور شاید اس کی یہ وجہ ہو کہ بزرگوں نے تو یعنی بعض نے بہت ہی مٹایا اپنے آپ کو۔

ملفوظ (۴۸۵) شیطان کو خواب میں دیکھنے والا ایک دیہاتی جو غلط پیر کے ہتھے چڑھ گیا اس کی اصلاح کا عجیب طریقہ ایک ہی جلسہ میں دوسرے کی نرمی سے اصلاح۔ ڈھول کی برکت۔ جمعہ کے روز وعظ کی پابندی نہ کرنے کی وجہ۔ ذکر و شغل کے دو ثمرے:

ایک دیہاتی آیا اس نے ایک خواب دیکھا تھا جس کو اس نے ایک جھوٹے پیر سے بیان کیا اس نے اس کی تعبیر یہ دی کہ تم مجھ سے مرید ہو جاؤ۔ چنانچہ یہ شخص مرید ہو گیا بعد کو اس سے تعلق کی وجہ سے

اس شخص کی حالت خراب ہوگئی جس سے اس کا اعتقاد بھی جاتا رہا۔ اور شیطان کو خواب میں دیکھا حضرت سے طالب بیعت ہوا حضرت نے کچھ دن قیام کرنے کیلئے ارشاد فرمایا کہ اس نے کہا کہ کھیتی باڑی کی وجہ سے نہیں رہ سکتا۔ حضرت نے پوچھا کہ کوئی اور بھائی وغیرہ بھی ہیں اس نے عرض کیا کہ ہیں اور اگر کچھ دن یہاں رہوں گا تو وہ ناراض ہوں گے۔ فرمایا کہ اب یہاں تو ناراض نہیں ہورہے جب جاؤ گے تو اکھٹے ناراض ہولیں گے۔ کم از کم پندرہ دن تو ٹھہرو۔ تا کہ اتنے دن کا گھسا ہوا شیطان دل کے اندر سے نکلے۔ اس پیر نے جو شیطان دل کے اندر گھسا دیا ہے وہ تو اتنے ہی دن میں نکلے گا اور اتنے دن بھی بہت کم ہیں ورنہ قاعدہ سے تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ جتنے دن تک وہ شیطان دل میں گھسا ہوا رہا۔ کم از کم اتنے دن تو اس کے نکلنے کیلئے چاہیں۔ جیسے کہ سومنات کا مندر جب محمود غزنوی نے توڑا تو وہاں ایک بت پرست گردن جھکائے بت کے سامنے مراقب بیٹھا ہوا تھا وہ بہت بڈھا تھا ۹۰ برس کی عمر تھی ایک سپاہی نے اس کو ہشیار کیا اور تلوار دکھا کر کہا کہ یا تو کلمہ پڑھ ورنہ ابھی گردن اڑاتا ہوں اس نے کہا کہ ذرا ٹھہرو میں پڑھتا ہوں سپاہی نے تلوار نیچے کرلی۔ جب کچھ دیر تک انتظار کرنے کے بعد پھر بھی اس نے کلمہ نہ پڑھا تو سپاہی نے پھر تلوار دکھلائی کہ پڑھتا ہے یا تلوار ماروں اس نے پھر کہا کہ بھائی ذرا ٹھہرو میں پڑھتا ہوں اسی طرح کئی بار ہونے کے بعد اس بڈھے بت پرست نے کہا کہ بھئی سچی بات تو یہ ہے کہ میری عمر ۹۰ برس کی ہوگئی۔ ۹۰ برس کا رام دل سے نکلتے ہی نکلتے نکلے گا تم چاہتے ہو کہ ابھی نکل جائے سو یہ کیسے ہوسکتا ہے رفتہ ہی رفتہ نکلے گا چاہے قتل کرڈالو پھر اس کو قید خانہ میں رکھا گیا کچھ دن بعد کلمہ پڑھ پڑھا لیا ہوگا (پھر اس دیہاتی سے حضرت نے فرمایا) تو بھائی اتنے دن کا شیطان تو نکلتے ہی نکلے گا پندرہ دن تو رہو چنانچہ وہ راضی ہوگیا حضرت نے فرمایا کہ کھانے کا خرچ نہ ہو تو ہم سے لے لو۔ اس نے کہا کہ ایک رشتہ دار کے یہاں ٹھہرا ہوں حضرت نے فرمایا کہ اس کو تمہارا وہاں ٹھہرنا اور روٹیاں کھلانا برا تو نہ معلوم ہوگا اس نے کہا نہیں۔

فرمایا خیر وہیں ٹھہرے رہو لیکن جب معلوم ہوا کہ اب اس کو برا معلوم ہونے لگا تو فوراً یہاں چلے آنا۔ کسی پر بوجھ ڈال کر اس کے یہاں کھانا پینا نہیں چاہیے۔ اس بات کو عمر بھر یاد رکھنا پھر بعد مغرب حسب معمول پرچہ دینے کے بعد گفتگو ہوئی اس نے بیعت کیلئے اصرار کیا تو فرمایا کہ میں کہہ چکا ہوں کہ ابھی بیعت کی ضرورت نہیں۔ اگر تمہیں اعتقاد ہے تو جو میں کہوں اسے ماننا چاہیے اور اسی میں مصلحت سمجھنا چاہیے۔ پھر اس نے بیچ میں یہ کہہ دیا کہ میری حالت ایسی ہوگئی ہے کہ نماز چھوڑنے کو جی چاہتا

ہے اس پر بہت برہم ہوئے اور دیر تک نہایت سختی کے ساتھ ڈانٹتے رہے کہ اچھا جنون ہے اگر ایسا ہی جنون ہے تو کبھی گو کھانے کو جی نہ چاہا۔ بازار میں پاجامہ اتار کر پھرنے کو جی نہ چاہا۔ اول مشق کرنے کیلئے نماز ہی کو تجویز کیا۔ ابھی سر پر لگ جائیں تو دماغ روشن ہو جائے۔ کبھی صاحب کلکٹر سے جا کر نہ کہا بغاوت کرنے کو جی چاہتا ہے اتنے لگتے کہ ہوش درست ہو جاتے کچھ نہیں مستیاں ہیں۔ دونوں وقت کھانے کو مل جاتا ہے اس لئے مستی چڑھی ہے پیٹ بھرا ہوا ہے اس لئے شرارتیں اور بدمعاشیاں سوجھتی ہیں۔ کھانا نہ ملے تو میاں چار فاقوں میں ٹھیک ہو جائیں۔

غرض ایسی ہی باتیں دیر تک فرماتے رہے اور اپنے پاس سے دھکا دیکر اور نالائق، پاجی کہہ کر اٹھا دیا۔ اور فرمایا کہ اگر یہاں رہنا ہے اور مجھ سے کچھ نفع حاصل کرنا ہے تو اپنے ہوش درست کر کے آؤ میرے یہاں نالائقوں کا کام نہیں ہے۔ جب ڈانٹ پڑنا شروع ہوئی تھی تو اس نے یہ بھی کہا تھا کہ حضور میرے اس خیال کو رفع کر دیں گے حضرت نے تیز لہجہ میں فرمایا کہ میں رفع کر دوں گا اس نے پھر کہا کہ اللہ رفع کر دیگا فرمایا کبھی کھانا سامنے رکھ کر یہ بھی کیا ہے کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئے ہو۔ نہ لقمہ بنایا ہو نہ منہ میں رکھ کر چبایا ہو کہ اللہ میاں خود ہی پیٹ میں پہنچا دیں گے تم تو کچھ بھی نہ کیا کرو اللہ میاں ہی سب کچھ کر دیں گے۔

سمجھ رکھو کہ یہ خود تمہارے کرنے کا کام ہے چونکہ یہ ڈانٹ ڈپٹ محض مصلحت کی وجہ سے تھی۔ جیسا کہ آگے معلوم ہوگا۔ اس لئے جب حضرت نے دھکا دیکر اس کو اپنے پاس سے اٹھا دیا۔ اور وہ بوجہ سیدھا سادھا دیہاتی ہونے کے یہ سمجھ کر کہ مجھ کو بالکل ہی نکال رہے ہیں۔ پیچھے کی طرف غالباً باہر جانے کی نیت سے چلا تو حضرت نے ڈانٹ ہی کر فرمایا کہ ادھر کہاں جاتا ہے۔ مسجد کی طرف جا احقر عش عش کرنے لگا کہ سبحان اللہ کیا شفقت ہے۔ کہ بظاہر تو بمصلحت دھکے دیکر نکال رہے ہیں لیکن پھر بھی نکلنے نہیں دیتے بلکہ اپنی طرف کھینچتے ہیں تا کہ پھر کہیں کسی ایسے ہی جھوٹے پیر کے پھندے میں غریب نہ جا پھنسے۔ یہ ادا حضرت کی عجیب دل کش تھی۔ پھر ایک نو وارد صاحب کی باری آئی ان سے نہایت عاطفت کے ساتھ گفتگو فرماتے رہے ان سے پوچھا کہ میں آپ سے واقف نہیں انہوں نے عرض کیا کہ میں خادم ہوں حضرت نے دریافت فرمایا کہ کتنے عرصے کے بعد آپ مجھ سے ملے ہیں۔ اس وقت ان سے معلوم ہوا کہ بیعت نہیں ہیں بلکہ بیعت کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس پر فرمایا کہ ایسا لفظ آپ کو استعمال نہ کرنا چاہیے

تھا۔ خادم کو لفظ سن کر میں سمجھا کہ آپ مجھ سے بیعت ہیں اس لئے میں نے مواخذہ کرنے کی غرض سے یہ سوال کیا کہ آپ مجھ سے کتنے عرصہ سے نہیں ملے پھر میں شکایت کرتا باوجود مرید ہونے کے پھر بھی آپ ملے جلے تک نہیں کہ میں آپ کو پہچان لیتا۔

خیر! پھر نہایت لطف کے ساتھ گفتگو فرماتے رہے انہوں نے حضرت کی تصانیف کے مطالعہ میں مشغول رہنے کا ذکر کیا اور ان سے گھر میں دینداری کے چرچے پھیل جانے کے تذکرے کرتے رہے۔ حضرت ماشاء اللہ، سبحان اللہ فرماتے رہے۔

اسی دوران گفتگو میں حضرت نے فرمایا کہ ابھی اس شخص کے ساتھ میرا برتاؤ دیکھ کر آپ کہتے ہوں گے کہ یہ بڑا بداخلاق ہے بڑی سختی کرتا ہے لیکن میں ہدایت اور اصلاح کے قصد سے ڈانٹتا ہوں مجھے تجربہ ہوا ہے کہ اس سے بہت نفع ہوا ہے اگر میں اس طرح سختی کے ساتھ برتاؤ نہ کرتا تو اس کو یہ ایسی اہم بات نہ سمجھتا معمولی سمجھتا۔ اب سمجھ میں آیا ہوگا کہ یہ تو بہت بڑی بات نکلی اس سختی سے اس کو بہت نفع ہوا۔ یہاں ایک شخص تھے ذاکر شاغل بہت نیک۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ مجھے خیال آتا ہے کہ میں عیسائی ہو جاؤں۔ خدا بچائے میں نے وہیں زور سے ایک دھول ان کے رسید کیا۔ بس جناب وہ تھپڑ کیا مسہل ہو گیا وہ خیال وبال سب اسی دم جاتا رہا۔ پھر کبھی وسوسہ بھی نہیں آیا۔ تو الحمد للہ میں مغلوب ہو کر سختی نہیں کرتا اپنے قصد سے سختی کرتا ہوں۔ میں نے اسلئے سختی نہیں کی کہ میں تندخو ہوں۔ میں تندخو نہیں اللہ کا شکر ہے دنیا کی کوئی غرض نہیں دین کیلئے سختی کرتا ہوں۔ میری سختی نفس کے لیے نہیں ہے اصلاح کیلئے ہے اگر ہر بات ڈھنگ پر ہو تو میں خدا کے بھروسہ کہہ سکتا ہوں کہ مجھ سے زیادہ کوئی خوش اخلاق نہیں بے ڈھنگا پن برا معلوم ہوتا ہے۔ تحقیر کسی کی دل میں نہیں ہوتی۔ اس پر یاد آیا ایک بار فرمایا کہ اگر کسی کا ایک عیب معلوم ہوتا ہے تو اسی وقت مجھ کو دس عیب اپنے پیش نظر ہو جاتے ہیں۔ کانے پردہ کیا ہنسے جس کی دونوں پٹ ہوں ان صاحب سے یہ بھی فرمایا کہ میں نے آپ کو جمعہ کے بعد بیٹھا ہوا دیکھا تھا لیکن نوبت کچھ پوچھنے پاچھنے کی نہیں آئی۔ بات یہ ہے کہ پہلے میں نئے آنے والے سے فوراً دریافت حال کر لیتا تھا کہ کہاں سے آنا ہوا کس غرض سے آنا ہوا کتنا قیام ہوگا لیکن لوگ ٹھیک جواب نہ دیتے تھے بعضے تو چپ ہی بیٹھے رہتے اور دیر دیر کچھ جواب ہی نہ دیتے تھے بعضے اس وقت تو کہہ دیتے کہ محض ملاقات کیلئے آئے ہیں جب میں ان کی طرف سے فارغ ہو کر دوسرے کام میں مشغول ہوتا تو پھر اپنے آنے کی غرض کچھ اور ہی بیان کرنے

لگے۔

غرض ٹھیک ٹھیک جواب کسی بات کا نہ دیتے مجھے سخت الجھن ہوتی پھر ان سے جھک جھک ہوتی۔ جس سے ان کا بھی برا ہوتا اور میرا بھی۔ میری خوش اخلاقی ہی بعد کو بداخلاقی کا سبب ہو جاتی۔ اس لئے اب میں نے خود پوچھنا ہی بند کر دیا گو شروع شروع میں سخت الجھن سی رہتی اور بے مروتی معلوم ہوتی لیکن کیا کیا جائے مروت کرتا ہوں تو بے مروتی سے بڑھ کر دل آزاری تک نوبت پہنچتی ہے اب جس کسی کو کچھ کہنا ہوتا ہے خود ہی کہتا ہے میں ابتداء یہ کلام نہیں کرتا لوگوں نے میری اس التفات کی قدر ہی نہ کی دوسرے یہ بھی ہے کہ جمعہ کے دن اکثر ادھر ادھر کے دیہات کے آدمی نماز پڑھنے کیلئے آتے ہیں میرے پاس بھی ملنے چلے آتے ہیں اس لئے جمعہ کے دن سب مخلوط ہو کر کچھ پتہ نہیں چلتا کہ کون تو نماز پڑھنے کیلئے آئے ہیں اور کون باہر سے سفر کر کے میرے پاس آئے ہیں اس روز مجھے وقت بھی خاص طور سے بات چیت کرنے کا نہیں ملتا اس لئے جمعہ کے دن جو آئے تو صرف میری صورت دیکھنے اور اپنی صورت دکھلانے کیلئے آئے کسی خاص غرض سے آئے تو اور دن آئے اس پر ان صاحب نے عرض کیا کہ میں تو جمعہ کو خاص طور سے اسلئے حاضر ہوا تھا کہ وعظ سنوں گا فرمایا کہ میں وعظ پابندی کے ساتھ نہیں کہتا۔ دو وجہ سے ایک تو یہ کہ اکثر کام کی کثرت رہتی ہے جس سے دماغ خستہ ہو جاتا ہے چنانچہ کل بھی صبح سے لیکر دوپہر تک کام کرتا رہا۔ جس سے سر میں درد ہو گیا تھا۔ دوسرے یہ کہ پابندی کرنے سے لوگ اکتا جاتے ہیں کہ یہ تو اچھی بیخ لگی ہر جمعہ کو گھیرنے لگے۔ اب میں جبھی وعظ کہتا ہوں جب دیکھتا ہوں کہ نہایت شوق پیدا ہو گیا ہے اس وقت اثر بھی زیادہ ہوتا ہے پھر حضرت نے پوچھا کہ مجھ سے جس خدمت کے لینے کا ارادہ ہو وہ مجھ کو معلوم ہو جائے تاکہ اس کے متعلق جو مناسب ہو عرض کر دوں۔ اس پر انہوں نے غالباً بیعت کے لئے عرض کیا۔ حضرت نے غالباً اس کافی الحال ضروری نہ ہونا بیان فرمایا اور مختصر طور پر حقیقت طریق کی تشریح فرمائی۔ جیسی کہ متعدد ملفوظات سابقہ میں گذر چکی ہے یعنی ذکر و شغل کے دو ثمرے ہیں۔

ایک تو رضا جو کہ اصل ثمرہ ہے اس کا ظہور تو آخرت میں ہوگا اور ایک ثمرہ دنیا میں حاصل ہو جاتا ہے وہ یہ کہ قلب کو ایک خاص لگاؤ حق تعالیٰ کے ساتھ پیدا ہو جاتا ہے۔ جیسا عاشق کے قلب کے معشوق کے ساتھ پیدا ہو جاتا ہے پھر فرمایا بڑی چیز احکام کی پابندی ہے اس کیلئے میری کتابوں کا مطالعہ بالخصوص اصلاح الرسوم، تعلیم الدین، قصد السبیل، اور میرے کل وعظ بس یہ کافی وافی ہے انشاء اللہ!

پھر نہایت نرمی سے اور آہستہ سے حضرت نے فرمایا کہ اس تمہید کے بعد میں پوچھتا ہوں کہ آیا آپ کی داڑھی ہے ہی اتنی یا آپ تراش دیتے ہیں (ان صاحب کی داڑھی کتری ہوئی تھی) اس پر نہ معلوم انہوں نے کیا عذر بیان کیا لیکن کہا کہ اب انشاء اللہ ایسا کبھی نہ ہوگا۔ حضرت ہر شخص کے ساتھ وہی برتاؤ کرتے ہیں جو اس کے مناسب حال ہوتا ہے جیسا کہ بار بار دیکھنے میں آیا ہے اور اس واقعہ سے بھی ظاہر ہے جن کی ساتھ نرمی کرتے ان کو نرمی ہی نافع ہوتی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس۔

ملفوظ (۴۸۶) سمرقند کا احاطہ جنت میں بھی نہ ہوگا

فرمایا کہ بعض نے لکھا ہے سمرقند کا احاطہ جنت میں بھی نہیں ہو سکے گا۔

ملفوظ (۴۸۷) عورتوں کی تصنیف میں ان کا نام آنا

فرمایا کہ عورتوں کی تصنیف میں ان کے نام کا لکھنا آج کل بے پردگی ہے ہاں البعد مرنے کے ظاہر کر دیا جائے تو مضائقہ نہیں عورت کے ساتھ مرد کو طبعی میلان ہے اس لئے نہایت احتیاط کرنی چاہیے۔ ازواج مطہرات جو امہات المومنین تھیں اور جو ہمیشہ کیلئے سب پر حرام تھیں ان کیلئے حکم ہے کہ لاتخضعن بالقول ۔ یعنی نرم لہجہ سے باتیں نہ کیا کرو شاید سننے والے کے دل میں کوئی روگ پیدا ہو۔ اب تو عورتیں غضب کرتی ہیں ایک عورت کی میں نے نظم دیکھی اس میں پیر کے خط وخد وخال کی تعریف تھی اور اس سے وصال کی خواہش کی گئی تھی۔ اس قدر بے باکی ہوگئی ہے مجھے بڑی غیرت آتی ہے۔

ملفوظ (۴۸۸) عرسوں کے آثار سے استدلال

فرمایا کہ عرسوں کی طرف رنڈی بھڑوں کو زیادہ میلان ہوتا ہے بڑے شوق سے پہنچتے ہیں۔ اگر وعظ کا اعلان ہو تو ایسے لوگوں سے اگر آئے گا تو ایک آدھ آئے گا اور وہ بھی طالب ہو کر آئے گا بری نیت سے کوئی نہیں آئے گا۔ پس عرسوں کے متعلق ان آثار ہی سے استدلال کافی ہے کہ جس کی طرف بروں کو میلان ہو ظاہر ہے کہ وہ امر برا ہی ہوگا ورنہ نیک لوگ ادھر زیادہ کیوں نہیں متوجہ ہوتے۔

ملفوظ (۴۸۹) ترغیب بیعت کا نتیجہ

ایک صاحب نے ایک شخص کی بیعت کی سفارش میں متعدد خطوط لکھے۔ حضرت ان کی

تحریروں میں مختلف نقائص نکال نکال کر بھیجتے رہے۔ آخر میں ان کو خط وکتابت سے منع فرما دیا زبانی ارشاد فرمایا کہ اس کی تو مجھے پرواہ نہیں کہ مجھ سے اعتقاد رہے یا نہ رہے لیکن یہ چاہتا ہوں کہ میری تعلیم ہی کو لگ جائے اب اتنا تو سمجھ گئے ہونگے کہ یہ رائے اس کی ٹھیک ہے کہ ترغیب نہ دینی چاہیے کیونکہ وہ مجھ سے بداعتقاد ہو گئے ہوں گے اور کہتے ہوں گے کہ ناحق میں نے ایسے شخص سے بیعت کرنے کی ترغیب دی۔ اب کسی کو کسی سے بیعت کرنے کی ترغیب نہ دیں گے کیونکہ ترغیب کا نتیجہ دیکھ لیا۔

ملفوظ (۴۹۰) عورتیں اگر امام بنتیں تو

کچھ عورتوں کی برائی کا ذکر تھا فرمایا کہ عورتیں ضعیف ہیں یہ نہیں کہ طینت خراب ہو۔ ہر امر میں دیکھتا ہوں کہ ان میں تاثر بہت زیادہ ہے حوصلہ بھی کم ہوتا ہے اگر امام بنتیں تو شاید محراب چھوڑ کر نکل جاتیں ان کا تو بند ہی رہنا اچھا ہے۔

ملفوظ (۴۹۱) بے وقت تعویذ کی فرمائش

فرمایا کہ بات چیت یا تعویذ وغیرہ کی فرمائش کا وقت ظہر کے بعد سے عصر کی اذان تک ہے اکثر لوگ عصر کی اذان کے بعد فرمائشیں کرتے ہیں اور وہی وقت ہوتا ہے جلدی کاموں کو نمٹا کر نماز کیلئے اٹھنے کا حضرت بعد اذان عصر کسی کا بیٹھے رہنا بھی پسند نہیں فرماتے کیونکہ وہ وقت بہت مشغولی کا ہوتا ہے جو محض بیٹھنے کی غرض سے وہاں موجود ہوں ان کو فوراً اٹھ جانا چاہیے تاکہ یکسوئی کے ساتھ حضرت ڈاک وغیرہ کا کام ختم کر کے نماز عصر کیلئے اٹھ سکیں باقی جو لوگ وہاں اپنے کام میں مشغول ہوں ان کی موجودگی حارج نہیں ہوتی۔

ملفوظ (۴۹۲) مجھے تعویذ لکھنا نہیں آتا

فرمایا کہ جو تعویذ مانگتا ہے لکھ دیتا ہوں لیکن یہ بھی کہہ دیتا ہوں کہ مجھے آتا نہیں تاکہ اگر اثر نہ ہو تو خواہ مخواہ اللہ کے نام کو بے اثر نہ سمجھیں۔ حالانکہ اللہ کا نام ان باتوں کیلئے تھوڑا ہی ہے وہ تو دل کے امراض کیلئے ہے (ایک شخص جنون کا تعویذ مانگنے آیا تھا اور مجنون کو بھی اپنے گاؤں سے ساتھ لایا تھا۔ اس پر بہت ناراض ہوئے کہ ناحق بیچارہ کو دھوپ میں پریشان کیا۔ مجھ سے پوچھ کر لائے ہوتے میں طبیب نہیں عامل نہیں لوگ بھی غضب کرتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ خیر! اب لائے ہو تو حکیم ہاشم صاحب کو دکھلا لو۔ پانی پر دم کر کے پلوایا اور تعویذ بھی لکھ دیا۔

ملفوظ (۴۹۳) انسان مختار ہے یا نہیں

ایک ذی علم پر انسان کے غیر مختار ہونے کا حال طاری ہے مثنوی شریف کے درس میں کسی جماعت انبیاء کی امت کا ذکر آیا جو اسلام نہیں لاتے تھے اور کہتے تھے کہ حق تعالیٰ نے ہمارے دلوں پر مہر کر دی ہے ہماری تقدیر ہی میں نہیں ہم مجبور ہیں اسکا جواب بھی مثنوی میں حضرات انبیاء علیہم السلام کی طرف سے دیا گیا ہے عرض کیا گیا کہ فلاں مولوی صاحب کا بھی تو یہی خیال ہے فرمایا کہ جی نہیں یہ انسان کے اندر اتنا تو اختیار مانتے ہیں جس کی وجہ سے وہ مکلف ہو سکے لیکن کہتے ہیں کہ وہ اختیار ضعیف ہے اور وہ لوگ تو کہتے تھے کہ انسان مکلف ہی نہیں مجبور محض ہے۔

ملفوظ (۴۹۴) آداب مجلس

ایک صاحب نے چھینک کر زور سے الحمدللہ کہا حضرت خطوط لکھ رہے تھے یرحمک اللہ کہہ کر پھر فرمایا کہ بھلے مانس چپکے ہی سے کہہ لیا ہوتا۔ اب سب کام چھوڑ چھاڑ کر آپ کی چھینک کا حق ادا کریں پھر فرمایا کہ ایسے موقعہ پر جب کہ دوسرے لوگ کام میں مشغول ہوں۔ چھینکنے کے بعد الحمدللہ آہستہ سے کہنا چاہیے میں ہمیشہ آہستہ سے کہتا ہوں کہ دوسروں پر خواہ مخواہ جواب واجب نہ ہو اسی طرح حضرت سجدہ کی آیت کو آہستہ سے تلاوت فرماتے ہیں۔ ایک بار فرمایا کہ جب مجلس جمی ہوئی ہو اور گفتگو ہو رہی ہو تو سلام نہیں کرنا چاہیے نہ مصافحہ کرنا چاہیے۔ بعضے لوگ بیچ میں السلام علیکم کہہ کر لٹھ سا مار دیتے ہیں۔ اور پھر ایک طرف سے مصافحہ کرنا شروع کر دیتے ہیں جس سے گفتگو کا سارا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے اور تمام مجمع پریشان ہو جاتا ہے یہ آداب مجلس کے خلاف ہے اس سے دوسروں کو سخت تکلیف ہوتی ہے۔ فرمایا کہ کام کی مشغولی میں گو سلام کا چھینک کا جواب دینا واجب نہیں لیکن پھر بھی جواب نہ دینا برا معلوم ہوتا ہے کیونکہ اگر جواب نہ دیا جائے تو دل شکنی ہوتی ہے اور اگر کچھ دیر کے بعد دیا جائے تو اتنی دیر تک تو دل شکنی ہوئی عرض کیا گیا کہ کیا ہر قسم کی مشغولی میں سلام کا جواب واجب نہیں۔

فرمایا کہ دین کی مشغولی میں تو واجب ہے ہی نہیں پھر فرمایا کہ میں جلسہ دیوبند میں مصلے پر نماز

پڑھانے کیلئے پہنچ گیا تھا۔ایک صاحب تیسری صف میں سے نکل کر آئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر زور سے اپنی طرف کھینچا اور مصافحہ کیا لوگ ایسی بے تمیزیاں کرتے ہیں رسوم نے عقلیں مسخ کر دیں۔

ملفوظ (۴۹۵) حضرت حافظ ضامن صاحب کا جلال۔مولانا گنگوہیؒ اور مولانا نانوتویؒ کا اختلاف ذوق۔اکابر کی باہمی محبت کے واقعات۔اکابر کی بے تکلفی۔مولانا مظفر حسین صاحب کا تقویٰ:

فرمایا کہ دوپہر کو حضرت حاجی صاحب اسی سہ دری میں قیلولہ فرمایا کرتے تھے ایک دن ایک صاحب دوپہر کو تشریف لا کر بیٹھ گئے اور باتیں کرتے رہے حضرت بڑے خلیق تھے دل شکنی کے خیال سے کچھ نہ بولے برابر باتیں کرتے رہے آنکھیں مارے نیند کے بند ہو ہو جاتی تھیں۔دوسرے دن پھر اسی وقت تشریف لائے اور باتیں شروع کر دیں حضرت پھر بیٹھے باتیں کرتے رہے۔یہ صاحب یہ سمجھ کر آتے تھے کہ تخلیہ کا وقت ہے۔تنہائی میں خوب توجہ ہوگی تو حضرت حافظ ضامن صاحب بڑے تیز تھے ان کی اور ہی شان تھی انہوں نے جو یہ قصہ دیکھا تو للکارا کہ تم خود تو رات بھر بیوی کو بغل میں لے کر سوتے رہتے ہو تمہیں کیا خبر کہ یہ بیچارے اللہ والے رات بھر اللہ اللہ کر کے آنکھیں پھوڑتے ہیں دوپہر کو کچھ دیر کیلئے سو رہتے ہیں سو اس وقت تم آ کر ستاتے ہو۔خبردار! جو پھر کبھی اس وقت آئے ورنہ ٹانگیں توڑ ڈالوں گا پھر فرمایا کہ حضرت حافظ ضامن صاحب بڑے تیز تھے کبھی حضرت حاجی صاحب کو بھی کبھی مولانا شیخ محمد صاحب کو بھی ستا دیتے تھے سختی اگر نفس کیلئے نہ ہو دنیا کی طمع اور حرص نہ ہو دل شکنی کا قصد نہ ہو وہ بھی کمال ہے اور یوں کوئی کم فہم نہ سمجھے اس کا کیا علاج پھر فرمایا۔

ہر گلے را بوئے دیگر است

مولانا محمد قاسم صاحب کے پاس کوئی بیٹھا ہوا ہوتا تو اشراق اور چاشت بھی قضا کر دیتے تھے مولانا رشید احمد صاحب کی اور شان تھی کوئی بیٹھا ہو جب وقت اشراق کا یا چاشت کا آیا وضو کر کے وہیں نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے یہ بھی نہیں کہا کہ کچھ کہہ کر اٹھیں کہ میں نماز پڑھ لوں یا اٹھنے کی اجازت لیں جہاں کھانے کا وقت آیا لکڑی لی اور چل دیئے چاہے کوئی نواب ہی کا بچہ بیٹھا ہو وہاں یہ شان تھی جیسے بادشاہوں کی شان ایک تو بات ہی کم کرتے تھے اور اگر کچھ مختصر سی بات کہی تو جلدی سے ختم کر کے تسبیح لے

... شغول ہوگئے کسی نے کوئی بات پوچھی تو جواب دیدیا۔ اور اگر نہ پوچھی تو کوئی گھنٹوں بیٹھا رہے انہیں کچھ مطلب نہیں۔

مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے پاس جب تک کوئی بیٹھا رہتا برابر بولتے رہتے۔ طبیعت ہی پیدائشی ہے۔ کوئی بدل نہیں سکتا۔ مولوی محمد علی صاحب نے بہت اچھی بات فرمائی تھی کہ طبائع تو خلقتاً ہی متفاوت ہوتے ہیں انہیں میں بعضے بزرگ بن جاتے ہیں احقر کے استفسار پر فرمایا کہ بزرگی خود مختلف چیز نہیں۔ البتہ امور طبیعہ جو پیدائشی ہیں جیسے تیزی نزاکت تحمل عدم صفائی انتظام بے انتظامی غرض جو پیدائشی اخلاق ہیں ان سے بزرگوں کی شانیں مختلف ہوجاتی تھیں پھر یہ حکایت بیان فرمائی کہ مولانا محمد قاسم صاحب اور مولانا رشید احمد صاحب جب حج کو چلے تو بمبئی میں مولانا محمد قاسم صاحب تو لوگوں سے ملتے پھرتے اور مولانا گنگوہی انتظام میں مشغول رہتے جب مولانا محمد قاسم صاحب واپس آتے تو مولانا گنگوہی فرماتے کہ کچھ فکر بھی ہے کہ کیا انتظام کرنا ہے آپ ملتے جلتے ہی پھرتے ہیں۔ مولانا فرماتے کہ مجھے فکر کی کیا ضرورت ہے جب آپ بڑے سر پر موجود ہیں۔

پھر فرمایا کہ ایک بار مولانا محمد قاسم صاحب مولانا گنگوہی سے فرمانے لگے کہ ایک بات پر بڑا رشک آتا ہے آپ کی نظر فقہ پر بہت اچھی ہے ہماری نظر ایسی نہیں بولے کہ جی ہاں ہمیں کچھ جزئیات یاد ہوگئیں تو آپ کو رشک ہونے لگا اور آپ مجتہد بنے بیٹھے ہیں ہم نے کبھی آپ پر رشک نہیں کیا ایسی ایسی باتیں ہوا کرتی تھیں وہ انہیں اپنے سے بڑا سمجھتے تھے اور وہ انہیں مولانا محمد یعقوب صاحب عمر میں سب سے چھوٹے تھے ایک مرتبہ نانوتہ سے گنگوہ حضرت مولانا کی خدمت میں پیادہ تشریف لائے حالانکہ معاصر تھے لیکن اتنا ادب کرتے تھے کہ پیادہ تشریف لے گئے کہ سواری پر بیٹھ کر جانا بے ادبی ہے۔ عصر کی نماز کے وقت مولانا پہنچے جماعت تیار تھی مولانا گنگوہی امامت کرنے کیلئے مصلے پر جا کر کھڑے ہوئے اتنے میں لوگوں نے کہا کہ مولانا محمد یعقوب صاحب تشریف لائے ہیں اس زمانہ میں حضرت گنگوہی کی آنکھیں تھیں انہوں نے دیکھا پوچھا کہ وضو ہے مولانا کا وضو تھا۔ فرمایا آیئے نماز پڑھایئے اور خود مصلے پر سے ہٹ گئے۔ دونوں کا یہ قاعدہ تھا کہ جب وہ گنگوہ آتے تو وہ نماز پڑھاتے اور جب یہ دیوبند جاتے تو یہ پڑھاتے۔

مولانا محمد یعقوب صاحب کی اس وقت یہ ہیئت تھی کہ پائنچے چڑھے ہوئے اور چونکہ پیدل

چل کر آئے تھے تمام پیروں پر گرد بھری ہوئی اسی طرح مصلے کی طرف جانے لگے اور ایک بار بھی تو انکار نہیں کیا نہ پائنچے اتارے نہ گرد جھاڑی۔ جب مولانا گنگوہی کے مقابلہ میں پہنچے تو مولانا نے صف سے آگے بڑھ کر رومال لے کر پیروں کی گرد جھاڑنا شروع کی مولانا کی عجیب ادا تھی کہ خاموش کھڑے ہو گئے حالانکہ مولانا گنگوہی کا نہایت ادب کرتے تھے نہ معلوم اس وقت کیا حالت تھی مولانا گنگوہی نے پائنچے بھی اپنے ہاتھ سے اتارے مولانا فرماتے تھے کہ ایسا جی خوش ہوا کہ انہوں نے کچھ تکلف نہ کیا۔

ایک دفعہ مولانا گنگوہی کھانا کھا رہے تھے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب تشریف لے آئے مولانا کے ہاتھ میں ایک ذرا سا ٹکڑا تھا اسی وقت ہاتھ دھلائے وہ ٹکڑا دیا کہ کھائیے میں کھانا لاتا ہوں۔ مولوی فخر الحسن صاحب نے کہا کہ میں لیے آتا ہوں فرمایا نہیں بھائی میں خود لاؤں گا پھر کھانا لا کر بہت ادب سے سامنے رکھا۔ پیشتر دیکھنے والوں نے یوں سمجھا ہوگا کہ کچھ بھی ادب نہ کیا بچا ہوا ٹکڑا دیکر کہہ گئے کہ آپ شروع کیجئے۔

سبحان اللہ! صحابہؓ کی سی شان تھی۔ مولانا ظفر حسین صاحب بہت بڑے شخص تھے گنگوہ میں مولانا سے ملے چلنے کے وقت انہوں نے عرض کیا کہ کھانا تناول فرمالیجئے فرمایا کہ بھائی دور کا سفر ہے میری منزل کھوٹی ہوگی۔ مولانا نے عرض کیا کہ جو کچھ رکھا ہوا ہے وہی سہی۔ مولانا راضی ہو گئے اور فرمایا کہ بس وہی لے آنا جو گھر میں موجود ہو۔ گھر میں باسی روٹی اور دال رکھی تھی مولانا وہی ہاتھ پر رکھ کر لے آئے دال بھی روٹی ہی پر تھی پھر نہیں معلوم! مولانا ظفر حسین صاحب نے کھائی یا باندھ لی۔

پھر حضرت حکیم ضیاء الدین صاحب سے رام پور میں مولانا مظفر حسین صاحب نے فرمایا کہ مولوی رشید احمد صاحب بڑے اچھے آدمی ہیں انہوں نے کہا کہ ہاں حضرت بہت اچھے آدمی ہیں۔ اجی بہت ہی اچھے آدمی ہیں۔ فرمایا اجی بہت ہی اچھے آدمی ہیں انہوں نے عرض کیا کہ ہاں بہت ہی اچھے آدمی ہیں۔ پھر فرمایا کہ اجی تم سمجھے تو ہو نہیں ایسے اچھے ہیں کہ بہت ہی اچھے۔ پھر حکیم صاحب نے پوچھا کہ حضرت ایسی کیا خاص بات ہوئی۔ فرمایا کیا کہوں انہوں نے تھوڑا سا ناشتہ کرنے کے لیے راستہ میں مجھ سے کہا میں نے کہا کہ جو کچھ گھر میں موجود ہو وہ لے آؤ۔ انہوں نے باسی روٹی اور دال لا کر دیدی۔ سبحان اللہ! کیسے اچھے آدمی ہیں۔

پھر مولانا مظفر حسین صاحب کی یہ بھی حکایت بیان فرمائی کہ ایک بار نانوتہ میں تشریف لائے

وہاں حضرت مولانا رشید احمد صاحب ومولانا محمد یعقوب صاحب ومولانا محمد قاسم صاحب موجود تھے فرمایا بھائی ایک مسئلہ میں تردد ہے۔ میں نے سنا تھا کہ سب صاحب زادے جمع ہیں اس لئے مسئلہ پوچھنے آیا ہوں وہ مسئلہ یہ ہے کہ چلتی ریل میں نماز پڑھنے میں علماء اختلاف کرتے ہیں کہ جائز ہے یا نہیں۔ بس تم لوگ آپس میں گفتگو کر کے ایک صحیح بات بتلا دو کہ جائز ہے یا نہیں۔ میں دلائل نہیں سنوں گا۔ چنانچہ سب حضرات نے آپس میں گفتگو کی مولانا نے ادھر التفات بھی نہیں فرمایا گفتگو کر کے ان حضرات نے عرض کیا کہ حضرت طے ہو گیا جائز ہے فرمایا کہ اچھا تو پھر میں جاتا ہوں۔ عجیب شان کے لوگ تھے۔

مولانا مملوک علی صاحب جو کہ مولانا محمد یعقوب صاحب کے والد اور مولانا رشید احمد صاحب ومولانا محمد قاسم صاحب کے استاد ہیں۔ دہلی میں دارالبقا سرکاری مدرسہ تھا اس میں ملازم تھے دہلی سے نانوتہ جاتے ہوئے راستہ میں کاندھلہ پڑتا تھا۔ مولانا مظفر حسین صاحب نے ان سے کہہ رکھا تھا کہ کاندھلہ میں مل کر جایا کرو۔ مولانا مملوک علی صاحب نے یہ کہہ دیا تھا کہ تکلف نہ کرنا صرف ملنے کیلئے کچھ دیر ٹھہر جایا کروں گا۔ چنانچہ گاڑی راستہ ہی میں چھوڑ کر ملنے آتے مولانا اول یہ پوچھتے کہ کھانا کھا چکے یا کھاؤ گے اگر کہا کہ کھا چکا تو پھر کچھ نہیں اگر نہ کھائے ہوتے تو کہہ دیتے کہ میں کھاؤں گا تو پوچھتے کہ رکھا ہوا لا دوں یا تازہ پکوا دوں۔ چنانچہ ایک بار یہ فرمایا کہ رکھا ہوا لا دو اس وقت ایک دفعہ صرف کھچڑی کی کھرچن تھی اس کو لے آئے اور کہا کہ رکھی ہوئی تو یہی تھی انہوں نے کہا کہ بس یہی رکھ دو۔ پھر جب رخصت ہوتے تو مظفر حسین صاحب ان کو گاڑی تک پہنچانے جاتے یہ ہمیشہ کا معمول تھا۔ ایک اور قصہ مولوی مظفر حسین صاحب کا ہے کہ دہلی سے کاندھلہ جانے کیلئے بہلی کرایہ کی اس میں بیٹھے چلے آرہے تھے۔ اور محض اخلاق کے سبب بہلیان سے اس کے مذاق کے موافق گفتگو کرتے جاتے تھے۔ یعنی بیل کہاں سے منگوائے تھے کتنے میں لیے تھے اس گفتگو میں معلوم ہوا کہ رنڈی کی گاڑی ہے۔ مولانا کا تقویٰ مشہور ہے لیکن اخلاق تو دیکھیے ہم لوگوں میں یا تو آوارگی ہے یا اگر تقویٰ ہے تو ایسا کہ دوسروں کی دل شکنی کی بھی پرواہ نہیں مولانا کا تقویٰ اعلیٰ درجہ کا۔ لیکن گاڑی پر سے اسی وقت نہیں اترے کہ اس کا دل ٹوٹے گا۔ تھوڑی دیر بعد پیشاب کے بہانہ سے اترے لیکن پیشاب سچ مچ کیا پھر استنجاء کرتے ہوئے پیدل چلے جب استنجا سے فارغ ہو گئے تو اس نے بیٹھنے کیلئے کہا۔ فرمایا کہ بھائی بہت دیر ہو گئی بیٹھے بیٹھے! اب پیدل چلیں گے کہ پاؤں تو کھلیں۔ جب بہت دور نکل آئے تب اس نے پھر اس اصرار کیا۔ فرمایا کہ ہاں بھائی

مجھے چلنے کی عادت ہے تم چلو۔ مجھے پیدل ہی چلنا اچھا معلوم ہوتا ہے ہوا لگتی لیکن وہ سمجھ گیا اس نے کہا کہ مولوی صاحب میں سمجھ گیا آپ اس لئے نہیں بیٹھتے کہ یہ رنڈی کی گاڑی ہے۔ پھر مجھے اجازت دیجئے مولانا نے فرمایا کہ بھائی ہے تو یہی وجہ لیکن اب گاڑی لوٹاتا نہیں کیونکہ میرے کرایہ کر لینے کے بعد خدا جانے کس کس کا کرایہ واپس ہوا ہوگا اس میں مالک کا نقصان ہے تجھ کو کاندھلہ چلنا پڑے گا۔ چنانچہ کاندھلہ پہنچ کر پورا کرایہ دیا اور گھی گڑ جو کچھ ٹھیرا تھا سب دیا۔ اور خود پیدل کئی منزل چلے آئے۔ اور گاڑی واپس نہیں کی یہ فرمایا کہ شاید کوئی کرایہ واپس ہو گیا ہو تو گویا میں نے اس کا نقصان کرایا۔

ملفوظ (۴۹۶) رمضان میں ابتدا تعلیم سے عذر

ایک صاحب سے بطور مشورہ کے فرمایا کہ میں تعلیم و تلقین رمضان میں نہیں کر سکتا کیونکہ بعد مغرب وقت ہی نہیں ملتا اس لئے جو کچھ پہلے سے ذکر شغل کر رہا ہو اس کے آنے میں تو کچھ مضائقہ نہیں جس کو ذکر شغل شروع کرنا ہو اس کو چاہیے کہ اس قصد سے رمضان میں نہ آئے ایک بار فرمایا کہ یہاں کے قیام کیلئے رمضان کا مہینہ مناسب نہیں کیونکہ بوجہ تکان کے اس زمانہ میں ذکر شغل کچھ اچھی طرح ہو نہیں سکتا۔

ملفوظ (۴۹۷) حصول تبرک کا طریقہ

ایک صاحب نے کرتہ بطور تبرک کے منگوایا۔ لکھ بھیجا کہ دو آنہ کے ٹکٹ میں وہاں پہنچ سکتا ہے اگر منگوانا ہو تو ۲ ٹکٹ بھیج دو چنانچہ ان صاحب نے ٹکٹ بھیج دیئے پھر فرمایا کہ ایسے موقع پر بعض مرتبہ کوئی چیز فاضل نہیں ہوتی تو تنگی ہوتی ہے یہ اچھا طریقہ ہے کہ کوئی چیز خود لا کر دیدے اور اس کو دو چار روز استعمال کرا کر لے لے۔

ایک صاحب نے کہا کہ اگر کسی کے پاس کچھ ہو ہی نہیں تو کیا کرے فرمایا کہ پھر کوئی خاص چیز متعین نہ کرے کرتہ وغیرہ بلکہ اس کی رائے پر چھوڑ دے پھر جو چیز اس کے پاس فاضل ہوگی وہی دیدیگا۔

۱۲ رجب المرجب ۳۴ھ

ملفوظ (۴۹۸) غلبہ روحانیت مرنے کے بعد بدن پر اثر

فرمایا کہ جب روحانیت کا غلبہ ہوتا ہے تو بوجہ شگفتگی کے بعد مرنے کے بدن پر بھی اثر کم ہوتا ہے۔

ملفوظ (۴۹۹) نسبت اللہ کی واقعیت

غالباً روحانی کیفیت یعنی نسبت مع اللہ کے موہوم ہونے کا ذکر مثنوی شریف میں تھا فرمایا کہ اس کا دوام اور تزاید ظاہر کرتا ہے کہ واقعی کوئی چیز ہے وہم نہیں ہے ورنہ اس طرح تو ہر چیز میں بلکہ محسوسات میں بھی عدم واقفیت کے احتمالات نکل سکتے ہیں۔

ملفوظ (۵۰۰) کاملین خود پر دشواریاں جھیل کر اوروں کیلئے راستہ صاف کر دیتے ہیں:

فرمایا کہ کاملین جو مکمل بھی ہوتے ہیں بتوفیق حق دشواریاں اپنے اوپر جھیل کر راستہ کو اوروں کے لئے نہایت صاف کر دیتے ہیں۔ یعنی علوم کے لینے میں خود دشواریاں اٹھائیں پھر تجربہ سے اور اجتہاد سے دستور العمل مقرر کر دیئے جن سے اوروں کو حاصل کرنا آسان ہو گیا جیسے استاد لمبے اور دقیق مضمون کو سہل تقریر سے سمجھا دیتا ہے مثلاً منتشر مضامین کو مجتمع کر دیا۔ مگر یہ شان ان ہی سب معلمین کی ہوتی ہے جن کو مشقت ہوتی ہے۔ مثنوی شریف میں ایسا ہی مضمون انبیاء کے متعلق مذکور تھا اس پر یہ ارشاد فرمایا جو مذکور ہوا ایک صاحب نے عرض کیا کہ انبیاء تو اجتہاد نہیں کرتے وہ تو صاحب وحی ہوتے ہیں فرمایا کہ ایک تو کام تبلیغ کا ہے وہ تو وحی سے کرتے ہیں اور ایک کام تربیت کا ہے انبیاء وہ بھی کرتے ہیں اس میں اجتہاد کی ضرورت پڑتی ہے۔

ملفوظ (۵۰۱) روافض کے ختم نہ ہونے کی وجہ

دوران درس مثنوی میں ایک صاحب نے دریافت کیا کہ خوارج وغیرہ باطل فرقے اب بھی موجود ہیں فرمایا کہ ہیں تو لیکن جماعت نہیں صرف روافض کی تو جماعت باقی ہے کیونکہ ان کے یہاں تقیہ ہے اوروں کے یہاں تقیہ نہ تھا۔ جب کبھی اہل حق کا غلبہ ہوا ان کا صفایا ہو گیا روافض میں تقیہ ہے یہ اس لئے نہیں مٹے کیونکہ جب اہل حق کا غلبہ ہوا یہ لوگ کہنے لگے کہ ہم تو آپ کی ساتھ ہیں۔ ابن سبا یہودی تھا

وہ موجد ہے اس مذہب کا بڑا ہی چالاک تھا اس نے تقیہ ایسا نکالا جو کبھی مٹ ہی نہیں سکتا۔

ملفوظ (۵۰۲) احکام سے واقفیت کے بعد مواخذہ

فرمایا کہ دیوبند میں جب اول اول مدرسہ ہوا ہے تو بعض اہل بستی نے کہا کہ جب سے یہ مدرسہ ہوا ہے کبھی قحط ہے کبھی وبا ہے کبھی کچھ ہے کوئی نہ کوئی بلا آتی ہی رہتی ہے پہلے کچھ بھی نہ تھا۔ حضرت مولانا محمود حسن صاحب نے خوب فرمایا کہ واقعی یہ بات صحیح ہے مگر وجہ اس کی یہ ہے کہ پہلے تم کو احکام کا علم نہ تھا اس لئے ناواقفی میں جو شرارتیں کرتے تھے ان پر مواخذہ نہ ہوتا تھا اس لئے بلائیں نہ آتی تھیں اور اب مولویوں کی وجہ سے تم احکام سے واقف ہوگئے ہو۔ اب جو تم شرارتیں کرتے ہو تو مواخذہ ہوتا ہے۔ احقر نے عرض کیا کہ کیا علم نہ ہونے سے مواخذہ نہیں ہوتا۔ فرمایا کہ علم نہ ہونے سے کچھ تو فرق ہوجاتا ہے۔

ملفوظ (۵۰۳) آنے کی اطلاع دینے والوں کا لحاظ

فرمایا کہ جن تاریخوں میں جو جو صاحب آنے کی اطلاع کرتے ہیں جنتری میں لکھ لیتا ہوں تاکہ ان تاریخوں میں کہیں جاؤں نہیں۔

ملفوظ (۵۰۴) میری فرصت میرے اختیار میں نہیں

ایک صاحب نے ایک مولوی صاحب کے ذریعہ سے ایک سفر میں آنے کی تحریری سفارش بھجوائی بہت ناپسند کیا۔ فرمایا کہ یہ ایک عجیب رسم ہوگئی ہے۔ مجھ کو اگر فرصت ہو تب تو ایک بچہ کے کہنے سے چلا جاؤں اور اگر فرصت نہ ہو تو بڑے آدمی کے کہنے سے بھی نہ جاؤں فرصت نہ ہو تو کیسے جاسکتا ہوں۔ بارہا فرمایا ہے کہ خوشامد کرانے کی غرض انکار تو نہیں کیا کرتا۔ بلکہ خواہ کوئی کیسے ہی معمولی طور سے کہے میں جلدی انکار نہیں کرتا۔ بلکہ اچھی طرح سوچنے کے بعد جب فرصت نہیں دیکھتا تب انکار کرتا ہوں نہ میرے اوپر اس کا کچھ اثر ہوتا ہے کہ خاص طور سے بلانے کیلئے کوئی آدمی بھیجا جائے۔

ایک بار فرمایا کہ میری فرصت میرے اختیار میں نہیں بعض اوقات فرصت بھی ہوئی تو دو ایک دن کیلئے لیکن اس میں اس قدر گنجائش نہیں ہوتی کہ دوسرے کو اطلاع دے سکوں البتہ اس کی ایک صورت ہے کہ کوئی شخص میرے پاس یہاں سب کاموں سے فارغ ہو کر محض اسی غرض سے پڑا رہے کہ جب

فرصت ہو میں اس سے کہوں کہ چل بھائی۔ ایک غریب سے جو لینے کی غرض سے آئے تھے مفصل طور پر اپنے عذرات بیان کر کے فرمایا کہ میں نے اس لئے مفصل گفتگو کی ہے کہ تمہیں یہ خیال نہ ہو کہ ہم غریب تھے اس لئے انکار کر دیا اگر کوئی امیر ہوتا تو اتنا بھی نہ کہتا سیدھی بات کہہ دیتا کہ فرصت نہیں۔

ملفوظ (۵۰۵) آمد کی غرض کا فوری اظہار کرنا چاہیے۔ مقدمہ میں کامیابی کیلئے وظیفہ:

ایک دیہاتی آ کر بیٹھا تھا حضرت نے پوچھا کہ کیسے آئے کہا کہ ملنے آیا تھا غالباً حضرت نے خود ہی دوبارہ پوچھا کہ کچھ کہنا ہو تو کہہ لو تب اس نے اپنے مقدمہ کیلئے کوئی وظیفہ پوچھا اور تعویذ مانگا حضرت نے فرمایا کہ پہلے صرف یہ کیوں کہا تھا کہ ملنے کیلئے آیا تھا لوگ خواہ مخواہ پریشان کرتے ہیں۔ میں نے اسی لئے خود پوچھنا چھوڑ دیا ہے کہ ٹھیک جواب دیں گے نہیں پھر جھک جھک ہو گی چونکہ اس وقت مجھے کوئی کام نہیں تھا اس لئے میں نے کہا کہ لاؤ پوچھ لو۔

میری ساری بداخلاقی کی وجہ یہ ہے کہ میں لوگوں کو راحت پہنچانا چاہتا ہوں پوچھتا ہوں کہ بھائی تکلیف نہ ہو۔ ہمیشہ یاد رکھو جب کسی پاس جاؤ بات صاف کہو۔ اگر تمہارے اس کہنے پر کہ ملنے آیا تھا میں خاموش ہو جاتا اور اٹھ کر چلدیتا تو کہتے کہ بڑے روکھے ہیں پوچھا تک نہیں اس نے کہا کہ میں تنہائی میں کہنا چاہتا تھا۔ فرمایا کہ اول تو یہ بات کوئی تنہائی کی نہ تھی دوسرے یہی کہتے کہ صاحب مجھے کچھ تنہائی میں کہنا ہے تاکہ آنے کا مطلب تو معلوم ہو جاتا۔ پھر حضرت نے مقدمہ کیلئے فرمایا کہ یَاحَفِیْظُ ہر نماز کے بعد سو مرتبہ پڑھا کرو اول آخر درود شریف اور ویسے بھی ہر وقت یَاحَفِیْظُ کی کثرت رکھا کرو پھر گھر جانے کیلئے اٹھے تو چلتے میں پوچھا کہ کیا مقدمہ ہے اس نے کہا کہ خود میں نے دائر کیا ہے فرمایا کہ بھلے مانس یہ پہلے ہی کیوں نہ کہا۔ میں سمجھا کوئی فوجداری کا مقدمہ تمہارے اوپر ہے پھر فرمایا کہ اس صورت میں یَاحَفِیْظُ کی بجائے یَالَطِیْفُ پڑھنا چاہیے۔

ملفوظ (۵۰۶) دوران ذکر کی حالت۔ صحبت کے ضروری ہونے کی حد۔ پنجابی میں ذکر۔ ذکر اللہ سے مقصود لذت نہیں۔ تعلیم کی بے قدری۔ مولویوں

کا مرض۔ مریض کی ہاں میں ہاں ملانے سے طبیب کا نقصان نہیں۔ ذکر میں محض تصور ذات حق سے نفع۔ رسوم کا غلبہ:

بعد مغرب ایک مولوی صاحب کے عرض حال پر فرمایا کہ سرسری توجہ مذکور کی طرف کافی ہے اور اگر یہ نہ ہو سکے تو ذکر کی طرف تصور کافی ہے ان صاحب نے لا الہ الا اللہ کے ذکر کی بابت کہا تھا کہ لا معبود الا اللہ کا تصور کیا کرتا ہوں۔ پھر فرمایا کہ تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ ذکر کے اندر نفع دل جمعی پر مرتب ہوتا ہے اور عمل جتنا بسیط ہوگا اتنی ہی جمعیت ہوتی ہے اور امور متکثرہ میں تشویش اور تشتت ہوگا دل چاروں طرف بٹا رہے گا لہٰذا صرف مذکور کی طرف توجہ رکھنا چاہیے یا اگر یہ مشکل ہو تو پھر ذکر کی طرف لا معبود وغیرہ جو تفسیر ہے اس کے تصور کی ضرورت نہیں۔ ان صاحب نے غالباً کہا کہ کتابوں میں تو خاص خاص طریقے تصور کے لکھے ہیں مثلاً لا معبود الا اللہ لا مقصود الا اللہ لا موجود الا اللہ۔ فرمایا کہ یہ اصل میں بعض خاص طبیعتوں کے اعتبار سے تجویز کئے گئے تھے اب طبیعتیں نہایت ضعیف ہیں۔ مختلف قسم کے تصورات سے پریشان ہو جاتی ہیں۔ اصل چیز پر توجہ تام نہیں رہتی۔ انہوں نے غالباً الا الہ الا اللہ! کے تصور کی بابت پوچھا فرمایا کہ اس میں بھی جملہ بن گیا میں تو کہتا ہوں کہ صرف ذات کا تصور کافی ہے انہوں نے پھر پوچھا کہ ذات کا تصور کس طرح کیا جائے۔ فرمایا کہ جب کوئی نام لیا جاتا ہے تو کسی شخص کا دھیان آتا ہے اسی طرح اگر خدا کا نام لیا جائے تو خدا کا دھیان آتا ہے۔ پھر انہوں نے پوچھا کہ لا الہ الا اللہ کے ذکر میں ذات پر بھی تصور ہوا اور مضمون جملہ پر بھی فرمایا کہ جب ذات کا تصور ہوگا تو جملہ پر کیسے ہوگا۔ جب مذکور کا تصور ہوگا تو اس وقت ذکر کا تصور کیسے ہو سکتا ہے پھر ان کے کسی سوال پر فرمایا کہ آپ ماشاء اللہ عالم فاضل ہو کر موٹی تقریر نہیں سمجھتے معلوم ہوتا ہے جس وقت میں نے تقریر کی تھی آپ کا تصور اور طرف تھا۔ میں نے تو صاف طور سے کہہ دیا تھا کہ اول تو یہ ہے کہ مذکور کی طرف توجہ ہو یہ نہ ہو تو ذکر کی طرف اس تقریر کو ان صاحب نے اعادہ کیا۔ فرمایا کہ آپ اعادہ کیوں کرتے ہیں یہ تو عیب کی بات ہے کسی کی تقریر کا اعادہ کرنا۔ اگر نہ سمجھا ہو پھر پوچھے اگر سمجھ گیا ہو تسلیم کرے۔ اعادہ محض فضول ہے اب میرے ذمہ یہ بھی کام ہوا کہ تقریر بھی مفصل کروں پھر آپ کے اعادہ کے وقت غور سے سنوں کہ کوئی جزو میری تقریر کا آپ کے اعادہ میں رہ تو نہیں گیا۔ اور اگر رہ گیا ہو تو اس کی پھر تصحیح کروں۔ انہوں نے غالباً اس پر یہ کہا کہ میں نے اعادہ

اس لئے کیا کہ شاید جو کچھ میں سمجھا ہوں وہ غلط ہو اعادہ کے بعد اس کی تصدیق ہو جائے گی۔ اس پر فرمایا کہ یوں تو اعادہ کے بعد بھی احتمال غلطی کا رہ سکتا ہے بلکہ اعادہ میں غلطی کا احتمال تو غالب ہے ممکن ہے کہ آپ کا اعادہ صحیح نہ ہو اور میں اس کو اسی مضمون پر منطبق کر کے جو میرے ذہن میں ہے کہہ دوں کہ نعم۔ اس احتمال کا بھی انسداد آپ نے کچھ کیا پھر فرمایا کہ آپ معاملہ کی باتیں تو کرتے نہیں اس روز بھی فضول وقت ضائع کیا (یہ صاحب اس سے تین چار روز پیشتر بھی پرچہ دیکر اسی طرح خلوت میں باتیں کر چکے تھے۔ اس روز بھی حضرت نے خفا ہو کر اٹھا دیا تھا جس کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ اول انہوں نے شیخ کی صحبت کے ضروری ہونے کی بابت کچھ پوچھا تھا جو صاف مضمون نہ تھا حضرت نے سوال کو مبہم قرار دیا۔ جب سوال کو صاف کرالیا اور وہ سوال یہ تھا کہ صحبت کے ضروری ہونے کی حد کیا ہے تب فرمایا کہ جب تک طریق کی حقیقت نہ معلوم ہو جائے تب تک تو صحبت ضروری ہے جب اس کی حقیقت معلوم ہوگئی اور طریق سے مناسبت پیدا ہوگئی پھر صحبت ضروری نہیں۔ صحبت کے ضروری ہونے کی حد یہی ہے ورنہ اگر حد نہ ہوتی تو پھر تھانہ بھون میں کسی کو رہنے کو جگہ نہ ملتی)۔ دوران عرض حال میں انہوں نے بیان کیا کہ بجائے لا الہ الا اللہ کے پنجابی زبان میں اس کا ترجمہ پڑھنے سے بہت لذت آتی ہے اور عجیب حالت طاری ہوتی ہے اس پر بے حد ناراض ہوئے اور فرمایا کہ آپ مجتہد ہیں اگر ایسا ہی ہے تو نماز بھی پنجابی ہی میں پڑھنے لگو۔

حدیث شریف میں تو آیا ہے کہ لا الہ الا اللہ پڑھو اور آپ نے پنجابی میں ذکر شروع کر دیا۔ جب خود مجتہد تھے تو پھر مجھ کو ہادی اور معلم ہی کیوں بنایا تھا اور اگر ترجمہ پڑھنے کو جی ہی چاہا تھا تو مجھ سے کیوں نہ پوچھ لیا تھا۔ بلا پوچھے کیوں شروع کر دیا۔ پھر انہوں نے کچھ تعلیم حاصل کرنی چاہی تو فرمایا کہ اس وقت آپ نے طبیعت کو مکدر کر دیا مجھے یہ حرکت آپ کی سخت ناگوار ہوئی اس وقت بتلانے سے آپ کو کچھ نفع نہیں ہوگا پھر جب وہ اٹھ آئے تو فرمایا کہ لوگوں نے لذت کو مقصود سمجھ رکھا ہے یہ شرک صریح ہو رہا ہے طریق میں اگر لذت ہی مقصود ہے تو بیوی کو بغل میں لے کر ذکر کیا کریں واللہ! بہت لذت آنے گی ایک ضرب تو ادھر ہوا اور ایک ضرب ادھر۔ پھر فرمایا کہ خود حالت کو خراب کرا کے کہتے ہیں کہ صاحب اصلاح کیجئے۔ اب دوسرا کیا کرے ہانڈی جلا کر بہو سے کہے کہ ذرا سنبھالیو۔ اب بہو کم بخت کیا کرے۔ پہلے تو نمک زیادہ جھونک دیا پھر بہو سے کہا جائے کہ ذرا نمک ٹھیک کر دیجیو۔ وہ کم بخت کیا بیٹھ کر چوسے گی۔ یہ اس روز کی مختصر کیفیت تھی۔ آج یہ قصہ ہوا جو سابق میں مذکور ہوا۔ ان صاحب نے کہا کہ اب میں سمجھ گیا

فرمایا کہ دوسرے کو پریشان کر کے سمجھے تو کیا سمجھے اگر اول ہی توجہ کے ساتھ سنتے تو ایذا رسانی کی کیوں نوبت آتی ۔ اگر شبہ ہو تو اسے پیش کرنا ضروری ہے اس سے گرانی نہیں ہوتی پھر حضرت نے دریافت فرمایا کہ میں آپ سے یہ پوچھتا ہوں کہ جس وقت میں نے تقریر کی ہے آیا آپ کی توجہ تھی یا نہیں ۔ یا آپ اپنی تقریر حدیث النفس کے طور پر دل ہی دل میں کر رہے تھے انہوں نے اس پر معافی مانگی ۔

فرمایا کہ میرے سوال کا یہ جواب تو نہیں اس سے کیا نتیجہ نکل سکتا ہے کہ معاف کر دیجئے ۔ میں آخر آپ کی غلطی کی بھی اصلاح کروں ۔ تب انہوں نے فرمایا کہ شاید میں حدیث النفس کے طور پر حضور کی تقریر کے وقت کچھ سوچ رہا تھا فرمایا کہ جب آپ کو میری تعلیم کی اتنی بھی قدر نہیں کہ میں تو تقریر کروں اور آپ اپنی حدیث النفس میں مشغول رہیں تو پھر تعلیم کی کیا صورت ہوگی بس آپ تشریف لے جایئے آپ کا یہاں رہنا فضول ہے ۔ میں آپ کی کوئی خدمت نہیں کر سکتا ۔

اس پر انہوں نے معافی چاہا فرمایا لا الہ الا اللہ میں انتقام تو نہیں لیتا ۔ کیا اپنی جان بھی بچانے کا مجھ کو حق نہیں کیا یہ ضروری ہے کہ آپ تکلیفیں دیں اور میں انہیں اٹھاؤں ۔ ایک تو خدمت کروں اوپر سے تکلیفیں اٹھاؤں کیا خادم کے ذمہ یہ بھی ضروری ہے کہ خدمت بھی کرے اور تکلیفیں بھی اٹھائے ۔ طالب تو آپ اور تکلیف اٹھاؤں میں آپ رہیں نواب صاحب جایئے اپنا کام کیجئے ۔ یہ کہہ کر پاس سے اٹھا دیا ۔

پھر فرمایا کہ یہ قدر کی جاتی ہے تعلیم کی ۔ آپ نے تو لکھ پڑھ کر بھی غارت کیا ۔ کیا آپ گوارا کر سکتے ہیں کہ آپ تقریر کریں ۔ اور طالب علم اپنے دل میں توجیہات سوچا کرے ۔ سچی بات یہ ہے کہ آپ کو طلب نہیں ہے وہاں جایئے جہاں طلب کی قدر نہیں یہاں تو طالب کی قدر ہے جو طالب نہ ہو اس کی قدر نہیں آپ سے مجھ سے موافقت نہیں آئے گی اس روز ناحق تکلیف پہنچائی آج بھی تکلیف پہنچائی ایسی حالت میں آپ یہاں رہ کر کیا نفع حاصل کر سکتے ہیں اب بتلایئے سب صاحب انصاف سے کہیں کہ میرا کیا قصور ہے لوگ مجھ کو تندمزاج کہتے ہیں جب ایک شخص بےقدری تعلیم کی کرے میں کیا کروں پاؤں پکڑوں سجدہ کروں کیا کروں ۔ کہ جس کا نام خوش اخلاقی ہو کوئی دنیا میں ایسا بھی ہوگا کہ طالبین ہی کی تعلیم طالبین ہی کی مصلحت اور وہ کریں بےقدری ۔ یہ کرنے ان کی خوشامد ۔

پھر فرمایا کہ اصل یہ ہے کہ ؎

انائے کہ پرشد دگر چوں پرد

مولانا آپ مجتہد ہیں جب تک اجتہاد کا مادہ نہ نکلے گا کسی بندہ خدا سے آپ کو نفع نہیں پہنچ سکتا۔آپ بہت بڑا اپنے کو سمجھتے ہیں اگر اتباع سے عار آتا ہے تو کتابیں دیکھ دیکھ کر خود ہی ذکر شغل کرتے رہیئے۔خودرو درخت کی طرح ہو جائے گی۔کوئی شاخ ادھر جارہی ہے کوئی ادھر جارہی ہے جیسے بے ڈھنگا درخت ہوتا ہے آپ پیر ہی ہو جائیں گے خصوص پنجاب میں جہاں پیر بن جانا کچھ مشکل ہی نہیں۔ کیا طلب کی یہی شان ہوتی ہے کہ تعلیم کی یوں بے قدری کی جائے۔یہ مولویوں میں اور مرض ہے مقتداء بننے کا جہاں چار جاہلوں نے مولوی صاحب مولوی صاحب کہا بس اپنے آپ کو مقتدا سمجھنے لگے آپ تو مقتدا عوام میں ہوں گے اس فن میں آپ مقتدا نہیں۔یہاں اطاعت ہی سے کام چل سکتا ہے اور اطاعت کا مادہ آپ میں ہے نہیں۔ ہر بات کو نہایت وحشت اور حیرت سے سنتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ قلب بالکل قبول نہیں کرتا کسی نے اشتہار دے کر تو آپ کو بلایا نہیں۔آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی مرضی کے موافق تعلیم تلقین کی جائے اگر طبیب سے نسخہ کی تجویز میں مریض کی خواہش کا اتباع کرے تو وہ طبیب نہیں ہے ڈاکو ہے چوٹٹا ہے کوئی ایسا پیر ڈھونڈ یئے جو آپ کی رائے کے مطابق تعلیم کرے۔ہم تو جو کہیں گے تجربہ سے کہیں گے اس پر وثوق ہو عمل کیجئے ورنہ جایئے یہ نہیں ہو سکتا کہ وجہ اور لمیات بھی آپ کو بتلائیں طبیب سے نسخہ کے اجزاء کی وجہ کوئی مریض پوچھے کہ کیا وہ اس کو سمجھانے لگے گا کہ بنفشہ اس واسطے لکھا کاسنی اس لئے لکھی وہ صاف کہہ دیگا کہ اگر تم کو اعتقاد ہو اور اعتقاد ہو تو علاج کراؤ ورنہ جاؤ۔البتہ اگر کوئی خلاف شرع کام میں بتلاؤں تو بے شک مت عمل کرو پھر فرمایا کہ یہ رہ گئی ہے طلب انا اللہ والیہ الخ۔پھر دوسرے صاحب اپنا عرض حال کرنے آئے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ یہ دیکھئے لوگوں کی حالت ہے اب میں کہاں تک صبر کروں اور اگر صبر بھی کر لیا تو دوسرے کو کیا نفع ہوا۔میں ہاں میں ہاں ملا دیتا تو اچھا سمجھا جاتا یہ تو ایسی مثال ہوئی کہ کسی نے طبیب سے پوچھا کہ بینگن کھا لیا کروں طبیب نے اس کو منع کر دیا کہ مضر ہے مریض نے کہا کہ اجی میرا تو بہت ہی جی چاہتا ہے اس کی تو اجازت ہی دیدو طبیب کا کیا بگڑتا تھا اس نے کہہ دیا کہ کھا کر مر۔یوں چاہتے ہیں لوگ کہ میں بھی ایسا ہی کیا کروں۔

پھر ان مولوی صاحب نے کئی دن بعد اپنا مفصل حال تحریری لکھ کر دیا۔جس میں یہ بھی ظاہر کیا کہ ذکر کے وقت حسب تعلیم حضور محض تصور ذات حق رکھنے سے مجھ کو بہت نفع ہوا چونکہ مدت سے مختلف تصورات کا حسب تعلیم ایک شاہ صاحب کے عادی تھا اس لئے سمجھ میں نہیں آتا تھا۔واقعی مختلف تصورات

سے یکسوئی نہ ہوتی تھی۔اب محض تصور ذات حق سے مجھ کو بہت نفع محسوس ہوتا ہے۔انہیں مولوی صاحب نے رخصت ہونے سے قبل ایک اور رقعہ لکھ کر جمعہ کے دن پیش کیا اس میں یہ بھی درخواست تھی کہ مجھے امید ہے کہ مجھے بیعت کرلیا جائیگا غالباً بیعت کی جگہ کوئی اور لفظ بطور استعارہ کے لکھا تھا حضرت نے فرمایا کہ یہ آجکل مجہولوں کے صیغے استعمال کرنے کا بھی عجیب بے ہودہ رواج ہوگیا ہے رسوم کا بہت ہی غلبہ ہوگیا ہے سیدھی سادھی عبارت میں لکھئے کہ مجھ کو مرید کرلو چنانچہ اسی وقت درست کراکر وہ رقعہ رکھ لیا۔ پھر قبل مغرب مکان پر بلواکر ان کو بیعت کرلیا اور فرمایا کہ مولوی صاحب میرے قلب میں واقعی آپ کی محبت ہے بلکہ عقیدت ہے میرا کہا سنا معاف کیجئے گا۔ میں جو کچھ سختی کرتا ہوں اپنے نفس کیلئے نہیں کرتا۔ بات یہ ہے کہ جس سے تعلق ہوتا ہے اس کے لئے یہ جی چاہتا ہے کہ اس میں کسی طرح کی کمی یا نقص نہ رہ جائے اسی لیے بات بات پر ٹوکتا ہوں اور اس کی اصلاح کرتا ہوں احقر سے فرمایا کہ مکان پر اس لئے بیعت کیا ہے کہ آج کا جمعہ کا دن ہے پرچہ وغیرہ نہیں لیا جاتا۔ خلاف معمول سب کے سامنے آج بیعت کرنا مناسب نہیں معلوم ہوا۔

ملفوظ (۵۰۷) صحیح سلسلہ ہونے کا اثر

فرمایا کہ بیعت ضروری نہیں تعلیم بڑی چیز ہے اور ملقن کے ساتھ اعتقاد۔ کیونکہ اگر اعتقاد ہو تو چاہیے وہ خود کسی قابل نہ ہو لیکن اس کا (یعنی تعلیم حاصل کرنے والے کا) کام بن جاتا ہے بشرطیکہ صحیح سلسلہ ہو اگر صحیح سلسلہ نہ ہو تو نرے اعتقاد سے کچھ نہیں ہوتا۔ صحیح سلسلہ ہونے کی صورت میں چونکہ سلسلہ دور تک متعدی ہوتا ہے اس کے واسطے سے بزرگوں کا فیض پہنچ جاتا ہے۔ ایک بار فرمایا کہ صحیح سلسلہ کا اثر ایسا ہی ہوتا ہے جیسے نسب کے صحیح سلسلہ ہونے کا۔

۵ رجب المرجب ۳۴ھ

ملفوظ (۵۰۸) امراء کا طریق تعلیم

مثنوی شریف میں حضور سرور عالم ﷺ کے معجزہ کا ذکر آیا کہ حضور ﷺ کے ایک موزہ کو عقاب اٹھا لے گیا کیونکہ اس میں سانپ بیٹھا تھا تاکہ حضور ﷺ اس کے کاٹنے سے محفوظ رہیں ہمارے حضرت نے فرمایا کہ یہاں تو جانور خدمت کرے اور موذی جانور سے بچائے اور بعض آدمی ہو کر ایسے بھلے مانس

ہیں جو قصداً دوسرے آدمی کو کٹواتے ہیں ایک حکمراں امیر کی حکایت بیان فرمائی کہ ان کا نوکر جوتا پہنانے آیا ان امیر صاحب نے دیکھا کہ اس کے اندر ایک بچھو بیٹھا ہوا ہے انہوں نے نوکر کو وہ جوتا دیا کہ یہ تنگ ہے۔ ذرا اس کو پہن کر ڈھیلا کرو۔ نوکر نے جوں ہی اس میں قدم رکھا کہ بچھو نے کاٹا امیر صاحب نے کہا کہ تم بڑے نالائق ہو اگر ہم پہن لیتے تو اسی طرح ہمیں کاٹتا یہ گویا آپ نے تعلیم دی تھی۔ اللہ بچائے یہ امراء کی تعلیم ہے۔ ان کی دل لگی ہو گئی امیروں کی ہنسی دوسروں کے گلے پھنسی۔

ملفوظ (۵۰۹) ذاتی غرض نکالنے کیلئے دین کی غرض کو شامل کرنا

فرمایا کہ عموماً یہ قاعدہ ہے کہ جب کوئی غرض نکالنی ہوتی ہے تو کوئی دین کی غرض بھی شامل کر لیتے ہیں مثلاً کہتے ہیں کہ ایک تعویذ دیدیجئے کہ فلاں بیوہ نکاح پر راضی ہو جائے کیونکہ بیوہ سے نکاح ثواب ہے سنت ہے پھر فرمایا جی ہاں سنت ہی سمجھ کر تو نکاح کرتے ہیں آپ۔ اور ہنس کر فرمایا چاہے سنت ہی کیلئے کرتے ہوں۔

ملفوظ (۵۱۰) مذمت حرص میں ایک واقعہ

حرص اور طمع کی مذمت میں اکثر یہ واقعہ منشی محمد جان صاحب کانپوری کی روایت سے ان کے ایک دوست کا چشم دید فرمایا کرتے ہیں کہ ایک صاحب کھانا کھا رہے تھے ایک کتا آ کھڑا ہوا۔ انہوں نے اٹھ کر بہت ادب کے ساتھ جھک کر کہا السلام علیکم اور پھر بیٹھ کر کھانے لگے ساتھی نے پوچھا کہ یہ کیا واہیات حرکت تھی۔ آپ نے کہا کہ جن اکثر کتوں کی شکل میں رہتے ہیں۔ شاید یہ کتا نہ ہو جن ہو اور جنوں میں بھی بادشاہ ہو اور شاید خوش ہو کر مجھے روپیہ دے جائے روپیہ کے لالچ میں اتنے احتمالات نکال کر آپ نے کتے کو سلام کیا۔ ایک اور حکایت اس سے بڑھ کر حرص کے متعلق فرمایا کہ ایک شخص نے جس کو لڑکے چھیڑتے تھے اپنی جان بچانے کو لڑکوں سے جھوٹ موٹ کہا کہ دیکھو وہاں مٹھائی تقسیم ہو رہی ہے لڑکے سب دوڑ کر اس طرف چلے تو آپ بھی ان کے پیچھے بھاگے کہ ممکن ہے سچ مچ بٹ رہی ہو۔ حالانکہ اس جھوٹی خبر کے دینے والے خود آپ ہی تھے لیکن لڑکوں کو بھاگتے ہوئے دیکھ کر خود بھی احتمال ہوا کہ شاید دراصل مٹھائی تقسیم ہو رہی ہے۔

ملفوظ (۵۱۱) غیر ذی شعور ذی شعور و معرفت الاعلم

فرمایا کہ غیر ذی روح چیزوں میں شعور بھی ہے اور کم و بیش حق تعالیٰ کی معرفت بھی اپنی تسبیح کا علم بھی لیکن اختیار نہیں۔ ترک تسبیح پر قدرت نہیں۔

ملفوظ (۵۱۲) جانوروں کو انسانوں سے زیادہ کشف ہوتا ہے

فرمایا کہ ماموں صاحب ایک کام کی بات فرماتے تھے وہ جی کو بھی لگی۔ کہتے تھے کہ جانوروں کو اکثر کشف زیادہ ہوتا ہے اس کی تائید میں وہ کہتے تھے کہ حدیثوں میں بھی آیا ہے کہ عذاب قبر کو سب سنتے ہیں سوائے ثقلین کے تو جانوروں کے لئے عذاب قبر کا مکشوف ہونا معلوم ہوا اس سے کشف کی قدر دیکھ لو کشف کیا چیز ہے۔ اس میں تو جانور بھی انسان سے بڑھے ہوئے ہیں۔

ملفوظ (۵۱۳) ایمان کی قسم اٹھانے سے ممانعت

ایک دیہاتی نے کسی بات کے سچ ہونے پر قسم کھائی کہ اگر جھوٹ ہو تو ایمان نصیب نہ ہو تو بہ کرائی اور فرمایا کہ ایسی قسم بڑا گناہ ہے۔ ایمان ایسی معمولی چیز ہوگئی کہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر یہ قسم کھالیں کہ اگر جھوٹ ہو تو ایمان نصیب نہ ہو معلوم ہوتا ہے عظمت نہیں ایمان کی ایمان نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ اس کی وہاں قدر ہوگی جب فرعون اور ہامان کو کوئی امید نہ ہوگی نکلنے کی۔

ملفوظ (۵۱۴) مولویوں کی حالت اور ان کے نزدیک اس کا فائدہ

شاہ ولایت صاحب کا یہاں عرس ہوا کرتا ہے اس کا تذکرہ تھا فرمایا کہ یہاں کے اہل بدعت میں بھی زیادہ غلو نہیں۔ الحمد للہ یہاں اہل باطل کو جھینپنا پڑتا ہے۔ بعض جگہ تو اہل بدعت کا ایسا غلبہ ہے کہ اہل حق کو جھینپنا پڑتا ہے۔ یہاں بفضلہ اہل بدعت مغلوب ہیں اور اہل حق غالب۔

پھر فرمایا کہ جو بزرگ شادیوں میں بھی باجہ نہیں بجنے دیتے تھے مرنے کے بعد ان کی قبروں پر باجے بج رہے ہیں پھر فرمایا کہ لوگ ان رسوم میں مصلحتیں بیان کرتے ہیں لیکن خرابیاں بہت ہیں۔ پیروں کے یہاں مٹھائیاں خوب تقسیم ہوتی ہیں۔ مردوں کا تو کبھی توشہ ہے کبھی سہ منی ہے کبھی گیارھویں کبھی کچھ کبھی کچھ اور کبھی کوئی زندوں سے بیعت ہو رہا ہے اس کی مٹھائی تقسیم ہو رہی ہے کسی کا کوئی کام ہوگیا ہے وہ لا رہا ہے مٹھائی سب واہیات! میں نے مشائخ کی مجالس میں یہ تذکرے سنے ہیں کہ فلاں جگہ کے چاول اچھے ہوتے ہیں فلاں جگہ مٹھائی عمدہ بنتی ہے بھائی تم لکھنا۔

مولوی عبدالحق صاحب سے کسی نے پوچھا کہ مولود کیسا ہے۔ تھے بڑے آزاد۔ کہا کہ ایک تو بڑا فائدہ ہے کہ پڑھنے والے کو دوہرا حصہ ملتا ہے۔

ملفوظ (۵۱۵) بات میں ابہام سے ناپسندیدگی

ایک صاحب نے اپنی آمد اور قیام کی تاریخیں انگریزی میں لکھیں اور پوچھا کہ ان تاریخوں میں آپ کا قیام وطن میں ہوگا۔ تحریر فرمایا کہ میں کہاں منطبق کرتا پھروں۔ اسلامی تاریخیں دیکھ کر اور خود منطبق کر کے لکھیے۔ زبانی فرمایا کہ اگر کسی سے کوئی کام لے تو جہاں تک ہو سکے اس کے ساتھ آسانی کرنا چاہیے خود ان کو جنتری دیکھ کر اور منطبق کر کے اسلامی تاریخیں لکھنا چاہیے تھیں یہ انہیں کا کام تھا۔

انہیں صاحب کی بابت احقر کے ایک عنایت فرمانے لگے لکھا تھا کہ وہ حضرت کے دربار کے آداب سے ناواقف ہیں آپ ان کو مدد دیجئے گا۔ حضرت نے دربار اور آداب کے الفاظ پر کراہت کے ساتھ فرمایا کہ لاحول ولاقوۃ کہاں کا دربار اور کیسے آداب۔

پھر فرمایا یہاں کا آداب یہی ہے کہ کوئی ادب نہ ہو۔ یعنی بالکل بے تکلفی اور صفائی ہو۔ تکلف اور زیادہ ادب آداب ہی سے تو یہاں کام نہیں چلتا۔ بس سیدھی سیدھی بات جو طریقہ مسنون ہے۔ صفائی ہو بات میں ابہام کو میں پسند نہیں کرتا۔

اسی لیے جس خط میں کوئی ابہام ہوتا ہے میں جرح قدح کرتا ہوں کیونکہ جب تک میں خود نہ سمجھ لوں جواب کیسے دوں۔ اگر کوئی بیعت کی غرض سے آنا چاہتا ہے تو لکھ دیتا ہوں کہ اس غرض سے نہ آئیں محض ملاقات اور باتیں سننے کیلئے آئیں ابہام کو میں پسند نہیں کرتا تاکہ یہ نہ ہو کہ دل میں تو لائے کچھ اور اور یہاں پائے کچھ اور۔

ملفوظ (۵۱۶) دعوت وہدیہ میں احتیاط کا پہلو

فرمایا کہ میں دعوت اور ہدیہ میں حلال اور حرام کو تو زیادہ نہیں دیکھتا کیونکہ میں متقی نہیں۔ بس جو فتوی فقہی کی رو سے جائز ہوا اسے جائز سمجھتا ہوں۔ تقوی کا اہتمام نہیں۔ لیکن اس کا بہت خیال رکھتا ہوں کہ دین کی عزت میں کمی نہ ہو۔ دھوکہ نہ ہو اور تیسری بات یہ ہے کہ بوجھ نہ ہو یعنی گنجائش سے زیادہ نہ ہو۔ نہ حالاً نہ قالاً۔ یعنی دیتے وقت غلبہ محبت کی وجہ سے گرانی محسوس نہ ہو پھر ثانی یاد آئے کہ افوہ دس

دیدیئے ۔معتقدین کی بابت تو بڑی احتیاط کرنی پڑتی ہے کہ کہیں اس کو دھوکہ نہ ہو یہ نہ معلوم کیا سمجھ دیتا ہو اور دراصل میں ویسا نہ ہوں مخالف تو گھر بھی بخشتے تو لاؤ۔ اس واسطے کہ تم تو ہمارے مسلک کو جانتے ہو اور پھر بھی دیتے ہو تو لاؤ۔ وہاں کوئی دھوکہ نہیں مخالف تو سرکاری پروانہ سے دیتا ہے جھک مار کر دیتا ہے۔

پھر فرمایا کہ عداوت میں تو کوئی دیتا نہیں لیکن اختلاف مسلک میں دیدیتے ہیں محبت تو ضرور ان کے دل میں اٹھتی ہے جبھی تو دیتے ہیں بڑی بڑی رقمیں ایسے لوگوں نے مجھے دی ہیں۔ اور میں نے لے لی۔ بلکہ میں تو جرمانہ سمجھتا ہوں مجھے خود جرمانہ کرنا چاہیئے تھا نہ کہ وہ خود ہی جرمانہ ادا کرتے ہیں پھر ان سے کیوں نہ لوں۔

ملفوظ (۵۱۷) اہل علم کی عزت استغناء میں ہے۔ حضرت گنگوہیؒ کی شان استغناء:

فرمایا کہ امراء عموماً اہل علم کو بے قدر سمجھتے ہیں بجز ان کے جنہوں نے صحبت اہل علم کی اٹھائی ہے اہل علم خود جا جا کر گھستے ہیں۔ مجھے تو بڑی غیرت آتی ہے صاحب اہل علم کیوں ذلیل ہو۔

بئس المطاعم حین الذل تکسبھا فالقدر منتصب والقدر مخفوض

اپنی پیاز روٹی اچھی اس بریانی سے جس میں ذلت ہو اور امراء جو اہل علم کو بے قدر سمجھتے ہیں تو یہ وجہ ہے کہ ان امراء کو ایسے ہی اہل علم ملے جو قابل ذلت تھے اس لئے میں امراء کو بھی معذور سمجھتا ہوں ایک صاحب ذی استعداد اہل علم کو واقعہ بیان کیا۔

کہ دنیادار فاسق فاجر شرابی کے یہاں کسی کی سفارش کیلئے پہنچے وہ ہواخوری کیلئے ٹم ٹم پر جا رہا تھا۔ کہا اس وقت فرصت نہیں پھر آیئے گا۔ مولوی صاحب پھر پہنچے پھر فرمایا کہ امراء کی کیا خطا۔ ہم لوگوں نے خود اپنی حالت ایسی کر دی۔ حضرت میری تو رائے اس میں بہت دور تک ہے میں تو چندوں کی بابت بھی علماء کا زبان سے کہنا بالکل پسند نہیں کرتا۔ لوگ بڑی تہمت لگاتے ہیں بالکل یہ سمجھتے ہیں کہ کھانے کمانے کو مولویوں نے مدرسے کھول رکھے ہیں ان کے دروازہ پر چندہ کیلئے کبھی نہ جائے۔

پھر فرمایا کہ اپنی ذات سے جو خدمت دین کی ہو سکے وہ کر دے اگر چندہ نہ آئے نہ سہی اگر ہم لوگوں کے قلوب درست ہو جائیں۔ تو سلف صالحین کے طرز پر دین کی خدمت کریں ان کو ہرگز حاجت

بڑے بڑے مکانوں کی نہ تھی۔ ہر عالم اپنے گھر پر درس دیتا تھا لیکن اس حالت میں میں یہ رائے نہ دونگا کہ مدرسے موقوف کر دیئے جائیں۔ مدرسوں کا وجود خیر عظیم ہے یہ موقوف نہ ہونے چاہئیں کیونکہ یہ زمانہ ہی ایسا ہے مگر اعتدال سے تو نہ گذرے۔

مولانا گنگوہیؒ کے یہاں حدیث کے دورہ میں ستر ستر طالب علم ہوتے تھے ان کا کھانا بھی کپڑا بھی۔ مگر کچھ فکر ہی نہیں نہ تحریک نہ کبھی کسی سے فرمایا۔ ایک کمرہ بھی نہیں بنوایا۔ جب وہاں کی جامع مسجد تیار ہوئی ہے مولانا کو اس کا بڑا اہتمام تھا۔ مگر باوجود اس کے بھی کسی کو نہیں کہا۔ نواب محمود علی خاں نے عریضہ بھیجا کہ تخمینہ کر کے بھجوا دیجئے۔ مولانا نے صاف جواب دیدیا کہ مجھے فرصت تخمینہ کرانے کی نہیں۔ نہ میرے پاس آدمی۔ اگر آپ کا دل چاہے خود اپنے آدمی سے تخمینہ کرالیجئے دیکھئے لوگ ایسے موقعوں کو غنیمت سمجھا کرتے ہیں لیکن وہ کیوں غنیمت سمجھتے جس کے پاس اس سے زیادہ غنیمت یعنی حضرت حق موجود ہوں مولانا تے صاف ٹکا سا جواب دیدیا کہ اگر چاہتے ہو تو اپنا ہی آدمی بھیج کر تخمینہ کرا منگاؤ یہ شان علماء کی ہونا چاہیے حضرت نہ وہاں چندہ تھا نہ کچھ تھا پھر بھی ہر وقت خندہ ہی خندہ تھا۔ مولانا کے یہاں لوگوں نے مسجد بنوانا چاہی صاف فرمادیا کہ میرے بھروسے نہ بنوانا میں کسی سے نہ کہوں گا۔

ایک مسجد کی تجدید تعمیر کیلئے چندہ کی ضرورت تھی۔ مولانا کے پاس تصدیق کرانے کیلئے فہرست لائے فرمایا کیا ضرورت ہے کچی بنالو جی لوگوں نے کہا کہ گر پڑے گی۔ فرمایا کہ پکی بھی تو گر پڑی۔ جب تو پھر بنانے کی ضرورت پڑی۔ بلکہ کچی گر پڑے تو اس کا پھر بنالینا سہل ہے۔ اب یہ مذاق منجانب اللہ پیدا ہو جاتا ہے۔ ہم اگر ایسا کریں تو اعتراض ہوتے ہیں۔ مگر مولانا پر تو اعتراض نہیں پڑ سکتے اگر قلب میں یہ کیفیت پیدا ہو جائے تو بادشاہ کی بھی حقیقت نہیں۔

ملفوظ (۵۱۸) نصیحت کی ہمت

فرمایا میں نے آج کل ایک دوست کو کچھ نصیحتیں ذرا تیزی سے لکھی ہیں دیوبند کے پڑھے ہوئے ہیں۔ مناسبت بھی ہے پوری طور پر اس لئے لکھ دیں ورنہ نصیحت کرنے کی بھی ہمت نہیں۔ ہر ایک کو انہوں نے بے چاروں نے مان لیا۔ اور برا نہیں مانا اس کے بعد انہوں نے لکھا کہ میں پندرہ روپیہ بھیجتا

چاہتا ہوں میں نے صاف لکھ دیا کہ یہ تو پندرہ روپیہ تک گویا تکدر رفع کرنے کیلئے تم بھیجتے ہو ہرگز نہ بھیجنا۔ انہوں نے ایک متعصب کافر کو اپنے یہاں ملازم رکھا اور اس کا خواب لکھ کر مجھ سے تعبیر چاہی کہ میرے ایک دوست تے جو فلاں مذہب کے ہیں یہ خواب دیکھا ہے متعصب کافر کو اپنا دوست لکھا میں نے انہیں ڈانٹ کر خط لکھا۔ چنانچہ انہوں نے اس کو فوراً نکال دیا۔ پھر پندرہ روپیہ کے انکار پر فرمایا کہ یہ خدا نے مدد کی کہ دل میں انکار پیدا کر دیا۔ اور کیا خبر اس پندرہ کے عوض اللہ میاں نے اور کتنے دلا دیئے ہوں اور یہ کہنا کہ اگر وہ پندرہ روپیہ بھی لے لئے جاتے دو اور جگہ سے آنیوالے پھر بھی تو آتے غلط ہے ممکن ہے کہ نہ آتے اور اگر آتے بھی تو کیا تھا مصالح دینیہ کی حفاظت کے سامنے روپیہ کیا چیز ہے مجھے تو صاحب بڑا وہم ہے ایسے امور میں۔

ملفوظ (۵۱۹) ذکر و شغل میں صحت کا لحاظ

بعد مغرب ایک ذاکر شاغل سے بعد دریافت حال فرمایا کہ تم کو قوت ہو ضرب اور جہر چھوڑ دو وظیفہ کے طور پر پڑھو۔ بہت جلدی جلدی تو پڑھنا نہیں لیکن جہر اور ضرب موقوف کر دو۔ دو چیزوں کا ہمیشہ خیال رکھو معدہ کا اور دماغ کا ان کی بہت ہی حفاظت کرنا تندرستی کا دارمدار انہیں پر ہے بے تندرستی کے آدمی کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ اور اگر تندرستی ہو تو سب کچھ کر سکتا ہے۔

پھر فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے زور زور سے ذکر شروع کر دیا ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہاں۔ فرمایا کہ کشتی لڑنا تھوڑا ہی ہے۔ خیر دو تین دن وظیفہ کے طور پر پڑھ کر حال کہنا پھر اپنے سامنے ذکر کرا کر دیکھونگا۔ اور اصلاح کر دوں گا۔

ملفوظ (۵۲۰) لڑکوں کے اختلاط کا زہر

لڑکوں کو حضرت آپس میں نہیں ملنے دیتے فرمایا کہ بظاہر یہ سختی معلوم ہوتی ہے کہ ہنسنے کھیلنے بھی نہیں دیتا حالانکہ ان کا کسی سے ملنا بس زہر ہے جیسے سانپ کیسا خوب صورت چکنا چکنا اور نرم ہوتا ہے بچہ کو اگر روکا جائے تو وہ سمجھتا ہے کہ مجھے کیسی اچھی چیز کے ہاتھ میں لینے سے روکتے ہیں حالانکہ ؎

زہر ایں مار منقش قاتل ست

۱۷رجب المرجب ۱۳۴۴ھ

ملفوظ (۵۲۱) کشف والہام ظنی ہیں

فرمایا کہ بعض عارفین کا قول ہے کہ الہام میں غلطی نہیں ہوتی جیسے حواس اگر ماؤف نہ ہوں تو ان میں غلطی نہیں ہوتی۔ مگر جمہور کا مذہب یہی ہے خود اہل کشف میں سے بھی کہ کشف والہام ظنی ہے۔ قطعی نہیں۔

ملفوظ (۵۲۲) چھوٹی مصیبتیں بڑی بلاؤں کا عوض ہو جاتی ہیں

مثنوی شریف میں یہ مضمون آیا کہ بعض اوقات جان کی بلا مال پر ٹل جاتی ہے بعض چھوٹی بلا بڑی بلاؤں کا عوض ہو جاتی ہے۔

این بلا دفع بلاہائے بزرگ

احقر نے عرض کیا کہ آیا یہ بات قرآن حدیث سے بھی ثابت ہے۔ فرمایا کہ یہ کیا ضرور ہے کہ جو بات صحیح ہو وہ حدیث ہی میں ہو لیکن ہے بات صحیح۔ اب یہ حدیث میں کہاں ہے۔ کہ جاء زید پھر فرمایا کہ کبھی غور نہیں کیا امید تو ہے کہ اگر تلاش کیا جائے تو قرآن حدیث ہی میں کہیں سے یہ مضمون نکل آئے۔

ملفوظ (۵۲۳) اولیاء اللہ میں اپنی غرض مغلوب ہو جاتی ہے

فرمایا کہ اوروں میں تو اپنی غرض ہی غالب ہوتی ہے اور اولیاء اللہ میں غرض تو ہے لیکن مغلوب۔ حتی کہ تربیت میں ثواب کی بھی نیت ہوتی ہے۔ لیکن اس کا جو اصل محرک ہوا ہے وہ یہی ہے کہ دوسرے کو نفع ہو۔

ملفوظ (۵۲۴) بعض اطباء کا غلط طریقہ

فرمایا کہ بعضے اطباء پہلے سے مریض یا اس کے اعزہ سے کہہ دیتے ہیں کہ چار دن بعد مر جائے گا یہ نہیں چاہیے۔ خواہ مخواہ پہلے سے پریشان کرنا اس سے علاج وغیرہ کی حسرت نہیں نکالنے پاتے۔

ملفوظ (۵۲۵) صورت ملکیہ میں بشر کا تصرف موثر نہیں

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حضرت عزرائیل علیہ السلام کو تھپڑ مارنے کا ذکر آیا فرمایا کہ اہل

توجیہ یہ ہے کہ حضرت عزرائیل علیہ السلام بشر کی شکل میں آئے تھے اس لئے پہچانا نہیں انہوں نے روح قبض کرنے کی اجازت چاہی آپ نے سمجھا کہ یہ کوئی قاتل ہے اس لئے دھپ رسید کیا کہ اسے سینت دوں۔ آنکھ بھی تو پھوٹ گئی تھی۔ اس سے بھی تو معلوم ہوتا ہے کہ بشر ہی کی شکل میں آئے تھے۔ ورنہ صورت ملکیہ میں بشر کا ایسا تصرف موثر نہیں ہوتا۔

ملفوظ (۵۲۶) اقسام مجاہدہ

فرمایا کہ ریاضت ومجاہدہ کی دو قسم ہیں۔ ایک مجاہدہ اختیاریہ دوسرا مجاہدہ اضطراریہ۔ جب کسی پر حق تعالیٰ کی رحمت ہوتی ہے تو اس کو مجاہدہ اضطراریہ میں مبتلا کر کے صبر دیتے ہیں جس سے رفع درجات ہوتا ہے۔ پس ایک مجاہدہ تو یہ ہے کہ خود تقلیل لذات کو اختیار کیا اور ایک یہ کہ خود تو تقلیل لذات نہیں کیا۔ لیکن حق تعالیٰ نے اس کو کسی مصیبت میں مبتلا کر دیا۔ مثلاً بچہ مر گیا پھر اس نے صبر کیا اس سے رفع درجات ہوا۔ اس آیت میں اسی کا ذکر ہے۔

ولنبلونکم الی قولہ اولئک علیھم صلوات من ربھم مجاہدہ اضطراریہ میں بھی اجر ملتا ہے اس سے زیادہ کیا ہے کہ فرماتے ہیں **اولئک علیھم صلوات من ربھم ورحمۃ**۔

ملفوظ (۵۲۷) جسے گولی لگی ہو اس کا علاج ایک اور گولی

فرمایا کہ غدر کے زمانہ کا ایک عجیب وغریب قصہ ایک صاحب بیان کرتے تھے لٹیروں نے آ کر گولیاں چلانی شروع کیں ایک شخص کی کنپٹی میں آ کر گولی لگی۔ گولی دور سے آئی تھی قوت اس کی ختم ہو چکی تھی اس لئے کنپٹی کے پار نہ نکل سکی۔ بیچ دماغ میں جا کر گولی بیٹھ گئی اب نکالو کیسے بڑے پریشان ہوئے کسی کی سمجھ میں تدبیر نہ آئی لوگ سوچ ہی رہے تھے۔ خدا کی قدرت ایک گولی اسی جگہ اور آ کر لگی اور وہ اپنے ساتھ پہلی گولی کو بھی لے کر دوسری طرف نکل گئی اور پہلی گولی اس جگہ جا بیٹھی تھی جہاں خزانہ نور ہے جس سے آنکھ میں آمد نور کی بھی بند ہو گئی تھی نکلتے ہی آنکھیں کھل گئیں اب صرف زخم ہی زخم رہ گیا جو کچھ دن میں اچھا ہو گیا۔ بھلا یہ علاج کون تجویز کر سکتا تھا کہ ایک گولی اس کے اور مارو ۔

دردم نہفتہ بہ ز طبیباں مدعی ——— باشد کہ از خزانہ غیبش دوا کنند

کون سمجھ سکتا ہے حکمت کو۔ جو اس بات کو سمجھ گیا ہے اس نے سب کاموں کو خدا ہی پر چھوڑ دیا

ہے۔ اسی حال کا مبالغہ ہے کہ بعضے بزرگوں نے دعا بھی چھوڑ دی۔ لیکن سنت یہ ہے کہ حال تو وہی ہوا اور پھر بھی دعا کرے۔ یہ بڑا مشکل دونوں کو جمع کرنا لیکن کمال یہی ہے۔

ملفوظ (۵۲۸) خط میں پورا پتہ نشان ہونا چاہیے

فرمایا کہ ایک صاحب نے مجھ کو عربی میں ایک خط لکھا اسی نام کے ایک اور صاحب تھے ان کی بھی عادت تھی کہ عربی میں کبھی کبھی خط لکھ بھیجا کرتے تھے میں نے انہیں کو سمجھ کر جواب لکھا اور چونکہ ان سے بے تکلفی تھی اس لئے بہت سی باتیں بے تکلفی کی ان کو لکھیں۔ بعضے باتیں بہت بے تکلفی کی لکھ دیں۔ بعد کو مجھے معلوم ہوا کہ وہ دوسرے صاحب ہیں۔ مجھ کو نہایت شرمندگی اور اب تک بوجہ حجاب کے ان کو معذرت نہ لکھ سکا کئی برس ہو گئے اس انتظار میں ہوں کہ کسی بے تکلف شخص کے ہاتھ کہلا کر بھیجوں لیکن ابھی کوئی ایسا شخص ملا ہی نہیں مناسب ہے کاتب خط کو اپنا پورا پتہ اور نشان لکھے تاکہ ایسے اشتباہات واقع نہ ہوں۔

۲۰، ۲۱ رجب المرجب ۴۳ھ

ملفوظ (۵۲۹) انسان میں مبداء خیر رقت ہے

فرمایا کہ انسان کی رحمت میں ارادہ خیر کا مبداء رقت ہے حق تعالیٰ کی رحمت میں ارادہ خیر تو ہے رقت نہیں۔

ملفوظ (۵۳۰) ذات وصفات میں ذوقی انکشاف ممکن نہیں

فرمایا حق تعالیٰ کی ذات وصفات کی کنہ وحقیقت کے ادراک کی جو نفی کیا کرتے ہیں وہ درجہ تفصیل میں ہے ورنہ اولیاء اللہ کو ذات وصفات کی کنہ کا انکشاف ذوقی طور پر درجہ اجمال میں حاصل ہوتا ہے جو عوام کو نہیں ہوتا۔ اور جنت میں گو رویت ہوگی لیکن کنہ ذات کا احاطہ وہاں بھی نہ ہوگا۔ اور اولیاء کو جو یہاں رویت ہوتی ہے وہ بالقلب ہوتی ہے۔

ملفوظ (۵۳۱) مسئلہ قدر کا پورا انکشاف ممکن نہیں

فرمایا کہ قدر کا مسئلہ اجمالاً ہی سمجھ میں آسکتا ہے اس کا مرجع بعض صفات کی کنہ کا ادراک ہے

جوخود عقل متوسط سے خارج ہے جنت میں بھی اس کا پورا انکشاف نہ ہو سکے گا۔

ملفوظ (۵۳۲) بیدر کھنا جائز ہے

فرمایا کہ بید رکھنے کو عوام ناجائز سمجھتے ہیں کہتے ہیں کہ یزید رکھتا تھا۔ یہ بالکل واہیات ہے بید رکھنا جائز ہے۔

ملفوظ (۵۳۳) جواب مطلوب خط کا ادب۔ تعویذ کے اثر میں عقیدت کو بڑا دخل ہے:

اکثر لوگ خطوط میں کوئی حاشیہ حضرت کے جواب کیلئے نہیں چھوڑتے۔ فرمایا کرتے ہیں کہ یہ بڑا ظلم ہے سخت تکلیف اور دقت ہوتی ہے۔ کم از کم ایک ثلث ہر صفحہ پر حاشیہ چھوڑ کر لکھنا چاہیے تاکہ سوال ہی کے متصل جواب لکھا جاسکے علیحدہ جواب لکھنے میں مطلب اچھی طرح سمجھ میں نہیں آتا۔ احقر نے عرض کیا کہ میں بلا نام نوٹ کے طور پر اس ہدایت کو لکھ دیا کروں۔

فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ عملاً بھی سب کو معلوم ہو جائے کہ اس کے یہاں کسی کو دخل نہیں ورنہ پھر لوگوں کو شبہات پیدا ہو جائیں گے وثوق اور اطمینان نہ رہے گا۔ سمجھیں گے۔ کہ کبھی کسی کا دخل معلوم ہوتا ہے کبھی کسی کا۔ اس میں بہت مصلحتیں ہیں۔ اور ایسا نوٹ لکھنے میں یہ مصلحت فوت ہو جائیگی۔ پھر فرمایا کہ لوگ مجھے تو پہلے ہی سے برا بھلا کہتے ہیں آپ کچھ لکھیں گے تو کہیں گے کہ یہ ایک اور نئے قانون بھگارنے والے وہاں پیدا ہو گئے۔ میں اپنی ایسی راحت نہیں چاہتا جس میں مفاسد ہوں۔ یہی بہتر ہے کہ کسی کا دخل نہ ہو۔ انہیں رعایتوں کی وجہ سے میری تکلیفیں اور بھی بڑھ گئی ہیں۔ ورنہ بہت سی تکلیفوں سے بچ سکتا تھا۔ احقر نے عرض کیا کہ خود حضور ہی اتنی عبارت بڑھا دیا کریں۔ فرمایا کہ مجھے اتنی فرصت کہاں۔ مجھ سے یہ التزام نہیں ہو سکتا کہ ہر خط میں یاد کر کے یہ بھی لکھا کروں پھر فرمایا کہ خطوط کے متعلق ایک چھپا ہوا پرچہ رکھ دیا کرتا تھا۔ جس میں یہ ہدایت بھی درج تھی کہ حاشیہ چھوڑ کر لکھا جائے لیکن کچھ بھی اثر نہ ہوا۔ لوگ ایسے کوڑھ مغز ہیں۔

ایک صاحب نے چھپی ہوئی اطلاع کو واپس کر کے لکھا کہ سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ تعویذ ہے یا کیا ہے۔ احقر نے سخت تعجب کا اظہار کیا کہ معلوم ہوتا ہے پڑھا بھی نہیں۔ فرمایا کہ اس لئے نہ پڑھا ہوگا کہ

تعویذ کا اثر نہ جاتا رہے۔ احقر کے استفسار پر فرمایا کہ تعویذ کے نہ پڑھنے کا اثر میں کچھ دخل بھی ہے کیونکہ

ابہام میں عقیدہ زیادہ ہوتا ہے۔ ورنہ پڑھ لیا جائے تو معمولی سی چیز معلوم ہوتی ہے کہ آہا یہ تو وہی ہے جو ہم جانتے تھے اور عقیدہ کو اثر میں دخل ہے ہی۔ اور تعویذوں میں تو بہت ہی دخل ہے۔

ملفوظ (۵۳۴) لفافے کیساتھ ٹکٹ چسپاں کرنا چاہیے

ایک صاحب نے سادہ لفافہ معہ پتہ کے جواب کے لئے بھیجا لیکن ٹکٹ اس پر چسپاں نہ کئے بلکہ علیحدہ رکھ دیئے فرمایا کہ دیکھئے یہ توفیق نہیں ہوئی کہ ٹکٹ بھی لگا دیں۔ بعض مرتبہ ٹکٹ ہوا میں اڑ جاتے ہیں ادھر ادھر ہو جاتے ہیں۔ بعض مرتبہ اس شبہ پر کہ شاید ٹکٹ بھی بھیجا ہو مجھے اپنے گھر سے لگانے پڑے ہیں۔ یہ ایذاء رسانی کی باتیں ہیں ان سے کوئی مصلحت پوچھے کہ ٹکٹ لفافہ پر چسپاں کیوں نہ کر دیئے یعنی ایذاء ہوئی اور ان کی اس میں کوئی مصلحت نہیں۔

ملفوظ (۵۳۵) گھر والے کی بے غیرتی

ایک صاحب نے لکھا کہ (لڑکے کی یا کسی اور عزیز کی) گھر میں شادی ہے۔ میں تو کوئی کام خلاف شرع نہ کروں گا۔ شاید گھر والے کریں۔ کیا کروں کہیں چلا جاؤں۔ فرمایا کہ یہ گھر والے ہیں کہ بے غیرت آدمی۔ ایسے ایسے باہمت لوگ ہیں جواب تحریر فرمایا کہ سخت تعجب ہے آپ کو اپنے گھر میں قابو نہیں انا للہ۔

ملفوظ (۵۳۶) عشق مجازی کا عذاب

فرمایا کہ عشق مجازی عذاب ہے عذاب۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ پھر فرمایا کہ یہ اکثر کم ہمتی سے بڑھ جاتا ہے چونکہ اس کے خیال میں اور برتاؤ میں لذت آتی ہے اس لئے اس کو دفع نہیں کرتا۔ پھر بڑھ جاتا ہے عرض کیا گیا کہ ملنے جلنے سے تو معمولی بات ہو جاتی ہے۔ عشق مجازی میں اس سے بجائے کمی کے ترقی کیوں ہو جاتی ہے۔ فرمایا کہ ملنے میں تسلی سی رہتی ہے معمولی نہیں ہو جاتا۔ مفارقت کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ بڑھ گیا کم نہیں ہوا۔

عرض کیا گیا کہ ایسا شخص اگر حق تعالیٰ کی طرف رجوع ہو گیا تو اوروں سے بھی بڑھ

جاتا ہوگا فرمایا کہ بہت سے طرق ہیں یہ بھی ایک طریق ہے۔ اس محبت کو اگر حق کی طرف منصرف کر دے تو اس خاص کیفیت میں اوروں سے بڑھا ہوا ہوتا ہے یہ نہیں کہ نفس حب میں بھی اوروں سے بڑھا ہوا ہو۔ یہ محض ایک لون ہے محبت کا۔ ممکن ہے کہ دوسرا لون اس سے اتم ہو یہ اکثر ضعیف القلب لوگوں کو ہوجاتا ہے۔

ملفوظ (۵۳۷) حصول تقرب کے لئے بے ڈھنگی حرکت

ایک صاحب مسجد میں حضرت کی طرف منہ کر کے مراقب ہوکر سہ دری کے سامنے بیٹھ گئے حضرت نے سختی کے لہجہ میں تنبیہ فرمائی کہ مولانا وظیفہ وغیرہ چھوڑ کر مراقب ہوکر آپ میری طرف منہ کر کے کیوں بیٹھے ہیں اگر آپ کے سامنے کوئی اسطرح بیٹھ جائے تو آپ کو وحشت نہ ہو۔ اپنے کام میں لگئے۔ میرے کام میں کیوں خلل ڈالتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ عجیب رسمیں ہوگئی ہیں۔ بس لوگ ایسی حرکتیں تقرب حاصل کرنے کیلئے کرتے ہیں۔ کہ پیر خوش ہوکر زیادہ متوجہ ہوں گے۔ اور اپنے خاص لوگوں میں سمجھنے لگیں گے چنانچہ رسمی پیروں کے یہاں ایسی باتوں کی بڑی قدر ہوتی ہے۔

ملفوظ (۵۳۸) غالی بدعتی پیر کا مرید طالب اصلاح ہوکر آیا۔ خط ان بنگالی کا جو بدعتی سے بیعت تھے اور جن پر بہت سختی کی گئی تھی اور حضرتؒ کا جواب۔ مرض نظر بازی اور اس کا علاج:

ایک بنگالی مولوی صاحب جو ایک غالی بدعتی پیر سے بیعت تھے جن کا انتقال ہو چکا۔ وہ اب حضرت کی خدمت میں قیام کی غرض سے حاضر ہوئے۔ سب باتیں دریافت کر کے فرمایا کہ مولانا اگر یہ سب امور پیشتر خط سے طے ہوجاتے تو بہتر تھا۔ اس لئے کہ ایک جزو آپ یہاں بہت وحشت ناک سنیں گے وہ یہ کہ آپ کے سابق پیر کے مسلک میں اور ہمارے مسلک میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ وہ ہمیں کافر کہتے تھے اور ہم انہیں کافر تو نہیں کہتے لیکن انتہا درجہ کا گمراہ ضرور سمجھتے ہیں۔ چاہئے تو یہ تھا کہ جو ہمیں باوجود مسلمان ہونے کے کافر سمجھے ہم بھی اسے

کا فر سمجھتے لیکن حاشا وکلا ہم حدود شرعیہ سے تجاوز ہرگز نہیں کریں گے لاحول ولا قوۃ ۔

لیکن ہم یوں کہیں گے کہ گمراہ شخص تھے جو مسلمانوں کو کافر کہتے تھے اور میں اسکو ظاہر بھی نہ کرتا کیونکہ میرے طریقہ کے یہ بالکل خلاف ہے کہ کسی کے معتقد کے سامنے اس شخص کی برائی کی جائے کیونکہ اس میں معتقد کی دل آزادی ہے جس کو میں بلاضرورت نہایت ناپسند کرتا ہوں لیکن چونکہ معاملہ کی بات ہے اس لئے مجھ کو ظاہر کرنا پڑا ۔ اگر آپ مہمان ہوتے تو خیر ! ہم آپ کی رعایت سے دو چار روز کیلئے اس کی پابندی کر لیتے کہ آپ کے شیخ اول کے متعلق کوئی گفتگو نہ کرتے لیکن اس حالت میں کہ آپ اپنی اصلاح باطن کے لئے یہاں مقیم رہیں گے ہم اتنے دن کیلئے اپنی آزادی میں کیوں خلل ڈالیں اور خصوصا ایسے شخص کیلئے جو اپنے سے طالب اصلاح کا ہو بلکہ اس حالت میں تو یہ قصد ہوگا کہ طالب کو بھی اپنے مشرب پر لائیں پھر اختلاف بھی معمولی اختلاف نہیں سخت اختلاف ہے ایسا کہ وہ ہمیں کافر کہتے ہیں ۔

یہ بتلائیں کہ آپ انہیں گمراہ سمجھیں گے یا نہیں ۔ دوٹوک بات ہے میرے یہاں معاملات ہیں صاف ۔ وہ صاحب اس پر کچھ خاموش ہوئے ۔ فرمایا کہ یہ امر آپ کو شاق ہوگا اور ہم بھی آپ کو یہ مشورہ نہ دیں گے کیونکہ جس شخص سے ایک مرتبہ دین کا فائدہ پہنچ چکا ہے اس کو برا کہنا بھی ہے برا ۔ کیونکہ احسان کے خلاف ہے لیکن ایسی صورت میں ہم بھی تو خدمت سے معذور ہیں کیونکہ اگر آپ نے ان کو محقق سمجھا تو جس کو وہ کافر سمجھیں اس سے آپ دین کی اصلاح کی کیوں توقع رکھیں اور اگر ہمیں کافر نہ سمجھا تو انہیں گمراہ سمجھنا پڑیگا کیونکہ جو مسلمان کو کافر سمجھے وہ کیا گمراہ بھی نہیں ۔ اور تیسری شق کوئی ہو ہی نہیں سکتی ۔

اور یہ جو آپ چاہیں کہ من وجہ انہیں حق پر سمجھیں اور من وجہ ہمیں ۔ تو اس سے کام نہیں چلتا ۔ مجھ سے للو چو ہو نہیں سکتی ۔ جو صاف بات تھی وہ کہدی ۔ ان صاحب نے کچھ گفتگو کی جس پر حضرت نے فرمایا کہ تاویلیں نہ کیجئے اس تاویل سے اگر آپ نے مجھے راضی بھی کر لیا تو آپ کو نفع کیا ہوا ۔ آپ کے دل کا تو چور نہ نکلا ۔ اس صورت میں آپ کو کیا نفع ہو سکتا ہے ایسے شیخ سے جس کو اپنا معتقد فیہ کافر کہتا ہو ۔ اسی واسطے تو میں کہتا ہوں کہ ان باتوں کو پہلے خطوط سے طے کر لینا چاہئے تھا ۔ اب آپ مشکل میں پڑ گئے ۔ کیونکہ اتنی دور کا سفر کر کے آنے لوٹ جانا بھی

آپ کو شاق ہوگا۔ اور اس کا ہم خود بھی مشورہ نہ دیں گے کیونکہ جس شخص سے آپ کو دین کا نفع پہنچ چکا ہے اس کو گمراہ سمجھنا بھی ایک قسم کی ناسپاسی ہے۔

اس واسطے میں چاہا کرتا ہوں کہ پہلے معاملہ خط وکتابت سے صاف کرلیا جائے پھر فرمایا کہ بھلا ہم تو ملانے ہیں حضرت حاجی صاحب تو درویش تھے۔ مسائل اختلافیہ میں بھی انہیں وسعت تھی ہمیں تو تنگی ہے لیکن باوجود اس وسعت کے آپ کے شیخ انہیں بھی اچھا سمجھتے تھے۔ خلاصہ یہ کہ ہماری تحقیق میں وہ صاحب باطن نہیں تھے اور ایسے شخص کو بیعت کرنا جائز نہیں جس کو باطن سے مس نہ ہو۔ شاہ عبدالغنی صاحب اتنے بڑے محقق درویش اور عالم ان کے شاگرد تھے۔ پھر بھی یہ حالت تھی نہ معلوم شاہ صاحب کو بھی وہ اہل حق سمجھتے تھے یا کیا۔ کیونکہ شاہ صاحب کا اور ہمارے حضرات کا مسلک تو ایک ہی تھا۔

چنانچہ شاہ صاحب حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کے استاذ تھے تو حضرت شاہ صاحب کا تو یہ مسلک اور وہ (یعنی شیخ اول) رسول اللہ ﷺ کے علم غیب کے قائل تھے۔ عقائد میں اس درجہ اختلاف تھا فرعی اختلاف میں تو کچھ نہیں لیکن اصول میں اختلاف بڑی بات ہے۔ علم غیب کا قائل ہونا تو عقائد کے متعلق ہے جو کہ اصول کا اختلاف ہے۔ اس لئے میں تو آپ سے یہ کہلاؤنگا کہ فلاں گمراہ تھے۔ البتہ اگر کوئی شافعی آئے تو نعوذ باللہ اس سے ہرگز نہ کہلاؤں کہ حضرت شافعی نعوذ باللہ گمراہ تھے کیونکہ ان کے ساتھ محض فرعی اختلاف ہے۔

اسی طرح گو غیر مقلدوں سے مجھے بالکل مناسبت نہیں لیکن ایک غیر مقلد آئے تھے انہوں نے مجھ سے ذکر وشغل پوچھا چونکہ ان سے فرعی اختلاف تھا اس لئے میں نے کچھ تعرض نہیں کیا۔ بتلا دیا۔ ان مولوی صاحب نے کہا کہ علم غیب وغیرہ میں میرا عقیدہ اہل بدعت کا سا نہیں۔ میں اس کو بہت برا سمجھتا ہوں۔ فرمایا کہ میرے سوال کا جواب نہ ہوا۔ اتنا صریح صریح تو میں نے کہا۔ میں نے تو لگی لپٹی نہیں رکھی۔ اور نہ لگی لپٹی رکھنے کی میری عادت چاہے گالیاں پڑیں لیکن دھوکہ تو نہ ہو۔ آپ کو پھانسنے کی ترکیب تھی کہ آہستہ آہستہ تدریج ان کو (یعنی شیخ اول کو) برا کہہ کر آپ کو ان سے برگشتہ کرتا۔ لیکن میں اس کو نہایت نازیبا حرکت سمجھتا ہوں جو اخیر میں کہنا ہے

وہ اول ہی روز کیوں نہ کہہ دیا جائے کون للو پتو کرے طالب کی خوشامد ہمارے ذمہ نہیں۔ خود طالب کی یہ شان ہونی چاہیے کہ وہ خوشامد کرے۔

بتدریج کون اپنے مشرب پر لائے کوئی ہمارے اوپر دارومدار نہیں۔ بہت سے خدا کے بندے موجود ہیں اور خدمت سے ہمیں بھی عذر نہیں۔ لیکن جب مسلک موافق نہیں تو پاس رکھنا کلفت ہی کلفت ہے۔ میں تو اپنی طرف سے ختم کر چکا ہوں۔ فقط آپ کے ذمہ جواب رہ گیا۔ ان صاحب نے خاموشی اختیار کی۔ پھر فرمایا تعجیل میں یہ خرابی ہے۔ اگر خط و کتابت سے آپ طے کرتے تو جو کچھ میں لکھتا آپ گھر پر مطمئن ہوتے جو چاہتے آزادی سے کہہ سکتے تھے۔ اب آپ کو مشکل پڑ گئی آنے کی بیچ پڑ گئی۔ یہ سب تعجیل کی بدولت ہوا۔ اگر پیشتر سے طے کر لیتے تو سمجھ کر آنا ہوتا۔ آ کر سمجھنے میں اور سمجھ کر آنے میں بڑا فرق ہے وہ آنا لطف کا آنا ہوتا۔ اب کشاکشی میں پڑ گئے۔

حاجی فلاں کے ایک مرید مجھ سے مثنوی پڑھنے آئے اور کہا کہ مجھے میرے پیر صاحب نے مثنوی پڑھنے کیلئے بھیجا ہے۔ میں نے صاف طور سے کہہ دیا کہ بھائی سنو صاف بات کہہ دینی اچھی ہوتی ہے۔ ہم لوگ فلاں صاحب کی شان میں گستاخی کیا کرتے ہیں جو مہمان ہو تو اس کو ضرور خیال کرنا چاہیے۔ اور کوئی بات ایسی نہ کرنا چاہیے جس سے اس کی دل آزادی ہو لیکن جو طالب ہو کر آیا ہے اس کیلئے ہم اپنی آزادی میں کیوں خلل ڈالیں ہم صاف طور سے کہے دیتے ہیں کہ ہم فلاں صاحب کی بابت برا بھلا کہنے سے آپ کی خاطر باز نہیں رہیں گے کیونکہ ہمیں انہیں گمراہ اور متجاوز عن الشریعت سمجھتے ہیں۔ اس پر ان صاحب نے کہا کہ آپ جانیں اور وہ جانیں ہمیں اس سے کیا بحث۔ ہم نہ انہیں برا کہیں نہ آپ کو ہمیں تو ان کا حکم ہوا ہے کہ فلاں شخص سے مثنوی پڑھو۔ اس لئے مثنوی شریف پڑھنے آئے ہیں۔ آپ کو اختیار ہے انہیں جو چاہیں کہیں۔ ہم برا نہ مانیں گے۔ چنانچہ وہ یہاں رہے اور مثنوی شریف کے درس میں شریک ہوتے رہے چونکہ محض مثنوی پڑھنے آئے تھے اس لئے میں نے ان کو قیام کی اجازت بھی دے دی۔ اور ان کے عقائد سے تعرض نہیں کیا۔

اگر باطنی تعلیم حاصل کرنے آتے تو جب تک ان سے یہ نہ کہلا لیتا کہ گمراہ ہیں ہرگز قیام کی اجازت نہ دیتا کیونکہ ہمارے ان کے عقائد میں سخت اختلاف تھا۔ پھر خدام میں سے ایک صاحب اہل بدعت کے تذکرے کرنے لگے حضرت نے روک دیا۔ فرمایا کہ خیر! ان تذکروں سے کدورت ہوتی ہے انہیں چھوڑیئے۔ مجھے تو معاملہ کی وجہ سے یہ تذکرہ کرنا پڑا۔ بجز ذکر محبوب کے کسی کا ذکر ہی نہ ہونا چاہیے۔ بلکہ دنیا کی باتیں کر لینا اس سے اچھا ہے۔ ان قصوں سے بہت ہی کدورت اور ظلمت قلب میں پیدا ہوتی ہے۔ میں تو بلا ضرورت کبھی ذکر نہیں کرتا۔ کیا کروں اس وقت ضرورت ہوگئی۔

پھر فرمایا کہ خیر اگر کسی کو خالی اختلاف ہی ہو تو بھی خیر ایک خطا ہے۔ لیکن جو اہل حق سے اختلاف کے ساتھ عداوت بھی رکھے۔ اس سے تو سخت ناگواری ہوتی ہے، وہ اہل حق سے عداوت رکھتے تھے اس وجہ سے ناگواری ہوتی ہے۔ بہت ہم نے بچپن میں جاہل فقیروں کو دیکھا ہے گانا بجانا سب ہی کچھ تھا لیکن اہل حق کے ساتھ عداوت نہ تھی۔ بلکہ انقیاد اور تسلیم تھا۔ اہل حق کے سامنے پست ہو جاتے تھے۔ زبان سے کہتے تھے کہ ہم گنہگار ہیں۔ اللہ معاف کرے کتنی بڑی بات تھی۔ آج ان کی قدر ہوتی ہے۔

گنگوہ میں ایک پیرزادے تھے نہایت حسین و جمیل بزرگ صورت۔ معلوم ہوتا تھا کہ واقعی پیر ہیں۔ ذاکر شاغل آدمی۔ میں اتفاق سے گنگوہ گیا۔ مجھے اپنے گھر لے گئے اور اپنی بیوی کو مجھ سے بیعت کرایا۔ لوگوں نے کہا کہ آپ تو خود پیرزادے ہیں بیعت لیتے ہیں۔ ان کا مرید کیوں کرایا کہنے لگے کہ بھائی پیر تو یہی لوگ ہیں۔ ہم تو روٹی کھانے کے پیر ہیں۔ پھر حج کو گئے۔ بمبئی کے بعضے سیٹھ لوگ ان کے مرید تھے۔ انہوں نے پیر پکڑے تو منع کر دیا کہ یہ شریعت کے خلاف ہے وہ لوگ آپس میں کہتے تھے کہ پیر بگڑ گئے وہابی ہو گئے۔ پیر پکڑنے سے منع کرتے ہیں۔

افسوس ہے ایسا پیر بگڑ گیا ہے ان کے بھانجا ان کے ہمراہ تھے وہ کہتے تھے کہ حج سے واپس ہونے کے بعد ان کا ارادہ تھا کہ یہاں آکر بیعت ہوں گے لیکن وہیں انتقال ہو گیا یہ بھی ان کی خوش قسمتی ہے کہ وہیں رہ گئے وہ دل سے نفور ہو گئے تھے اپنے طریقہ سے۔

گنگوہ کے پیرزادوں میں یہ بات ہے ایسے ہی انبہٹہ کے پیرزادے ہیں۔ گو ہیں اپنے اسی طریقہ پر۔ لیکن اہل حق سے عداوت نہیں۔ ادب تعظیم علماء کی دل سے کرتے ہیں ان لوگوں کو عداوت نہیں بلکہ عقیدت ہے، ہم لوگوں کو بھی ان سے عداوت نہیں۔ ان کے فعل کو البتہ برا سمجھتے ہیں۔

باقی دوسری جگہ کے لوگ تو بعضے بعضے عداوت بھی کرتے ہیں اگر قابو چلے تو قتل کر دیں۔ عرب میں ایک شخص اسی عداوت میں ایک دوسرے مدرسے میں جاکر کاغذ دے کر ہم لوگوں کی تکفیر پر مہریں کرا کر لایا۔ مولانا خلیل احمد صاحب ان اہل مہر میں سے ایک صاحب سے کہا کہ خوب مال غنیمت لیا۔ مولانا کو یہ بات پہلے سے معلوم تھی وہ صاحب کچھ بولے نہیں بس ہنسنے لگے۔ نہیں کہا کہ میں نے کچھ نہیں لیا۔ تو گویا وہ عقائد میں مخالف نہیں تھے لیکن روپیہ لے کر مہر کر دی۔

اب ہم لوگوں کے پاس اول تو روپیہ کہاں۔ اور اگر ہو بھی تو خدا نہ کرے وہ دن آئے کہ روپیہ دے دیکر مہریں کرائیں۔ تاکہ عوام اپنے معتقد ہو جائیں۔ یہاں تو یہ حالت ہے کہ مولانا گنگوہیؒ فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی میرے مریدوں کو مجھ سے پھیر دے تو فی آدمی ایک آنہ میں اسے دینے کیلئے تیار ہوں۔ اور اگر کوئی مولوی صاحب کو پھیر دے تو فی مولوی ایک چونی۔ پھر فی مولوی ایک روپیہ کر دیا تھا۔ اور جگہ گھیرتے ہیں۔ یہاں اور ہٹاتے ہیں۔ ان سے کیا توقع کہ روپیہ دیں اور کام بنائیں یہ کاروائیاں ہو رہی ہیں وہ صاحب (یعنی شیخ اول مخاطب کے) بھی ایسے ہی غالی تھے۔ مولانا خلیل احمد صاحب کے ساتھ انہوں نے مکہ معظمہ میں بڑی بڑی کاروائیاں کی تھیں پھر ان مولوی صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میں یہ بھی کہے دیتا ہوں کہ محض اس لفظ کے کہنے پر بھی میں اکتفا نہ کرونگا۔ تاوقتیکہ میرے جی کو نہ لگ جائے کہ آپ نے دل سے کہا ہے۔

پس اگر آپ یہ لفظ بھی کہہ دیں گے لیکن میرے جی کو نہ لگا تو میں صاف کہہ دوں گا کہ میرے جی کو نہیں لگا۔ آپ کو دلیل پوچھنے کی بھی اجازت نہ ہوگی۔ کیونکہ آخر میں مسلمان ہوں میں پہچان لوں گا کہ آپ نے دل سے کہا ہے یا محض کام نکالنے کی غرض سے۔ حدیث شریف میں ہے۔ الصدق طمانینۃ والکذب ریبۃ۔ سچ بات دل کو لگتی ہے۔ جھوٹ بات دل کو لگتی نہیں۔ تردد رہتا ہے۔

الحمد للہ میرے دل میں ایمان ہے۔ چراغ ہے گو ٹمٹماتا ہوا ہے۔ پھر فرمایا اسی واسطے جو مجھ سے پوچھتا ہے۔ آنے کو میں اس سے پہلے یہ باتیں صاف کر لیتا ہوں کہ کیوں آتے ہو کتنے دن رہو گے وہاں کسی کا حق تو فوت نہیں ہوگا۔ کچھ حرج تو نہیں۔ قرضہ تو نہیں لینا پڑیگا اگر اصلاح باطن کے لئے آتے ہو تو اصلاح باطن کے کیا معنی سمجھتے ہو۔ غرض خوب صاف کر کے پھر اجازت آنے کی دیتا ہوں۔ تاکہ یہاں آکر اس کو پریشانی اور مایوسی نہ ہو۔ اب مولوی صاحب سوچ رہے ہیں کہ

کیا کہوں۔ مولانا جو کچھ کہئے گا سوچ سمجھ کر کہئے گا۔ یہ نہیں ہے کہ بچہ ہوں بہل جاؤں گا میری پچاس برس سے زیادہ کی عمر ہے بہل کیسے سکتا ہوں۔ اور اگر مجھے بہلا بھی لیا تو آپ کو کیا نفع ہو سکتا ہے کیوں کہ اس طریق میں صدق اور خلوص ہی تو ہے جو کچھ ہے جو کچھ ہو صاف ہو۔ میرے یہاں اشارات اور کنایات کی قدرت ہی نہیں۔ اگر کوئی کہتا ہے کہ مجھے خادم بنا لیجئے۔ میں کہہ دیتا ہوں کہ سمجھ میں نہیں آیا صاف کہو۔ اگر کہتا ہے سر پر ہاتھ رکھ لیجئے۔ میں پھر کہتا ہوں سمجھ میں نہیں آیا صاف کہو۔ اگر کہتا ہے غلامی میں داخل کر لیجئے۔ میں پھر یہی کہہ دیتا ہوں کہ سمجھ میں نہیں آیا صاف کہو۔

جب کہتا ہوں مرید کر لو۔ تب کہتا ہوں کہ ہاں اب کہی ٹھیک۔ غرض الفاظ صاف واضح الدلالۃ ہونے چاہئیں۔ گول الفاظ سے غلط فہمی ہوتی ہے۔ پھر فرمایا کہ بہت احباب میرے اس طریقہ کے مخالف ہیں کہ آتے ہی متوحش کر دیتے ہو۔ تدریجاً سب باتیں بتلانی چاہئیں۔ میں کہتا ہوں یہ دفتر یاد کون رکھے کہ کون سی بات کہہ چکا اور کونسی کہنے کو رہ گئی۔ اول ہی روز سب باتیں صاف صاف کیوں نہ کہہ ڈالے روز روز بیٹھ کر کون دھندا لگائے۔ جو رہتا ہو رہو ورنہ اور بہت جگہ موجود ہیں۔ میرے اوپر کوئی دار و مدار تھوڑا ہی ہے۔ پھر اس میں طالب کو بھی تو بے لطفی ہے جب کوئی نئی بات سنے گا کہے گا لو اور نکلی۔ دوسرے دن پھر کوئی نئی بات پھر کہے گا تو یہ آج اور نکلی۔ ساری عمر بھی اطمینان نہیں ہوگا بے چارہ کو کہ جانے کیا کیا نکالیں گے پیٹ میں سے۔ بلکہ میرا مشرب اتنا سخت بھی نہیں جتنا اول تاریخ میں ظاہر کر دیتا ہوں۔ تاکہ دھوکہ نہ رہے اور بعد کو بے لطفی نہ ہو۔ کیونکہ اس سے زیادہ وہ سنے گا ہی نہیں۔ اور جو کم ظاہر کیا جاتا اور پھر نکلتا بہت تو وہ بے لطفی کا سبب ہوتا پھر سلسلہ سخن میں فرمایا کہ جاہلوں کے عقیدہ میں پیر کی بابت بہت غلو ہے بلکہ اہل علم کو بھی غلو ہے گو وہ جاہلوں کی طرح پیر کو خدا کی برابر تو نہیں سمجھتے لیکن کشف کے متعلق ان کو بھی غلو ہے مثلاً سمجھتے ہیں کہ جب غائب کی طرف متوجہ ہوں گے معلوم کر سکتے ہیں۔ خدا بچائے بالکل گمراہی ہے اور اسی کی فرع دوسرا غلو ہے کہ پیروں سے دنیوی امور میں مشورہ لیتے ہیں۔ بڑی مدتوں کے بعد اس کی وجہ معلوم ہوئی۔ یوں خیال کیا جاتا ہے کہ ان کی زبان سے جو نکلے گا اس میں ضرور کامیابی ہوگی۔ بعضے اس میں تاویل کرتے ہیں کہ صرف برکت کا اعتقاد ہوتا ہے سو برکت تو دعا میں ہوتی ہے اس پر کفایت کیوں نہیں کرتے کیا برکت کے یہی معنی ہیں ناکامی بھی تو برکت ہی کی ایک فرد ہے۔

کیا برکت یہی ہے کہ ان کے منہ سے نکلے گا تو کام ہو گیا۔ اگر یہ معنی ہیں تو فساد عقیدہ ہے۔ حضور کو تابیر کی اثر کی خبر نہ ہوئی تو فرمایا انتم اعلم باموردنیا کم حضور سے زیادہ کون ہے تو یہ بے چارہ آلہ قضا کیونکر ہوا یہ خرابیاں اور غلو ہیں عقائد میں۔

ایک شخص نے خط میں مجھ سے پوچھا کہ میں بان کی تجارت کرتا کروں۔ یادواؤں کی۔ میں نے لکھ دیا کہ نہ میرا باوا کھٹ بنا تھا نہ پنساری۔ مجھے کیا خبر۔ انہوں نے پھر لکھا کہ مولانا گنگوہیؒ تو دنیاوی امور میں مشورہ دیا کرتے تھے میں نے کہا بھائی اپنا اپنا ظرف ہے۔ حق تعالیٰ نے مولانا کو جامعیت فراخی ظرف فراست عقل سب کچھ عطا فرمائی تھی۔ ہمیں نہیں ہے۔ ہمیں اتنی ہی توفیق ہے کہ جو کچھ لکھا پڑھا ہے کتابوں میں۔ صحیح غلط بتا دیتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ فطری تفاوت بھی ہوتا ہے کسی کے اندر وسعت اور شرح صدر ہوتا ہے ان کا حوصلہ فراخ ہوتا ہے۔ ان کو ان امور سے پریشانی نہیں ہوتی۔ بعضوں کو جی گھبرانے لگتا ہے۔ میرا تو بہت ہی جی گھبراتا ہے ایسے قصوں سے وحشت ہونے لگتی ہے۔ کوئی چھوٹا سا برتن ہو اس میں بہت سا اناج بھر لو تو کیا ہوگا۔ ٹوٹے گا۔ پھٹے گا۔ بڑا سا ہو بھر و جتنا چاہو۔ پھر بھی تنگی نہیں ہوتی۔ یہ سب باتیں سن کر ایک صاحب نے فرمایا کہ بعضوں کو حضور کی ان باتوں سے اور بھی عقیدت بڑھتی ہے۔ فرمایا کہ خیر یہ ان کو اختیار ہے یہ میرا قصد نہیں کہ میرے معتقد ہوں نہ یہ قصد ہے کہ مجھ سے خواہ مخواہ بداعتقادی ہو جائیں۔ میری صرف یہ نیت ہے کہ اپنی حالت کو ملبس نہ رکھوں صاف صاف ظاہر کر دوں کچا چٹھا معلوم ہو جائے پھر معلوم ہو جانے کے بعد جسے مناسبت ہو اس کی خدمت سے عذر نہیں۔ اگر نہ ہو بیچارہ اور کہیں چلا جائے۔ یہ ہے میرا قصد۔ اور اس پر میں دل سے راضی ہوں کہ بیعت تو کہیں اور ہو جائے۔ اور خدمت مجھ سے لے اس پر عتاب بھی کم ہو گا۔ وہ تھوڑی بھی موافقت کرے گا تو غنیمت معلوم ہو گی اور اس کی قدر ہو گی۔ وہاں تھوڑا وفاق بھی خوش گوار اور یہاں تھوڑا اشقاق بھی ناگوار۔ چنانچہ ایسے بھی لوگ ہیں جو با اجازت اپنے شیخ کے پوچھتے پاچھتے ہیں۔ پھر اسی جلسہ میں فرمایا کہ ایک عزیز ہیں ان کے لڑکے کی ختنہ ہے چونکہ عزیزوں کو زور ہوتا ہے انہوں نے کہا کہ ضرور آنا پڑے گا۔ میں نے کہا کہ میں اصلاح الرسوم میں منع لکھ چکا ہوں۔ حدیث بھی لکھی ہے میں کیسے جا سکتا ہوں۔ انہوں نے اس کے جواز میں کچھ گفتگو کرنی چاہی۔ میں نے کہا کہ گفتگو کرنے سے آپ کا مطلب تو نہ

نکلے گا کیونکہ اگر گفتگو کے بعد میں نے رجوع بھی کیا تو پہلے اس رجوع کا میں اعلان کر دوں گا۔ اس کے بعد شرکت کروں گا اور اب اتنی گنجائش نہیں کہ تحقیق کر کے رجوع کروں۔ اعلان کروں پھر شرکت کروں۔ اگر رجوع کر کے بلا اس کے اعلان کے شرکت کرلوں گا تو یہی ہوگا کہ مطلب کے لئے رجوع کر لیا۔ اس کا وہ کوئی جواب نہ دے سکے اور چلے گئے۔ کہیں گے تو ضرور کہ بڑا روکھا ہے۔ عزیزوں سے بھی یہی کرنا پڑتا ہے۔ بعد مغرب احقر سے ان مولوی صاحب کے معاملہ کے متعلق جنہوں نے ایک شخص ناقص سے بیعت کی تھی اور جن سے ان کے بارہ میں خاص الفاظ کہنے کی فرمائش کی تھی۔ فرمایا کہ آپ تو دیکھتے ہیں میرا مشرب ہرگز ایسا سخت نہیں کہ خواہ مخواہ ایسے سخت الفاظ کہلاؤں۔ لیکن آخر ان کو یکسو کرنا بھی ضروری تھا۔ دوسرے یہ کہ طالبین کی جانچ بھی تو نہایت ضروری ہے ورنہ طالب اور غیر طالب میں پھر امتیاز کی کوئی صورت ہی نہیں۔ اور جانچ کے بعد تو یہ ہے کہ جو طالب ہوگا وہ جا ہی نہیں سکتا اور جو چلا گیا وہ طالب ہی نہیں۔ اگر ایسا نہ کروں تو حق تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں میں محبت ایسی ڈال دی ہے کہ ہزاروں کا مجمع یہاں رہے اور طالبین اور غیر طالبین سب گڑ بڑ ہو جائیں۔ اور اگر لنگر خانہ ہو جائے تو بڑی گڑ بڑ مچے۔ اسی لئے میں روکھا پن برتتا ہوں۔

خدمت ظاہری میں بھی اور خدمت باطنی میں بھی۔ اس میں ہزاروں مصلحتیں ہیں۔ یہ بھی فرمایا کہ میں کوئی ایسی سختی بھی نہیں کرتا۔ موٹی موٹی باتیں ہوتی ہیں۔ معمولی معمولی باتیں پوچھتا ہوں جن کا جواب ہاں یا نہ ہوتا ہے۔ اور شروع میں نہایت نرمی اور اخلاق سے پوچھتا ہوں۔ پھر بھی کوئی گڑبڑ کرے تو کیا علاج۔ پھر انہیں مولوی صاحب نے دوسرے دن بعد ظہر اپنی رائے ظاہر کی اور کہا کہ میں اسی وقت ان صاحب سے بیعت کو فسخ کرتا ہوں۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ جو الفاظ میں نے کل کہے تھے ان کو آپ پھر بھی بچا گئے۔ حالانکہ میں نے پانچ چھ مرتبہ ان الفاظ کو دہرایا تھا کہ جب تک یہ نہ کہلاؤں گا میں قیام کی اجازت نہ دوں گا۔ اس پر وہ صاحب دیر تک خاموش رہے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا ان کی وہ الفاظ یاد ہی نہیں آتے۔ سوچ رہے ہیں کہ وہ کون سے الفاظ تھے۔ جن کو حضرت کہلانا چاہتے ہیں۔ حضرت نے متعدد دفعہ جواب طلب کیا۔ لیکن مولوی صاحب نے خاموشی اختیار کی جس سے سخت الجھن ہوتی تھی یہاں تک کہ حضرت نے فرمایا کہ میں درخواست

کرتا ہوں للہ کچھ تو جواب دیجئے۔ آخر انہوں نے ظاہر کیا کہ انہیں یاد نہیں رہے۔

اس پر حضرت نے فرمایا کہ میں نے کم از کم پانچ چھ مرتبہ مکرر سہ کرر ان الفاظ کو صاف طور سے کہا اور پھر بھی آپ کو یاد نہیں رہے۔ پھر ان صاحب نے بعد متعدد تقاضوں کے کہا کہ چونکہ حضور سے ان کے عقائد معلوم ہوئے جو گمراہی اور ضلال ہے اسلیئے میں ان سے بیعت توڑتا ہوں۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ آپ تو کہتے تھے کہ مجھے وہ الفاظ یاد نہیں رہے اب کیسے یاد آ گئے۔ آپ چالاکی کرتے ہیں۔ چالاکی اور تکبر دو سخت عیب ہیں جو میرے یہاں کھپتے ہی نہیں۔ کبر کا حال تو معلوم نہیں چالاکی تو آپ کی کھلی ہوئی دیکھ لی۔ اور سب سے بڑھ کر عیب تکلم کے موقع پر سکوت ہے یا تو بولنا ہی نہیں اور بولنا بھی تو بے موقعہ۔ یہ تو مولانا کو تکلیف پہنچانا ہے سیدھی بات کہتا ہوں اس کا الٹا جواب ملتا ہے۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ یہی جواب کل کیوں نہیں دیا تھا۔ اگر گمراہی سمجھتے تھے کل ہی کیوں نہ کہہ دیا۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ مصالح پر نظر کی کہ اگر یہ نہیں کہتا تو کام نہیں بنتا۔ اگر آپ واقعی گمراہ سمجھتے تھے تو اسی وقت آپ کو جوش آ جانا چاہیے تھا۔ کہ لاحول ولا قوۃ یہ عقیدے ہیں اور اسی وقت آپ کہتے ہیں کہ میں ایسے شخص کو گمراہ سمجھتا ہوں اس کا آپ کے پاس کیا جواب ہے۔ اس پر ان صاحب نے طویل سکوت اختیار کیا۔ حضرت بار بار جواب طلب کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ سکوت سے مجھے سخت الجھن ہوتی ہے للہ! کچھ تو جواب دیجئے۔ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ کچھ تو کہئے لیکن باوجود اس سخت تقاضہ کے مولوی صاحب خاموش ہی بیٹھے رہے کچھ بول کر نہ دیا۔ حضرت نے فرمایا کہ مولوی صاحب میں پھر درخواست کرتا ہوں۔ جواب دیجئے پھر بھی وہ خاموش ہی رہے اس پر حضرت نے حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اب فرمایئے میری کیا خطا ہے۔

اب اگر میں کوئی خشن لفظ کہتا ہوں تو لوگ مجھے درشت کہتے ہیں (مولوی صاحب کی طرف اشارہ کر کے فرمایا) اور آپ بڑے درست ہیں پانچ چھ دفعہ درخواست جواب کی کر چکا ہوں لیکن درخواست منظور ہی نہیں ہوتی۔

پھر فرمایا کہ برائے خدا کچھ تو جواب دیجئے۔ یہی کہہ دیجئے میرے پاس کوئی جواب نہیں میں جواب نہیں دیتا۔ تاکہ یکسوئی تو ہو۔ اس پر ان مولوی صاحب نے کہا کہ میرے پاس کوئی جواب نہیں۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ اگر آپ کے پاس کوئی جواب نہیں۔ تو آپ تشریف لے جایئے مجھ

سے آپ سے نباہ ہو سکتا۔ میں آپ کی خدمت سے معذور ہوں۔ میں نے تنبیہات وصیت میں بزرگوں کی فہرست لکھ دی ہے۔ ان میں سے کسی کے پاس تشریف لے جایئے۔

پھر حضرت نے فرمایا جس شخص سے اتنی بالمشافہ ناگوار گفتگو ہو گئی ہو اس کو میرے پاس رہنے سے کچھ نفع نہیں ہو سکتا۔ ہاں خط سے تعلیم طریقہ کی کروں گا۔ اگر آپ چاہیں گے تو خط سے تعلیم کروں گا۔ خط سے بھی تعلیم ہو سکتی ہے۔ خدمت سے مجھے عذر نہیں مگر ہر موقعہ کی جدی خدمت ہوتی ہے جو برتاؤ کل سے آپ نے میرے ساتھ کیا ہے اس کا یہ اثر ہوا کہ میری زبانی تعلیم سے آپ کو نفع نہیں ہو سکتا کیونکہ آپ کی بدعنوانیوں سے انقباض پیدا ہو گیا۔ آپ نے میرے قلب کو منقبض کر دیا۔ اور آپ نے اسباب انقباض کو اپنے اختیار سے پیدا کیا۔ اس پر مولوی صاحب نے معافی چاہی۔

حضرت نے فرمایا کہ معاف تو میں نے کر دیا لیکن اگر کسی کے کوئی سوئی چبھو دی اور وہ معاف کرا لے تو کیا معاف کر دینے سے اس کا درد بھی جاتا رہتا ہے۔ میں نے معاف تو کر دیا۔ لیکن آپ نے جو سوئیاں چبھوئی ہیں کیا معافی سے ان کا درد بھی جاتا رہے گا۔ درد تو باقی ہے کسی کے کوئی تلوار مار دے پھر معاف بھی کرا لے تو گو معاف تو کر دیا لیکن معاف کر دینے سے زخم بھی اچھا ہو گیا؟ زخم ایسے جلدی کیسے اچھا ہو سکتا ہے وہ تو کئی دن کے بعد جا کر کہیں اچھا ہو گا۔

اس پر ان صاحب نے عرض کیا کہ کم از کم اتنی اجازت مل جائے کہ میں پاس آبیٹھا کروں اور باتیں سنا کروں۔ فرمایا کہ خدانخواستہ آپ سے عداوت تھوڑا ہی ہے لیکن آپ کو میرے ساتھ بولنے کی اجازت نہ ہو گی۔ انہوں نے کہا کہ مسائل دریافت کر لیا کروں فرمایا کہ مسئلے بتانا فرض علی الکفایہ ہے۔

مولوی احمد حسن صاحب و مولوی حبیب احمد صاحب سے پوچھئے گا ہاں اگر ضرورت ہو گی وہ بطور خود مجھ سے کسی مسئلہ میں مشورہ کر لیں گے میں مشورہ دیدوں گا۔ باقی خود آپ مجھ سے مخاطبت نہ کر سکیں گے۔ کیونکہ اگر آپ مجھ سے مخاطبت کریں گے تو میں بھی نفس رکھتا ہوں اور نفس بھی مطمئنہ نہیں بلکہ امارہ بالسوء اور ایسا ویسا بھی نہیں کم بخت بہت ہی امارہ بالسوء ہے پھر مجھ سے کوئی گستاخی آپ کی شان میں ہو گئی تو ناحق بے لطفی بڑھے گی۔ اس لئے بولنے کی اجازت نہیں

ویسے آپ بیٹھیں انھیں میرے پاس کسی کے بیٹھنے کی ممانعت نہیں۔ میں مسلمانوں کا خادم ہوں میں آپ کی خدمت کے لئے بھی حاضر تھا۔ لیکن آپ نے خود ہی مجھ سے خدمت لینا نہیں چاہا۔ کیونکہ ہر خدمت کا ایک طریقہ ہے۔ اگر آپ کو میری خدمت پسند آئی تو اس طریقہ کو اختیار کرتے۔ باقی آپ کو میں واللہ اپنے سے افضل سمجھتا ہوں۔ خدانخواستہ آپ کو حقیر نہیں سمجھتا استغفر اللہ آپ السلام علیکم بھی کہیں اور میں بھی کہوں ایک دوسرے کو جواب بھی دیں۔ کیونکہ خدانخواستہ ناراضی تھوڑا ہی ہے البتہ مخاطبت سے انقباض ہوگا۔ اور یہ آپ نے اپنے ہاتھوں پیدا کیا۔ پھر وہ مولوی صاحب سلام کر کے اٹھ گئے۔

حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ دیکھئے ہے نہ غضب کی بات ایک بات پوچھتا ہوں اس کا جواب ہی نہیں ملتا جو شبہ بیان کرتا ہوں اس کا جواب ہی نہیں پھر معاملہ کیسے صاف ہو۔ یہ ساری خرابی اس کی ہے کہ جو تھوڑے دنوں بڑا رہ چکا ہو اس کو پھر چھوٹا بننا مصیبت ہے اور شروع تو انہیں نے کیا۔ البادی اظلم جس نے پہلے بادی پھیلائی وہی ذمہ دار ہے۔ بادی تو انہوں نے پہلے پھیلائی۔ اب یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں ان کا تابع بن جاؤں اور ہر بات میں ان کی رعایت کروں۔ جو بے عنوانی کریں اس کو برداشت کرلوں۔ اجی اگر مجھ سے استفادہ کی طلب نہ کریں تو میں پرواہ بھی نہ کروں لیکن استفادہ تو بلا تکلفی کے نہیں ہوتا۔ باقی خوشامد سے گفتگو مجھ سے ہوتی نہیں۔ لہجہ تیز ہوتا ہے کیونکہ انقباض میں جو گفتگو ہوگی وہ تو ایسی ہی ہوگی اور انقباض انہوں نے خود پیدا کیا۔ اب آپ ہی فرمایئے میں نے کون سی ایسی دشواری ڈالی تھی جو ان سے ہو نہ سکے۔ جب ایک شخص کا عقیدہ معلوم ہو گیا پھر اس کو گمراہ کہنے میں کیا تامل۔ بات کیا تھی کہ دل سے گوارا نہیں ہوا یہ کہنا۔ رات بھر سوچا ۲۴ گھنٹہ میں یہ تجویز کی پھر بھی اس لفظ کو بچایا۔ پہلے کہا کہ یاد نہیں رہا پھر وہی کہنے لگے بڑبڑ۔ معلوم ہوا کہ یاد تھا لیکن کہنا گوارا نہ ہوا جب آدمی دورویہ ہو تو کیا نفع ہو سکتا ہے ؎

یکے خواں و یکے بین و یکے گو

اب وہ کسی کے سامنے خلاصہ نکالیں گے اس گفتگو کا اور میری خطائیں گنائیں گے یہ نہ کہیں گے کہ میں نے کیا کیا حرکتیں کی تھیں۔ حضرت طالب ہونے کی جو علامتیں ہیں جب تک ان کی تحقیق نہ کرلوں کیسے دل کھلے تری ملاقات اور بات چیت کیلئے کوئی آئے تو وہ اور بات ہے جب خدا کا

راستہ طلب کرنے کیلئے ہیں تو جو اسکی شرطیں ہیں وہ تو دیکھی ہی جائیں گی۔ جو نماز کی درخواست کرے کہ مجھ کو نماز پڑھادو پھر تو وہ آفت میں پڑ گیا اس سے تو سبھی باتیں پوچھیں جائیں گی کہ بدن بھی پاک ہے کپڑا بھی پاک ہے وضو بھی ہے یا نہیں سمت بھی ٹھیک ہے جب تک ساری باتیں نہ پوچھ لے گا کیسے بتلا دیگا کہ یوں نیت کر۔ وہ کیسے نیت بندھوا دے کہ چار رکعت نماز فرض وقت ظہر اللہ اکبر۔ پہلی نماز کی شرائط بھی تو دیکھ لے کون سی بات مشکل میں نے کہی تھی انہوں نے خود ہی کہا تھا کہ میں فلاں سے بیعت ہوں جب تک اس کو صاف نہ کر لیتا اور ان کو یکسو نہ کر لیتا ان کو تعلیم کس طرح کرتا۔ یہ بھی کوئی بڑا مشکل کام تھا۔ اور یہ تو آسان ہے کہ میں تعلیم کر دوں لیکن آموختہ ساپڑھ دینے سے کیا ہوتا ہے جب دل سے نہ ہوگا تو کچھ بھی نفع نہیں ہو سکتا۔ ایسی حالت میں تعلیم کرنا خیانت ہے اور دوسرے کو دھوکہ میں رکھنا ہے کیونکہ عادت اللہ جاری ہے کہ نفع کا مدار اس طریق میں بشاشت پر ہے جب مجھے معلوم ہے کہ نفع نہ ہوگا تو تعلیم کرنا خیانت ہے۔

پھر فرمایا کہ میں فخراً نہیں کہتا لیکن یہ بھی میں ہی ہوں کہ ایک شخص سے انقباض ہے پھر بھی اس کو اجازت دیتا کہ خط سے تعلیم حاصل کرے اور امید دلاتا ہوں کہ نفع ہوگا۔ خط میں انقباض نہیں ہوتا کیونکہ کوئی سامنے نہیں ہوتا۔ چاہے کسی کا خط ہو بلکہ میں تو اکثر خط میں نام بھی نہیں دیکھتا کہ کس کا ہے صرف مضمون کو دیکھ کر اسی مضمون کے مطابق جواب لکھ دیتا ہوں۔ خط لکھنے والے کی رعایت سے بہت کم جواب لکھتا ہوں ایک صاحب نے پوچھا کہ اگر خط لکھنے والے سے انقباض ہو تو تو اس کا نام دیکھ کر اس کی صورت ذہن میں آجائے تب بھی نفع ہو سکتا ہے۔

فرمایا کہ اسباب انقباض جدا ہیں بعضے ایسے ہیں جن کو عناد ہے انکو میں تعلیم باطنی نہیں کرتا نہ خط سے نہ ویسے البتہ مسائل کا جواب لکھ دیتا ہوں۔ بعضوں کی غلطی بے وقوفی سے ہوتی ہے جس سے انقباض ہو جاتا ہے۔ ایسے شخصوں کو خط کے ذریعہ سے تعلیم کر دیتا ہوں محض ان کی صورت ذہن میں آنے سے انقباض کا اثر عود نہیں کرتا۔ ان مولوی صاحب کی تو بے وقوفی کی غلطی ہے اب بھی مہینہ بھر کے لئے کہیں چلے جائیں اور پھر آئیں تو کوئی انقباض نہ رہے گا۔ اگر پندرہ بیس دن کو سفر کر جائیں تو جب پھر آئیں گے تو بالکل نئے ہوں گے اس درمیان میں ساری شکائتیں دل سے جاتی رہیں گی اس وقت اس کا کچھ ذکر نہیں آیا ورنہ یہ صورت بھی اسی وقت بتلا دیتا۔ اب بھی کوئی

صاحب جاکر ان سے کہہ آئیں (چنانچہ ایک ان کے ہم وطن نے جاکر یہ بات بھی کہہ دی اور وہ مولوی صاحب پندرہ دن کے لئے ایک مدرسہ میں حدیث کا دورہ سننے کیلئے تشریف لے گئے) پھر فرمایا کہ میں سچ کہتا ہوں مجھے انقطاع اور ان کو خواہ مخواہ ٹالنا منظور نہیں تھا بلکہ جو کچھ کیا انہی کی مصلحت کے لئے کیا ورنہ جھک جھک سے میرا کیا نفع تھا۔ صاف کہہ دیتا کہ میں تمہیں نہیں رکھتا۔ اگر انقطاع منظور ہوتا یہ باتیں کیوں بتلاتا۔ میں تو خود بتلاتا ہوں کہ اگر اب بھی مجھ سے نفع حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اس کی یہ یہ صورتیں ہیں۔ چونکہ میں جانتا تھا کہ اس صورت میں ان کا نفع نہیں ہے اس لئے عذر ضروری تھا۔ ورنہ خیانت تھی۔ اگر کوئی طبیب باوجود اسکے کہ وہ جانتا ہے کہ اس نسخہ سے فائدہ نہ ہوگا لیکن محض فیس لینے کی غرض سے اور نسخہ کی قیمت وصول کرنے کیلئے وہ مریض سے کہے کہ اس نسخہ کو پی لو وہ چوٹٹا ہے وہ خائن ہے اسی طرح وکیل جانتا ہے کہ اس مقدمہ میں جان نہیں لیکن اپنی فیس سیدھی کرنے کیلئے موکل سے کہے کہ ہاں پیروی کرو جیت جاؤ گے تو وہ دھوکہ باز ہے۔ خدا نہ لائے وہ دن کہ میں ایسا کروں چاہے رائے میں اجتہادی غلطی ہو لیکن جب ایک شخص جانتا ہے کہ نفع نہ ہوگا پھر بھی محض اپنے نفس کے خیال سے کہ بڑے نہ بنیں اور بے مروت اور بد اخلاق مشہور نہ ہوں تعلیم کر دینا خیانت ہے۔ اب دیکھئے اس شخص سے جو کہ تعویذ لینے آیا تھا کئی مرتبہ میرے جی میں آیا کہ کہہ دوں نفع نہ ہوگا کیونکہ اس نے پہلے منقبض کر دیا تھا لیکن چونکہ محض تعویذ کا معاملہ تھا اس لئے اس کہنے سے رک گیا۔ لیکن اس تعویذ سے نفع نہ ہوگا (یہ شخص تعویذ مانگنے آیا تھا صرف یہ کہا تھا کہ بیمار ہے تعویذ دے دو۔

جب حضرت نے پانی پڑھ کر دیدیا اور تعویذ لکھنے لگے تب بتایا کہ آسیب ہے، حضرت دیر تک تنبیہ فرماتے رہے کہ جب حال بیان کیا تھا تب ہی کہتے کہ آسیب ہے۔ انتظار کس بات کی تھی۔ لوگوں کو کام لینا بھی نہیں آتا ایسا مرض ہو گیا۔ لوگوں میں ادھوری بات بیان کرتے ہیں۔ موٹی موٹی باتیں ہیں مگر سب بچے ہی ہو گئے۔ جب پانی پڑھ کر دیدیا تب بقیہ حال کہا یہ تو ایسی مثال ہوئی کہ جب حکیم نے نسخہ لکھ کر دیدیا تب بقیہ حال کہا کیا فائدہ تکلیف دینے سے۔ خدا جانے مجھی کو تہذیب کا ہیضہ ہو گیا یا لوگوں ہی میں بد تہذیبی ہو گئی۔

بعض مرتبہ تو خیال ہونے لگتا ہے کہ کہیں اپنی ہی بد رائی نہ ہو لیکن یہ بھی جی کو نہیں لگتی

جی اس کے ماننے پر راضی نہیں ہوتا یہی سمجھ میں آتا ہے کہ میری رائے تو ٹھیک ہے لوگوں ہی کی غلطی ہے کیونکہ موٹی موٹی اور کھلی کھلی باتیں ہیں۔ اب کیا یہ بھی مطالبہ نہ کروں کہ سب حال ایک ساتھ کہہ دیا کرو پہلے تو کہلا بھیجا ہے تعویذ دیدو جب لکھا گیا پھر آسیب کا ذکر کیا۔

پھر فرمایا کہ جس طرح جو صحبت بدون زوجین کے شہوت کے ہو۔ اس سے نسل نہیں چلتی عورت مرد دونوں کو شہوت ہونی چاہیے چنانچہ توافق انزلین شرط ہے حمل قرار پانے کیلئے۔ اسی طرح بے دلی سے تعلیم کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے بلا شہوت صحبت کرنا۔ حرکات متعبہ ہو ہی جائیں گی لیکن نسل نہیں چلے گی۔ خواہ مخواہ بے چاری کو تنگ کیا جاڑے میں نہانے کی تکلیف دی۔

عرض کیا گیا کہ بعض بزرگوں کو شاید انقباض نہ ہوتا ہو فرمایا کہ کیا اسباب انقباض سے بھی انقباض نہ ہوگا۔ اگر یہ بات ہے تو ان کا قصد ہی نہ ہوگا ایصال نفع کا۔ اور میرے نزدیک تو عدم انقباض کی یہی وجہ ہے، جو استاد شفیق ہوتا ہے اور چاہتا ہے کہ شاگرد کی سمجھ میں آجائے وہ نہایت توجہ کے ساتھ تقریر کرتا ہے پھر اگر شاگرد کی طرف سے بے توجہی ہو تو اس کو سخت ناگوار ہوتا ہے اور جس کو شفقت نہیں ہوتی وہ بوجھ سا اتار دیتا ہے چاہے شاگرد سمجھے یا نہ سمجھے میری بدخلقی کا مبنی خوش خلقی ہے چونکہ مجھے توجہ نہایت ہوتی ہے اس لئے انتظار کرتا ہوں کہ دوسرا بھی ایسی ہی توجہ کرے اور جو میں بے اعتنائی کروں تو پھر کوئی وجہ نہ ہو انقباض کی۔ جی یوں چاہتا ہے کہ جتنے شرائط نفع کی ہیں وہ سب جمع کرلوں اسی واسطے انقباض بھی ہوتا ہے رد کھا پن بھی کرتا ہوں جواب بھی لکھ صاف دیتا ہوں اب اس جڑ کو تو دیکھتے نہیں شاخوں کو دیکھ لیا۔

اب تو لوگ ایسے ہی پیروں کو چاہتے ہیں جو کوئی تفتیش نہ کریں بلکہ سارا بوجھ اپنے اوپر لیں۔ خود مرید پر کوئی بوجھ نہ ہو۔ تو جناب ہم تو ایسے کاملین میں سے نہیں۔ یہ کاملین ہی کا کام ہے کہ دل ہی دل سے ٹہلتے جائیں فیوض کو ہم نے تو دیکھا نہیں ایسا کامل کبھی! ممکن ہے ہوتے ہوں ہمیں تو صرف باتیں آتی ہیں۔ اور باتیں ہوتی نہیں جب تک دل نہ کھلا ہو۔ اور دل بغیر مناسبت کے کھلتا نہیں۔ کیا کہوں طبیعت ہے۔ دو خطوں میں اگر دو مختلف مضمون ہوتے ہیں یعنی ایک ہی خط میں مسائل بھی اور حالت باطنی بھی تو نہایت پریشان ہوتا ہوں جیسے ایک جلسہ میں دو باتیں بری معلوم ہوتی ہیں۔ جب ایک جلسہ ختم ہو جائے تب دوسری بات کیلئے دوسرا جلسہ ہو۔ ورنہ گڈمڈ کرنے سے

تکلیف ہوتی ہے قلب کو۔ اب کیا کروں اس کو۔ اور اس صورت میں ایک یہ شبہ ہو جاتا ہے کہ ان دونوں (مضامین) میں سے مقصود سمجھا ہو ایک کو اور جب لکھنے بیٹھے تو کہا کہ لاؤ دوسرا بھی سہی۔ وہم سا ہوتا ہے کہ ان میں سے ایک غیر مقصود ہے تو اس کا جواب گراں معلوم ہوتا ہے اگر کوئی ایسا خط آتا ہے جس میں دونوں مضمون ہوتے ہیں تو چونکہ مسائل فقہیہ ضروری ہوتے ہیں اس لئے صرف مسائل کا جواب لکھ دیتا ہوں کبھی اس کا عکس بھی اگر کوئی مقتضی خاص ہو اور کبھی سینہ پر پتھر رکھ کر دونوں کا جواب لکھ دیتا ہوں مگر تکلیف بہت ہوتی ہے۔

ایک شخص نے اعتراض لکھ کر بھیجا تھا (وجہ تو اعتراض کی دیکھئے) کہ تم ڈاک خانہ والوں کو نفع پہنچاتے ہو کیونکہ علیحدہ علیحدہ پوچھنے میں دو پیسے کے بجائے چار پیسے لگیں گے۔ ایک نے لکھا کہ چونکہ اسراف نفع ہے اسلئے ہم نے ایسا کیا غرض عجیب وغریب حالتیں ہیں مگر خیر جن سے تعلق نہیں ان سے شکایت پیدا نہیں ہوتی جن سے تعلق ہے یا جو تعلق پیدا کرنا چاہتے ہیں ان کی قدم قدم پر روک ٹوک ہے جس سے محبت ہوتی ہے جی چاہا کرتا ہے کہ ہمارے طریقہ پر آجائے۔

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضور کی باتوں پر جس نے عمل کیا اسی کو نفع ہوا۔ فلاں حکیم صاحب نے آپ کی نصیحت پر امراء سے کھنچنا شروع کیا تو کہتے تھے کہ اب وہ لوگ خود بخود سیدھے ہو گئے اور حضور کے بڑے مداح تھے کہ جو باتیں ہیں نہایت تجربہ کی ہیں۔

یہ سن کر حضرت نے فرمایا کہ جی حضرت کوئی پہلے ہی سے دوا کو تھوک دے حلق کے اندر نہ لے جائے تو اس کو حقیقت حال کیا معلوم ہو سکتا ہے برت کر دیکھئے تب پتہ چلے کہ اس کا کیا اثر ہے۔ پھر فرمایا کہ مجھے تجربے بھی ہیں لیکن زیادہ حصہ حق تعالیٰ کی تفہیم کا ہے اب اس کو میں کیسے غلط سمجھ جاؤں۔ ہاں کچھ تجربے بھی ہیں۔ میں ہر ہر واقعہ میں غور کرتا ہوں کہ اس کا کیا اثر ہوا اور اس کا کیا اثر ہوا۔

ایک صاحب نے میرے ایک عزیز سے اعتراض کیا کہ یہ بڑی صفائی صفائی بگھارا کرتا ہے اور بہت استغناء برتتا ہے۔ امراء سے کھنچتا ہے یہ بھی ایک تدبیر ہے کیونکہ اس سے لوگ اور بھی معتقد ہوتے ہیں۔ ہم نے تو یہ جواب دیدیا کہ بھائی یوں ہی سہی اللہ معاف کرے۔ لیکن

ازاں گناہ کہ نفعے رسد بغیر چہ باک

کسی کو ایذاء تو نہیں پہنچتی۔ بوجھ تو نہیں ہوتا لیکن ان عزیز نے ایک اور جواب دیا۔ ہیں بڑے تیز۔ انہوں نے کہا کہ جو مال اور جاہ کا طالب ہوتا ہے وہ اس کی تدبیریں اوروں دل کو نہیں بتلایا کرتا۔ وہ تو منبر پر بیٹھ کر سب کو کہتا ہے کہ اے علماء تم بھی یہی طرز اختیار کرو۔ اگر جاہ و مال کا طالب ہوتا تو ان تدبیروں کو چھپاتا۔ اس طرح علی الاعلان سب کو تعلیم نہ کرتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ مال و جاہ کو طالب نہیں بلکہ محض دین کی باتیں سمجھ کر خود بھی عمل کرتا ہے اور اوروں کو بھی کہتا ہے کہ تم بھی عمل کرو۔ ورنہ کوئی اپنی معاش کی تدبیریں اوروں کو تھوڑا ہی سکھلایا کرتا ہے ایک صاحب نے اس جواب کی بہت تعریف کی فرمایا واقعی بہت ہی معقول جواب دیا لیکن میں نے کہا کہ بھائی تمہارا ذہن تو بڑی دور پہنچا ہمارا تو جواب یہ ہے ۔

خلق میگوید کہ خسرو بت پرستی میکند ۔ آرے آرے میکنم با خلق و عالم کار نیست

غرض ہی کیا ہے کسی سے کوئی کچھ کہا کرے۔

مبارک پور میں ایک شخص مجھے اپنے گھر لے گئے وہاں مٹھائی پھل کپڑے اور دس روپیہ نقد پیش کئے کھانے پینے کی چیزوں میں سے تھوڑا تھوڑا چکھ لیا۔ روپیہ اور کپڑے واپس کر دیئے انہوں نے اصرار کیا میں نے کہا کہ تمہیں تو وسعت ہے ممکن ہے۔ اس جلسہ میں کوئی غریب ہو اس کا بھی جی گھر لے جانے کو چاہے اور وہ دیکھے یہ منظر تو پھر اس کی ہمت نہیں پڑے گی اس درخواست کی کہ گھر چلو۔ کیونکہ اس بیچارے کے پاس اتنا دینے کو کہاں سے آئے۔ اتنی معقول وجہ سن کر بھی انہیں ناگوار ہوا تکبر کی وجہ سے یوں سمجھا کہ سبکی ہوئی جلسہ میں۔ میری بات ہیٹی ہوئی۔ لیکن اس بات کا جواب ہی کیا دے سکتے تھے ناگواری کے ساتھ خاموش ہو گئے بعد کو اوروں سے کہا کہ یہ بھی ترکیب ہے، مگر خدا تعالیٰ نے میرے اس جواب کو وہیں دکھلا دیا کہ اسی جلسہ کے اندر دو تین غریب آدمیوں نے کہا کہ صاحب ہمارے یہاں بھی چلو۔ وہ اسی انتظار میں تھے کہ دیکھیں آنا قیمتی ہے یا غیر قیمتی وہ آنا آنہ کا ہے یا روپیہ کا۔ ان کی درخواست پر گیا۔ سب نے بیچاروں نے لے جا کر صرف شربت پلا دیا دو پیسہ کی شکر میں شربت بنتا ہے یا دو آنہ کا سہی اگر ساتھیوں کو بھی پلا دیا۔ خیر اُن کا جی خوش ہو گیا۔ چنانچہ وہاں (پہلے صاحب کے یہاں) بھی کچھ پی لیا تھا۔ اور اگر کسی کا نقد ہی دینے کو جی چاہتا تھا

تو جہاں میں مقیم تھا وہاں بھی آسکتے تھے۔ یہ کیا بد تمیزی کی بات ہے کہ گھر بلا بلا کر نذرانہ۔ گویا اسی واسطے آنا ہوا تھا۔ یہ تو ذلیل کرنا ہے دوسرے کو۔ تو حضرت ایسے طریقے بدل گئے ہیں۔ رسوم غالب ہو گئیں۔ کوئی پوچھتا نہیں کوئی ٹوکتا نہیں۔

مولانا محمد قاسم صاحب ایک رئیس کی دینداری کے بہت مداح تھے لیکن کبھی ملے نہیں علی گڑھ میں تشریف رکھتے تھے وہ رئیس صاحب ملنے کے لئے آئے جب سنا کہ وہ صاحب آرہے ہیں علی گڑھ چھوڑ کر چلے گئے ملے نہیں۔ مولوتا گنگوہیؒ عمر بھی کسی امیر کے دروازے نہیں گئے۔ عرض کیا گیا کہ وہ رئیس صاحب تو طالب دین ہو کر آرہے تھے پھر بھی حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نے اعراض فرمایا۔

فرمایا کہ ہر بزرگ کی جدا شان ہوتی ہے طبائع مختلف ہوتے ہیں حضرت مولانا کی طبیعت ہی ایسی واقع ہوئی تھی کہ ان کو امراء سے انقباض ہوتا تھا۔ تکبر تو برا۔ امراء کو بھی حقیر کیوں سمجھے لیکن اختلاط بھی کیوں کرے کہیں پھنس ہی جائے تو پھر بد خلقی نہ کرے۔ یہی بنگالی مولوی صاحب جن کا ذکر اس ملفوظ میں ہے دیوبند تشریف لے گئے وہاں سے بعد حصول اجازت پھر حاضر خدمت ہوئے لیکن حضرت کے مواخذوں پر بجائے اعتراف واظہار امر واقعی کے اپنے اقوال کی تاویلیں کرتے رہے۔ جس پر حضرت نے مکاری اور تکبر کے الزامات ان پر قائم کیئے اور بہت منقبض ہوئے حضرت نے یہ معلوم کرنا چاہا کہ اپنے سابق بدعتی پیر کو گمراہ کہنے میں اس قدر آپ کو کیوں تامل ہوا تھا۔ دیوبند سے جو خط بغرض اجازت حاضری بھیجا تھا اس میں بھی صاف الفاظ میں ان کو گمراہ نہ لکھا تھا۔ حضرت نے تحریر فرمادیا کہ یہ الفاظ کافی نہیں چنانچہ دوسرے خط میں انہوں نے صاف الفاظ لکھ کر بھیجے تب اجازت حاضری کی ملی۔ زبانی گفتگو میں اس پس وپیش کی وجہ وہ برابر اپنی کم فہمی ظاہر کرتے رہے لیکن چونکہ یہ اصلی وجہ نہ تھی ان کی کوئی تاویل حضرت کے سامنے نہ چل سکی بہت دیر کی قیل وقال کے بعد انہوں نے اقرار کیا کہ کھلے الفاظ میں گمراہ کہنا شاق گزرتا تھا۔

غرض انہوں نے امور واقعہ کو چھپانے کی بہتیرا کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکے کیونکہ اتقوا فراسة المومن فانه ينظر بنور الله تعالىٰ۔ اولیاء اللہ کو نور باطن سے ادراک ہو جاتا ہے کئی بار انہوں نے بعد مغرب پرچہ دیکر تعلیم حاصل کرنی چاہی لیکن انہیں جھوٹی تاویلوں اور بے جا اخفا کی

بدولت ناراضگی کے ساتھ ہر بار اٹھاد یئے گئے ان کے اظہار امر واقعی کے بعد حضرت نے فرمایا کہ جب تک آپ یہاں رہ کر اپنے اخلاق درست نہ کریں گے محض ذکر شغل سے درستی نہیں ہو سکتی آپ کا ذکر شغل پوچھنا قبل از وقت ہے بدون اول درستی اخلاق کے ذکر شغل کچھ نفع نہیں پہنچا سکتا اس پر انہوں نے کہا کہ میری رخصت قریب الختم ہے میں زیادہ نہیں ٹھہر سکتا۔

حضرت نے فرمایا کہ میں ذکر شغل تعلیم کرنے کیلئے تیار ہوں لیکن بدون اس کے کہ پاس رہ کر اخلاق کی اول درستی کی جائے کوئی معتدبہ فائدہ نہیں حاصل ہو سکتا میں مشورہ دے چکا۔ اب جو رائے ہو اس کو ظاہر کر دیجئے انہوں نے ذکر شغل کی درخواست کی حضرت تعلیم فرمانے لگے لیکن درمیان میں انہوں نے غیر ضروری اعادہ بطور استفسار کیا۔

اس پر حضرت نے ناخوش ہو کر انہیں اٹھادیا اور فرمایا کہ میں نے تو حسب وعدہ تعلیم کرنا چاہا تھا۔ لیکن آپ نے خود ہی بے توجہی کی اب میں اس کو کیا کروں پھر وہ صاحب غالباً چار پانچ روز اور رہ کر واپس چلے گئے۔ حضرت نے رخصت کے وقت فرمایا کہ جو کچھ پوچھنا ہو۔ خط کے ذریعہ سے پوچھئے گا اپنے مقام پر پہنچ کر انہوں نے عریضہ حضرت کی خدمت میں بھیجا جو معہ جواب ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

خط ان بنگالی صاحب کا جو بدعتی سے بیعت تھے اور جن پر بہت سختی کی گئی تھی

مضمون: الحمد للہ والمنۃ حضور کی صحبت کیمیااثر نے بندہ کو منجملہ دوسرے فوائد کے یہ ایک نہایت بڑا فائدہ بخشا ہے کہ قبل ازیں یہ ناچیز اپنے تئیں بڑا مہذب اخلاق سمجھتا تھا۔ اب یقین ہو گیا کہ مجھ سے بڑا کر کوئی گر بڑ ہے ہی نہیں۔ امید از ذات کریم الصفات یہ ہے کہ از روئے مہربانی یہ دعا و توجہ فرمایئے کہ وقت امتحان کے بھی یہی گمان غالب رہے مجھ نفس پرست میں بہت سی خباثتیں موجود ہیں۔ ہائے لوگوں کی ستائش نے اس پر اور بھی اضافہ کر دیا۔

آج منجملہ اس ناچیز کے امراض باطنی کے دو کو پیش کرتا ہوں۔ مترصد کہ اس حکیم امت از روئے لطف و کرم ان کی کوئی صورت دفعیہ ارشاد فرمادیں گے۔ پہلا مرض یہ ہے کہ مجھ کو جاہ و وقعت کی طرف بڑی نظر ہے مگر باوجود اس کے یہ سمجھتا بھی ہوں کہ یہ ایک خیال مذموم ہے دفع کی

بھی کوشش کرتا ہوں مگر امتحان کے وقت اس خیال مذموم ہی کو غالب پاتا ہوں اگر کوئی شخص میری شان میں ایسی کوئی سچ بات کہے کہ اس سے میری جاہ میں بٹہ لگ جائے تو میں اس شخص کو دشمن سا سمجھتا ہوں اکثر اوقات لوگوں سے دوران کلام میں الحاقاً ایسی ایسی باتیں کرتا ہوں کہ مخاطبین جان لیں کہ میں ایک باوقعت آدمی ہوں نعوذ باللہ من ذالک جب مخاطبین مجھے ذی شان سمجھ بیٹھتے ہیں اس وقت مجھے بڑی خوشی معلوم ہوتی ہے گو تھوڑی دیر کے بعد اپنے گفتہ پر پشیمان بھی ہو جاتا ہوں مگر پشیمانی سرور پر غالب نہیں آسکتی کبھی اگر حماقت سے مجھ سے کوئی ایسی بات نکل پڑے کہ اس سے میرے جاہ میں نقص ہو تو فوراً اس میں تاویلات واہیہ و توجیہات باطلہ کر بیٹھتا ہوں۔ چنانچہ حضور کی خدمت میں بھی ایسی خرافات، وتاویلات چلانے کی کوشش کی تھی مگر چونکہ حضور اپنی فراست سے سب کچھ سمجھ گئے اس لئے الٹی مجھ کو پشیمانی و خسران نصیب ہوئی۔ اس میں دو خرابیاں ہوئیں ایک تو حضور کو خواہ مخواہ دق کیا دوسرا اپنے تئیں فیض خاص سے محروم رکھا۔

جواب:

الحمد للہ! آپ نے اس امر کا اعتراف فرمایا جس کا بندہ مدعی تھا۔ اور یہ اعتراف ایک جزء ہے توبہ کاملہ کا اور ایک جزو اس کا ندامت ہے تیسرا معذرت ہے، چوتھا عزم علی الترک ہے پانچواں تدبیر اصلاح ہے اللہ تعالیٰ بقیہ اجزاء کی بھی توفیق دے۔

مضمون: دوسرا مرض نظر بازی کا ہے امرد اور امراۃ دونوں کو کنارہ چشم سے گھور لیتا ہوں اور نفس میں ایک قسم کا حظ بھی پاتا ہوں۔ کبھی کبھی اگر ہمت کر کے آنکھ پھیر لیتا ہوں تو نفس پر بہت شاق ہوتا ہے اور دیر تک ایک تکلیف محسوس کرتا ہوں۔ بارہا استفسار کیا مگر چنداں کامیاب نہیں ہوا۔ ازروئے مہربانی کوئی تدبیر ایسی ارشاد فرمایئے کہ جس پر عمل کرنے سے اس فعل شنیع پر طبعاً نفرت پیدا ہو جائے۔

جواب: بجز ہمت و تحمل مشاق کوئی تدبیر نہیں اور معین اس کی دو چیزیں ہیں استحضار عقوبت اور ذکر کی کثرت۔

مضمون: دوسری عرض یہ ہے کہ جب بندہ حضور والا کی صحبت میں تھا اس وقت آخری را

ت کو ذاکرین کو دیکھتا تھا کہ بعد تہجد کے اکثر اسم ذات کا ذکر کیا کرتے یہ دیکھ کر مجھ میں بھی یہ شوق پیدا ہو گیا اور ذاکرین کی مشابہت کرنے لگا اور اب تک بھی اس پر دوام ہے بعد تہجد کے کم سے کم دو ہزار بار اللہ اللہ بضرب خفیف سر آکر لیتا ہوں اور اثناء ذکر میں جب خطرات کا ہجوم ہوتا ہے تو ذرا جہر بھی کر لیتا ہوں مگر اندیشہ رہتا ہے کہ اگر دوسرے جان لیں گے تو مدح سرائی سے میرا ستیاناس کر دیں گے۔

ذکر تو کرتا ہوں مگر حضور والا سے اجازت نہیں لیا۔ اس لئے اس گستاخی پر ہمیشہ ترساں و ہراساں رہتا ہوں مبادا میرے لئے مضر ہو جائے۔ اب حضور فیض گنجور سے ملتجی ہوں کہ اگر یہ ذکر میرے لئے مفید و مناسب سمجھتے ہیں تو خدا کے واسطے اجازت عطا فرمایئے ورنہ جو حکم ہو بسر و چشم تسلیم کر لوں گا۔ قصد السبیل کے مطالعہ سے بھی اس جرات میں کچھ تائید ملی ہے۔

جواب: کیجئے اجازت ہے اگر حالات سے اطلاع ہوتی رہے گی سلسلہ تعلیم کا جاری رکھوں گا۔

ملفوظ (۵۳۹) مال سے استغناء، ہدیہ اطمینان کی حالت میں پیش کرنا چاہیے، دوسرے کے فائدے کیلئے خود کو نقصان میں ڈالے:

مدرسہ میں کسی نے نوٹ دیئے تھے وقت پر ان کے بھنانے کی ضرورت پڑی بینک نے دستخط کرانے چاہے حافظ جی جن کے پاس رقم تحویل رہتی ہے حضرت سے دستخط کرانے کیلئے آئے حضرت نے فرمایا کہ میں دستخط نہیں کروں گا کبھی کسی قضیہ میں شرکت نہ ہو جائے۔ حافظ صاحب نے عرض کیا کہ بنیا بلا دستخط کے نوٹوں کو نہیں لیتا بلا دستخط کے نوٹ نہیں چلتے۔

فرمایا کہ اگر بلا دستخط نہ چلیں گے تو ہم دینے والے کے پاس بھیج دیں گے کہ یہ نہیں چلتے انہیں اگر بھیجنا ہو گا روپیہ بھیجیں گے ہم کیوں اپنے اوپر تنگی ڈالیں۔ اس دوٹوک بات کو سن کر حافظ جی چلے گئے۔ حضرت نے فرمایا کہ دیکھئے چونکہ روپیہ لینے کی نیت چھوڑ دی ہم جیت گئے وہ ہارے ورنہ ہم ہارتے۔

ایک صاحب ہدیہ تنگ وقت پر دینے آئے جبکہ عصر کی جماعت قریب تھی۔ میں نے واپس کر دیا کہ میں ایسے تنگ وقت میں نہیں لیتا اطمینان کی حالت میں ہدیہ پیش کرنا چاہیے اسی میں

ایک مسئلہ پوچھا گیا کہ اگر باوجود واقعات جاننے کے شہادت نہ دے محض اس خیال سے کہ کچہری میں وکلاء وغیرہ تنگ کرتے ہیں جائز ہے یا نہیں۔ فرمایا کہ اپنے آپ کو ضرر سے بچانا جائز ہے۔ عرض کیا گیا کہ چاہے دوسرے کا بھلا ہوتا ہو فرمایا کہ ہمارا جو برا ہوتا ہے۔ دوسرے کے نفع کے لئے اپنے آپ کو مضرت میں ڈالنے کا آدمی مکلف نہیں۔

پھر اسی سلسلہ میں کسی بات پر فرمایا کہ خواہ مخواہ کے اعتراض کا تو کوئی جواب نہیں سمجھنا چاہے اس کو تو سمجھا سکتے ہیں اور جس کو محض اعتراض ہی مقصود ہو اس کو کہہ دینا چاہیے کہ جاؤ تم یوں ہی سمجھو۔

ملفوظ (۵۴۰) جس مسئلہ کا جواب لکھ دیا گیا ہو اگر وہی فتویٰ دوبارہ پوچھا جائے تو اس کے بارے میں ضابطہ

فرمایا کہ یہاں یہ بھی قاعدہ ہے کہ جس مسئلہ کا ایک مرتبہ یہاں سے جواب جا چکا ہو اور وہ دوبارہ پوچھا جائے اور یہ بات یاد آجائے تو دوبارہ اس کا جواب نہیں لکھتے۔ لکھ دیتے ہیں کہ اس استفساء کا جواب یہاں سے ایک مرتبہ جا چکا ہے اگر دوبارہ لکھوانا ہو تو اس کو واپس بھیج دیا جائے ہم اس کو اپنے ہاتھ سے پہلے پھاڑ کر پھر دوبارہ جواب بھیج دیں گے ورنہ کسی اور جگہ سے منگوالیا جائے۔ پھر فرمایا کہ صاحب مولویوں کو گالیاں پڑتی ہیں کہ ایک کو کچھ لکھ دیا اور ایک کو کچھ۔ اس لئے یہ قاعدہ مقرر کیا گیا۔

ملفوظ (۵۴۱) کام میں جب تک عملی تقاضا نہ ہو تساہل ہو جاتا ہے۔ ناغہ کی بے برکتی:

مولوی شبیر علی صاحب نے جو کہ مثنوی شریف کے روزمرہ کے سبق کو ساتھ ساتھ لکھتے جاتے ہیں بوجہ گرمی اور ضعف دماغ کے چاہا کہ فی الحال صرف نوٹ لکھ لیا کریں بعد کو شرح لکھ لی جائے گی۔ حضرت نے فرمایا کہ سہولت اور مصلحت دیکھ لو۔ کام میں جب تک عملی تقاضا نہ ہو تساہل ہو جاتا ہے۔ اب تو یہ ہے کہ روز کا سبق روز پورا کرنا پڑتا ہے۔ اگر یہ التزام چھوڑ دیا جائیگا تو پھر عملی تقاضا نہ رہے گا بعد کو پورا کرنا دشوار ہو گا۔ باقی اگر مجبوری ہو تو مجھے تکلیف دینا تھوڑا ہی ہے

ایک بار یہ بھی فرمایا کہ آج کل کے نوجوان کی ہمتیں ہی پست ہیں ورنہ اگر ہمت کریں تو حق تعالیٰ پھر خود مدد فرماتے ہیں۔ الحمد للہ! مجھے کوئی کام دشوار نہیں معلوم ہوتا ہمت کر کے لے بیٹھتا ہوں تو حق تعالیٰ پورا فرما ہی دیتے ہیں۔ انضباط اوقات میں بڑی برکت ہوتی ہے۔ کوئی کام مشکل نہیں رہتا۔

ایک بار فرمایا ناغہ میں بڑی بے برکتی ہو جاتی ہے چاہے تھوڑا سا ہی ہو۔ لیکن کسی روز ناغہ نہ کرے۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کے والد ماجد مولانا مملوک علی صاحبؒ بعض روز جس روز کام ہوتا ایک دو سطر ہی پڑھاتے تھے لیکن فرماتے تھے کہ ناغہ نہیں ہونا چاہیے۔ میں بھی جب کوئی مضمون یا کتاب لکھتا ہوں تو ناغہ نہیں کرتا۔ بعض روز بالکل فرصت نہ ملی تو برکت کیلئے صرف ایک ہی سطر لکھ لی اس سے تعلق قائم رہتا ہے ورنہ اگر ناغہ ہو جائے تو پھر بے تعلقی ہو کر مشکل سے دوبارہ نوبت آتی ہے۔

یہ بھی فرمایا کہ کسی کتاب یا تصنیف کے ختم کے قریب مجھ کو بہت تقاضا ہوتا ہے چنانچہ مثنوی شریف کے حصہ ششم کے اخیر ربع کی شرح کو صرف دس دن میں ختم کر دیا۔ حالانکہ اوسط ہر ربع کا ایک مہینہ تھا۔ جس دن ختم کیا ہے اس دن تمام شب برابر لکھتا رہا۔ اور پھر ظہر کی اذان تک لکھا یہاں تک کہ ختم ہی کر کے اٹھا۔ یہی حال درس میں ہے کہ اخیر میں بہت زیادہ زیادہ پڑھاتا ہوں جب کہ طالب علم متحمل ہو۔

ملفوظ (۵۴۲) تکوینی مصلحت کے احتمال پر تشریع کو نہ چھوڑا جائے

فرمایا کہ شاہ ولایت کے عرس میں ہر سال صوفیوں کے لئے والد صاحب دیگ بھیجا کرتے تھے بعد انتقال والد صاحب کے بعض صوفیوں نے پیشین گوئی کی تھی کہ یہ شخص بند کر دیگا چنانچہ پیشین گوئی صحیح نکلی (ہنس کر فرمایا) بڑے صاحب کشف تھے والد صاحب کی وفات کے ایک سال بعد جب میں یہاں آیا تو میں نے موقوف کیا یہ کیا واہیات ہے۔ جس زمانہ میں میں نے موقوف کرنا تجویز کیا ایک شب کو میں نے خواب دیکھا کہ بہت سی قبریں پختہ بنی ہوئی ہیں جیسے عرسوں کی جگہ ہوتی ہے پھر یہ شعر سنائی دیا۔

در کارخانہ عشق از کفر ناگزیر ست　　آتش کرا بسوزد گر بولہب نباشد

میں نے سوچا کہ ایسی باتوں کے بھی بہت پیچھے نہ پڑنا چاہیے ان امور میں تکوینی مصالح ہوتے ہیں البتہ تبلیغ احکام ضروری ہے پھر فرمایا کہ اس وقت تو یہی ذہن میں آیا تھا لیکن مصلحت شرعیہ اسی کی مقتضی ہوئی کہ موقوف کر دیا جائے تکوینی مصلحت کے احتمال پر تشریع کو نہ چھوڑا جائے گا جو مصلحت ہونے والی ہوگی آپ ہو رہے گی۔

ملفوظ (۵۴۳) حالت قبض میں عبدیت کا انحصار ہے

فرمایا کہ قبض میں عبدیت اور افتقار ظاہر ہو جاتا ہے اور بھی بہت سی مصلحتیں ہیں۔

ملفوظ (۵۴۴) حالت بسط کا اثر، حالت بسط کا دائم تحمل نہیں ہو سکتا

فرمایا کہ طبعی بات ہے بسط جب غالب ہوتا ہے تو بولتا بھی بہت ہے جوش وخروش بھی بہت ہوتا ہے قبض شدید کے بعد جب بسط ہوتا ہے تو بہت علوم اپنے اندر مجتمع پاتا ہے اس وقت بہت کشادگی ہوتی ہے یہ بھی فرمایا کہ اگر بسط دائم رہتا تو تحمل نہ ہو سکتا انسان سے۔

ملفوظ (۵۴۵) ایک بدعتی کے تحریری سوالات کا بہت عمدہ جواب

فرمایا کہ ایک بدعتی کا استدلال ہے کہ سالار بخش مدار بخش نام رکھنا جائز ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے جبریل بخش اس آیت میں فرمایا ہے **لاهب لك غلاما زكيا** حضرت نے فرمایا کہ وہاں سببیت تھی حضرت جبریل علیہ السلام کی طرف سے یہاں کون سی سببیت دھری تھی۔ جبریل علیہ السلام نے تو پھونک ماری تھی۔ سالار یا مدار نے کون سی پھونک ماری تھی تمہارے پیٹ میں۔

ملفوظ (۵۴۶) ایک بدعتی کے تحریری سوالات کا بہت عمدہ جواب

فرمایا کہ ایک بدعتی نے مجھ سے کچھ تحریری سوالات کئے۔ میں نے کہا کہ اگر آپ کو تحقیق منظور ہے تو کتابیں موجود ہیں۔ اور اگر معاوضہ منظور ہے تو فن فساد سے ہم ناواقف ہیں دوسرے دن ہی اشتہار چھپا کہ جہل کا اقرار کر لیا۔ اس پر ایک مولوی صاحب نے حضرت سے عرض کیا کہ بعضا جہل بھی تو علم ہے۔ حضرت نے فرمایا لیکن انہیں کے لئے جن میں جہل نہ ہو۔ پھر فرمایا کہ اگر جہل کا اقرار ہے کہ اس سے بڑھ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اقرار کیا ہے **كفرنا**

بکم الایۃ (سورۃ ممتحنہ میں) ہم ابرائیمی المشرب ہیں۔ ہمارے حضرت رسول مقبول ﷺ بھی ابرائیمی المشرب تھے حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ملة ابیکم ابراھیم اور اگر کہا جائے کہ کفرنا بکم صلہ ہے تو ہم کہتے ہیں ایسے ہی یہاں بھی صلہ موجود ہے یعنی فن فساد سے۔

ملفوظ (۵۴۷) مغلوبیت کے ساتھ سلف میں عشق نہ تھا

فرمایا کہ مغلوبیت کے ساتھ عشق واقعی سلف میں تھا ہی نہیں۔ سلف کی حالت استعداد اور رنگ طبیعت کا جو تھا اس کے اعتبار سے نہ ہونا ہی مصلحت تھا۔ اور اس زمانہ میں جو رنگ ہے اس کے اعتبار سے ہونا مصلحت ہے۔ اگر نہ ہوتا تو اصلاح ہونا دشوار تھی۔

ملفوظ (۵۴۸) جوش وخروش کے بعد سکون ہو جانا اکمل حالت ہے۔ بے پروائی اور خود رائی پر گرفت

ایک ذاکر صاحب سے فرمایا کہ بڑی بات اصلاح ہے۔ اصلاح کے طریقوں اور اعمال صلاحیت سے مناسبت ہو جائے یہ بڑی بات ہے۔ دعاء کی درخواست پر فرمایا کہ میرا کام دعا ہی کرنا ہے جب میں کام میں لگا دیکھتا ہوں خود بخود دل سے دعا نکلتی ہے۔ ذاکر صاحب نے عرض کیا کہ جب میں حضور کی خدمت میں حاضر ہونے کیلئے روانہ ہوا تو عجب جوش وخروش تھا بے اختیار گریہ طاری تھا۔ ارادہ تھا کہ پہنچتے ہی حضور کے ہاتھ چوموں گا۔ اظہار عشق کروں گا لیکن خانقاہ میں قدم رکھتے ہی وہ کیفیت فرو ہو گئی اور ایک سکون سا ہو گیا۔ یہاں تک کہ قبل ملنے کے میں نے ہاتھ منہ اطمینان کے ساتھ دھوئے پھر حضور سے ملا۔ حضرت نے فرمایا کہ اوفق بالسنۃ یہی دوسری حالت ہے اور یہی کامل ہے کیونکہ بڑی دولت ہے اتباع سنت۔ وہ پہلی حالت بھی ایک کیفیت محبت کی ہے اور محمود ہے لیکن یہ اس سے اکمل ہے۔

اسی کے مناسب ایک بار احقر سے فرمایا تھا۔ احقر نے عرض کیا کہ جو حضور کی محبت کا جوش وخروش پیشتر تھا وہ اب نہیں رہا۔ فرمایا کہ طبیعت غالب تھی اب عقلیت غالب ہے موجودہ حال اکمل ہے پھر انہیں ذاکر صاحب نے بیعت کی درخواست کی۔ یہ صاحب بذریعہ خط وکتابت کچھ عرصہ تک تعلیم حاصل کرتے رہے تھے۔ بعد کو حاضر ہو کر چند روز قیام واطلاع حالت

کے بعد یہ درخواست کی۔ حضرت نے فرمایابات یہ ہے کہ مناسبت کاانتظار ہوتا ہے۔ مناسبت کے بعد پھر مجھے عذر نہیں ہوتا۔ جو کچھ روکھاپن اور خشکی ہے اسی وقت تک ہے۔

بات یہ ہے میں یہ دیکھتا ہوں کہ مناسبت ہوگی یا نہیں اس لئے جو جو شبہ ہوتا ہے اس سے پوچھتا ہوں اس کو لوگ خشونت سمجھتے ہیں۔ ہر شخص کا جیسابرتاؤ ویسا اس کے ساتھ معاملہ اگر مجھے خلل دماغ ہے سب کے ساتھ کیوں نہیں۔ بعضوں کا خیال ہے کہ مجھ کو بیس دماغ ہے لیکن یہ کیا وجہ کہ بعض کے ساتھ بیس ہے اور بعض کے ساتھ ترکی۔

بات یوں ہے کہ واللہ غلطیوں پر تغیر نہیں ہوتا۔ مگر کیا ہے جس پر تغیر ہوتا ہے ایک بے پروائی پر ایک خودرائی پر۔ باقی غلطی کس سے نہیں ہوتی۔ گناہ تک ہوتے ہیں۔ کیا مجھ سے نہیں ہوتے۔ ہزاروں گناہ سینکڑوں غلطیاں۔ میں کوئی بچہ نہیں جو ہر غلطی پر گرفت کروں۔ ہاں جن سے بچ سکتا ہے اور پھر محض بے پروائی کی وجہ سے نہیں بچا ان پر تغیر ہوتا ہے۔

پھر انہیں مولوی صاحب کا حوالہ دے کر جن کا ذکر ملفوظ نمبر(۵۳۵) میں ہے فرمایا کہ جب منقاد ہوکر آئے پھر تامل کیا اور جب مخلص بن کر آئے پھر چالاکی کے کیا معنی اس اجتماع النقیضین سے پریشانی ہوتی ہے دعویٰ کچھ قال حال کچھ۔ لم تقولون مالا تفعلون۔ لیجئے اسی حرکت پر خدا کو بھی غصہ آتا ہے۔ پھر ان ذاکر صاحب نے کوئی اور حال بیان کیا تو فرمایا بندہ جب کام میں لگتا ہے خدا خود مدد فرماتا ہے۔ تعلیم کنندہ تو محض بہانہ ہے اصل میں مبدأ فیاض ہی سے فیوض برکات نازل ہوتی ہیں۔ شیخ برائے نام واسطہ ہوتا ہے لیکن طالب کو چاہیے کہ واسطہ کی قدر کرے کیونکہ خدا کی عادت ہے کہ بدوں واسطہ کے وہ فیوض وبرکات نازل نہیں فرماتے اللہ تعالیٰ زیادہ ترترقی نصیب فرمادے۔ پھر بیعت کی درخواست پر فرمایا کہ مجھے عذر نہیں میں بیعت کرلوں گا۔ ہفتہ کے روز پرچہ دیدیجئے گا۔ اس میں یہ الفاظ لکھ دیجئے گا "وعدہ بیعت" کیونکہ مجھے یاد نہیں رہتا۔ بہت کام رہتے ہیں۔

ملفوظ (۵۴۹) بے غرض محبت طالب کی شان ہے۔ کوئی حال نہ ہونا بھی ایک حال ہے۔ طلب بمنزلہ اصول ہی کے ہے۔ قلب خالی معلوم

ہو تو زیادہ کاوش کا انجام اچھا نہیں۔ قبض بسط سے بھی ارفع ہے۔ اگر ہمیشہ بسط رہے تو بہت سی باطنی خرابیاں پیدا ہو جائیں۔ سالک کو قلب بالکل خالی نہیں ہوتا۔ منجانب اللہ درود :

ایک ذاکر صاحب عرض حال کے لئے بعد مغرب حاضر ہوئے۔ از خود حضرت نے فرمانا شروع کیا کہ میں شرمندہ ہوں کہ آپ ہمیشہ محبت سے آتے مگر مجھے آپ کی طرف خاص طور پر متوجہ ہونے اور بات چیت کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔ کیونکہ کاموں کی کثرت کی وجہ سے فرصت ہی نہیں ملتی یہ آپ کی محبت ہے کہ آپ بدوں اس کے کہ میں متوجہ ہوں یاد کر کے آجاتے ہیں۔ اس سے مجھے آپ کے ساتھ انس اور الفت بڑھتی جاتی ہے۔ بے غرض محبت جو طالب کی شان ہے وہ حق تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی ہے ان شاءاللہ اس کی برکتیں آپ کو عطا ہونگی محبت جو محض حق تعالیٰ کے لئے ہو کوئی دنیوی غرض یا نفس کا حظ نہ ہو آپ کی محبت کی یہ شان اللہ نے کی ہے۔ ان صاحب نے عجز کی کلمات کہہ کر عرض کیا کہ اطلاع کے قابل کوئی حال نہیں۔

فرمایا کہ خواہ کوئی حال ہو یا نہ ہو اطلاع ہونی چاہیے کوئی حال نہیں یہ بھی ایک حال ہے ان صاحب نے عرض کیا کہ کبھی استغراق ہے کبھی غفلت کبھی ذکر زبان اور قلب دونوں کے ساتھ جاری رہتا ہے کبھی محض قلب سے اور کبھی محض زبان سے غرض کبھی کوئی حالت ہے کبھی کوئی۔ کوئی مستقل حالت نہیں پیدا ہوتی۔ فرمایا کہ سب علامتیں ہیں کہ رستہ طے ہو رہا ہے ان کا پیش آنا علامت اسکی ہے کہ رستہ طے ہو رہا ہے اور روز بروز مقصود سے قرب ہوتا جاتا ہے۔ ابتداء میں بلکہ توسط تک کی حالت میں تلوین ہی رہتی ہے استقلال تو مدتوں کے بعد ہوتا ہے کمال رسوخ نسبت کے بعد البتہ ثبات ہوتا ہے حالت کا۔ نہ اس حالت کا انتظار رکھیئے نہ اس تلوین سے دل گیر ہو جائیے۔ اپنے کام میں لگے رہئے۔ قدم اٹھا کر چلنا شروع کر دے پھر چاہے ایک ہی بالشت روز چلے بعد روز بروز کم ہی ہوتا جائے گا۔ بلکہ رستہ میں رہ جانا یہ بھی پہنچ جانا ہی ہے۔

چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص طلب علم میں مر جاتا ہے اس کا حشر علماء و شہداء ہی میں ہوتا ہے یعنی وہ انہی میں شمار ہوتا ہے تو طلب بمنزلہ وصول ہی کے ہے کیونکہ بندہ

کا کام اتنا ہی تھا۔ ذاکر صاحب نے عرض کیا کہ بعض اوقات قلب بالکل خالی معلوم ہوتا ہے بہت کوشش کرتا ہوں لیکن کچھ نہیں ہوتا۔ فرمایا کہ کوشش نہ کیجئے یہ غلطی ہے یعنی کوشش میں مبالغہ نہیں چاہیے۔ سرسری توجہ رکھنی چاہیے۔ ورنہ زیادہ کاوش کا انجام اچھا نہیں۔ طبیعت پر تعب ڈالنے سے پریشانی بڑھتی ہے اور کبھی کبھی مایوسی تک نوبت پہنچتی ہے کیونکہ ایسے امور اختیار میں نہیں اور جو امور اختیار میں نہ ہوں ان کے پیچھے پڑنے کا انجام اخیر میں تعطل ہوتا ہے کیونکہ اگر بالفرض کامیابی نہ ہوئی تو شیطان راہ مارتا ہے۔ اغوا کرتا ہے کہ اتنا سر مارتے ہیں۔ پھر بھی کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ پھر کیا فائدہ بے کار محنت کرنے سے لہذا زیادہ کوشش نہیں چاہیے۔

سخت میگردد جہاں برمردمان سخت کوش

سو واقعی یہ بات ہے۔ یہ سلوک ہی کے متعلق فرمایا ہے سرسری توجہ اور سعی سے کام کرنا چاہیے۔ اگر کوئی کیفیت نہ ہو کچھ پرواہ نہ کرے۔ یہ خالی رہ جانا قبض کہلاتا ہے۔ قبض بسط سے بھی ارفع ہے اس واسطے کہ اپنی حقیقت قبض ہی میں معلوم ہوتی ہے اگر بسط دائم رہے تو بہت سے اخلاق رذیلہ پیدا ہو جائیں چنانچہ حق تعالیٰ نے رزق ظاہری کی بابت فرمایا ہے کہ **ولو بسط الله الرزق لعباده لبغوا فی الارض** ۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ رزق کو فراخ فرما دیتے اپنے بندوں کے لئے تو وہ شرارت کرتے سو احوال کے رزق باطنی میں بھی یہی ہوتا ہے۔ اگر احوال دائم رہیں تو بہت سی باطنی خرابیاں پیدا ہو جائیں یعنی طغیان بڑائی عجب وغیرہ پس قبض میں بھی صدہا مصلحتیں ہیں۔ یہ پھر علاج ہے بہت سی برائیوں کا۔ اور جو قلب خالی معلوم ہوتا ہے تو واقع میں خالی نہیں ہوتا۔ بلکہ بھرا ہوا ہوتا ہے لیکن جو چیز اس میں بھری ہوتی ہے وہ ایسی ہے کہ بظاہر نظر محسوس نہیں ہوتی بسط کی حالت تو ایسی ہے جیسے بوتل میں پانی بھرا ہوا ہو کہ وہ نظر بھی آتا ہے ہلانے سے چھلکتا بھی ہے بوتل بھی وزنی معلوم ہوتی ہے اور پانی گرا کر ڈاٹ لگا دی جائے تو بوتل خالی نظر آتی ہے حالانکہ وہ خالی نہیں ہے بلکہ اس کے اندر ہوا ہے اور ممکن ہے کہ اس وقت کے اعتبار سے ہوا ہی کا ہونا مصلحت ہو۔ پانی تو نظر آتا تھا ہوا نظر نہیں آتی۔ حالانکہ ہوا بھی بعض اوقات ضروری ہوتی ہے۔

چنانچہ مشک میں کبھی پانی بھرتے ہیں کبھی پھونک مار کر ہوا بھرتے ہیں اور اس کے ذریعے تیرتے ہیں اس وقت ہوا ہی کا بھرنا ضروری ہوتا ہے اس وقت اس میں اگر کوئی سوئی چبھو دی

تو اس کے ڈوبنے کا مقدمہ ہے۔ اور یہ جاننا مربی حقیقی کا کام ہے کہ کس وقت ہوا بھرنا مفید پڑے گا اور کس وقت پانی بھرنا۔

بہر حال مربی کا شکر کرنا چاہیے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ ہم خالی ہیں۔ کام میں لگا رہے اور حالت سے اطلاع دیتا رہے ان شاء اللہ کامیابی یقینی ہے۔ اس راہ میں ہرگز ہرگز حرمان نہیں ہوتا۔ پھر احقر سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ مشک کی مثال عجب ہے اس سے پہلے کبھی ذہن میں نہیں آئی تھی الحمد للہ یہ علوم ہیں جو منجانب اللہ وارد ہوتے ہیں۔ آپ کو قلم بند کرنے کا بہت ثواب ہوگا یہ کسی کو نہیں سوجھی تھی۔ ان شاء اللہ یہ مضامین لوگوں کو بہت منافع ہوں گے۔

ملفوظ (۵۵۰) رعائیت مصالح

حضرت نے متعدد مصالح کی بناء پر یہ قاعدہ مقرر فرمادیا ہے کہ دوپہر کے وقت اور مدرسہ کے اوقات کے علاوہ چھٹی کے وقت میں کوئی باہر کا طالب علم مدرسہ میں نہ آنے اور نہ رہنے پائے اور جو خانقاہ میں ہی رہتے ہوں وہ دوپہر کے وقت جو کہ آرام کا ہوتا ہے نہ آپس میں زور زور سے باتیں کریں نہ کتاب وغیرہ پڑھیں۔ اس قاعدہ کے خلاف کرنے پر متعدد مرتبہ سخت تنبیہ فرما چکے ہیں۔

۲۲ رجب المرجب ۳۴ھ

ملفوظ (۵۵۱) فنائیت کا شکر

فرمایا کہ فنا میں جو سکر اور استغراق ہوتا ہے وہ انسان کے ساتھ خاص ہے ملائکہ میں نہیں ہوتا۔

ملفوظ (۵۵۲) واصل ہو کر کوئی مردہ نہیں ہوتا

فرمایا کہ یہ مسئلہ تصوف کا ہے کہ الفانی لایرد یعنی فانی لوٹتا نہیں اول وقت کی طرف۔ ہمارے مولانا محمد یعقوب صاحب فرماتے تھے کہ شیطان واصل ہو کر راجع نہیں ہوا۔ وہ واصل ہی نہ ہوا تھا۔ ورنہ واصل مرتد نہیں ہوتا۔

حدیث شریف میں ہے کذلك الایمان اذا خالط بشاشته القلوب پس شیطان واصل ہی نہیں تھا۔ اس وقت بھی اس میں استکبار کی شان تھی جو کفر کا شعبہ ہے چنانچہ حق تعالیٰ

کاارشاد ہے کان من الکفرین

ملفوظ (۵۵۳) پری کے معنی کی تحقیق

فرمایا پری مطلق پروانے کو کہتے ہیں یہ لفظ ہم معنی اولی اجنحۃ کا ہے۔ یہ نہیں کہ صرف مونث کو کہتے ہیں جیسا کہ مشہور ہے۔

ملفوظ (۵۵۴) روح کے بارے میں صوفیہ کی عجیب تحقیق

استفسار پر فرمایا کہ روح کے متعلق جو من امر ربی ارشاد ہے اس میں من علت کا ہے تبعیضیہ نہیں یعنی روح امر رب کی وجہ سے ہے مطلب یہ کہ روح ایسی چیز ہے جو امر رب سے ہوئی ہے پھر فرمایا کہ محققین کے نزدیک روح عالم مادہ میں سے نہیں بلکہ عالم مجردات میں سے ہے۔ پس چونکہ عنصری نہیں ہے اس لئے اس سے زیادہ سمجھ میں نہ آتا کہ خدا کے حکم سے پیدا کی ہوئی ہے۔ یہ توروح حقیقی ہے۔ ایک روح مادی ہوتی ہے اس میں دو صورتیں ہیں۔ ایک روح طبّی ہے جو بخارات سے بنتی ہے یہ مرنے کے وقت فنا ہو جاتی ہے اور ایک اس کے علاوہ اور روح ہے جس کو حدیث میں نسمہ کہا ہے۔ اس کی ایسی شکل ہے جیسی بدن انسان کی۔ ہاتھ پیر ناک آنکھ سب اعضاء ایسے ہی ہوتے ہیں۔ اس کی ہیئت منطبق ہے اس پیکر پر اور جسم لطیف ہے وہ عرض نہیں۔ وہ مرنے کے بعد باقی رہتی ہے اور روح حقیقی انسان کے اندر داخل نہیں ہوتی بلکہ اس کو جسم سے ایک قسم کا تعلق ہے۔ جیسے بادشاہ کو تعلق تمام رعایا سے ہوتا ہے۔

یہ صوفیہ کی تحقیق ایسی ہے کہ اس کے بعد تمام قرآن حدیث اس پر منطبق ہو جاتے ہیں۔ الفتوح میں اسکی تفصیل ہے۔ الفتوح کو میں نے عشرہ رمضان میں لکھا تھا۔ لوگ کہتے ہیں کہ عبارت سمجھ میں نہیں آتی لیکن جب مضمون ہی دقیق ہو تو کیا کیا جائے۔ عبارت تو سمجھ میں آتی ہے لیکن سمجھ ہی عبارت کی طرف نہیں آتی عرض کیا گیا کہ الفتوح میں قل الروح من امر ربی کی یہ تفسیر نہیں ہے۔ جو حضور نے اس وقت فرمائی فرمایا کہ وہ تفسیر تھوڑا ہی تھی۔ اب آپ لکھ لیجئے ناظرین دونوں کو جمع کر لیں گے۔ جیسے ایک جگہ انگرکھا ایک جگہ پاجامہ۔ دونوں کو لیکر پہن لیں گے۔ جیسے کسی عورت نے دوسری عورت سے پوچھا کہ بہن فوج کیا ہے اس نے کہا کہ میرا میاں تیرا میاں یہی فوج ہے اور فوج کہاں سے آئی تھی۔

استفسار پر فرمایا کہ جانوروں کی روح بمعنی نسمہ میں شبہ ہے روح طبعی تو ہے ہی حدیث میں ہے کہ جانور محشور بھی ہوں گے اب یا تو حق تعالیٰ روح طبعی ہی کو ان میں پھر پیدا فرمادیں گے یا نسمہ بھی ان میں ہو تا ہو دونوں احتمال ہیں البتہ روح مجرد ان میں نہیں ہوتی۔

ملفوظ (۵۵۵) افلاطون کے بارے میں ارشاد

فرمایا کہ افلاطون اشراقی تھا پہاڑ پر رہتا تھا۔ عبادت میں مشغول رہتا تھا۔ بعض صوفیہ نے اسکو اچھی حالت میں دیکھا ہے حضرت جبلی فرماتے ہیں افلاطون الذی یعدہ اھل الظاہر کافر یعنی وہی افلاطون جس کو اہل ظاہر کافر کہتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ میں نے کہیں دیکھا ہے کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معاصرہ تھا حضرت سے ملا بھی ہے۔

ملفوظ (۵۵۶) محقق صوفیہ کے سامنے فلاسفہ کی کوئی حیثیت نہیں

درس مثنوی میں کسی مضمون کی تعریف میں فرمایا کہ واقعی محقق صوفیہ کے سامنے نہ فلاسفہ کوئی حقیقت رکھتے ہیں نہ کوئی اور۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کو تمام اشیاء کے حقائق منکشف رہتے ہیں۔

ملفوظ (۵۵۷) کلام سے صاحب کلام کا حال

مثنوی شریف کے ایک مضمون کے متعلق بہ حقیقت دنیا پر فرمایا کہ اور شاعروں نے اس سے بھی زیادہ باتیں کہی ہیں لیکن ان میں کیوں اثر نہیں۔ مولانا کے بیان کے بعد تو دنیا کی حقیقت کچھ نہیں معلوم ہوتی۔ حضرت مولانا پر تو حال طاری ہے۔ اور شاعروں کے کلام میں یہ اثر کہاں۔ اسی طرح حضرت عارف شیرازی کو لوگ کہتے ہیں کہ شرابی کبابی تھے۔ میں کہتا ہوں کہ ان کے بزرگ ہونے کی یہی دلیل ہے کہ اور شاعروں کے کلام میں یہ اثر کیوں نہیں جو ان کے کلام میں ہے ان کے اشعار دل کیوں لئے لیتے ہیں ان کے پڑھنے سے دنیا سے دل سرد کیوں ہو جاتا ہے یوں شرابی تو بہت سے گذرے ہیں ان کے کلام میں کیوں اثر نہیں۔

ایک بار فرمایا کہ تصوف کے مضامین حضرت حافظ کے کلام پر تو نہایت آسانی کے ساتھ منطبق ہو جاتے ہیں اور کسی کے کلام پر کیوں نہیں ہوتے جو محض شاعر ہیں۔ یہی دلیل ہے اس بات

کی کہ ان کو شراب و کباب مقصود نہیں۔ بلکہ یہ خاص اصطلاحیں ہیں۔ نیز ان کے بزرگ ہونے پر بڑے بڑے بزرگوں کا اتفاق ہوتا چلا آرہا ہے لہٰذا اگر معتقد نہ ہو تو برا ہر گز نہ سمجھنا چاہیے۔

ملفوظ (۵۵۸) حساب کتاب میں بڑے متیقظ کی ضرورت ہے

مدرسہ کے مکان کے کرایہ کی بابت ایک صاحب نے جن کے پاس حساب کتاب رہتا ہے ایک خان صاحب کے ذمہ کسی ماہ کا کرایہ نکال کر حضرت سے اطلاع کی حالانکہ کرایہ بے باق تھا۔ حضرت نے خان صاحب کو لکھا کہ فلاں صاحب کہتے ہیں کہ کرایہ باقی ہے ان خان صاحب نے حضرت کی پچھلی تحریریں بھیج کر لکھا کہ کرایہ بیباق ہے اور اگر میری غلطی ہو تو معاف فرمایا جائے حضرت نے تحویلدار صاحب سے تحقیق کیا تو واقعی انہی کی غلطی تھی۔

حضرت کو بہت افسوس ہوا کہ خواہ مخواہ مجھے شرمندگی ہوئی لیکن خدا کا شکر ہے کہ میں نے تحویلدار صاحب کی روایت ہی نقل کی تھی اپنی طرف سے نہیں لکھا تھا۔ احتیاط اسی میں ہے کہ روایت کو اپنی طرف سے نہ لکھے بلکہ ان کو روایت ہی کے طور پر لکھے۔

تحویلدار صاحب کو ہدایت فرمائی کہ بلا تحقیق بات نہ کہنا چاہیے کیونکہ پھر اس کے آثار دور تک پہنچتے ہیں۔ خواہ مخواہ ان کو بھی پریشانی ہوئی۔ اور مجھے بھی شرمندگی ہوئی کہنے والے کو تحقیق کرنا آسان ہے۔ میں کہاں تک یاد رکھ سکتا ہوں۔ گذشتہ بات چاہے ذرا سی ہو اس کا یاد کرنا مجھے نہایت دشوار معلوم ہوتا ہے۔ کیوں کہ میں تو اس کو اپنے ذہن میں مکمل کر کے اس سے فارغ ہو چکا۔

پھر فرمایا کہ حساب کتاب میں ہے بڑے تیقظ کی ضرورت۔ میں اپنے آپ کو بڑا بیدار مغز سمجھتا ہوں۔ لیکن پچیس روپیہ ڈنڈ پڑ ہی گیا (مدرسہ کے حساب میں پچیس روپیہ کے نوٹ کی بابت شبہ پڑ گیا۔ حضرت نے محض شبہ کی بنا پر بغرض احتیاط پچیس روپیہ اپنی طرف سے مدرسہ میں داخل کر کے تحویل ایک دوسرے صاحب کے متعلق اور حساب تیسرے صاحب کے متعلق کر دیا۔ کیونکہ فرمایا کہ ایک ہی شخص کے پاس حساب اور تحویل دونوں کا رہنا مناسب نہیں ہوتا یہ خلاف ہے اصول کے) پھر کرایہ کے غلطی کی بابت فرمایا کہ نتائج کو دیکھئے اب ان کا انسداد کرتا ہوں تو سخت مشہور ہوتا ہوں کیا یہ انسداد کے قابل نہیں ہے۔

ملفوظ (۵۵۹) خود پر اعتراض سنتے ہوئے کی کیفیت

فرمایا کہ جب کوئی مجھ پر اعتراض کرتا ہے تو اول جو بات ذہن میں آتی ہے وہ یہی ہوتی ہے کہ مجھ سے ضرور غلطی ہوئی ہوگی۔ الحمدللہ! یہ کبھی ذہن میں نہیں آتا کہ بات بنائیں۔ ایک بار فرمایا کہ میں نے اپنے نفس کے علاج کے لئے ایک سالانہ رسالہ ترجیح الراجح کے نام سے نکالا ہے۔ جس میں وہ غلطیاں درج ہوتی رہیں گی جن کا سال بھر کے اندر مجھ سے صادر ہونا معلوم ہوتا رہے گا۔ چنانچہ اب ہر سال اس رسالہ کی تکمیل کی غرض سے مشتاق اور متلاشی رہا کرتا ہوں کہ کوئی میری غلطیاں نکال نکال کر مجھے مطلع کرے تاکہ وہ رسالہ تو پورا ہو۔

ملفوظ (۵۶۰) عشق صورت مردودیت کی علامت ہے۔ عشق مجازی ظاہر میں بھی کلفت اور مصیبت کی چیز ہے۔

فرمایا کہ عشق صورت بھی ایک عذاب ہے۔ عذاب خصوص عشق امارد۔ بڑا سخت مرض ہے ایک بزرگ کہتے ہیں کہ جب کسی کو مردود کرنا منظور ہوتا ہے تو اس کو امارد میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ پس یہ عشق صورت گویا علامت ہے مردودیت کی۔ تصوف کا مسئلہ ہے کہ امردوں سے اختلاط نہ کرے اور عورتوں سے نرم باتیں نہ کرے حق تعالیٰ کا بھی ارشاد ہے۔ لا تخضعن بالقول اس سے تائید ظاہر ہے۔

پھر فرمایا کہ عشق مجازی ظاہر میں بھی تو ایک نہایت مصیبت اور کلفت کی چیز ہے برخلاف عشق حقیقی کے کہ اس میں سراسر راحت اور اطمینان ہے اور اس میں جو کبھی کچھ ظاہری کلفت معلوم ہوتی ہے اس میں بھی ایک نور ہوتا ہے پریشانی مطلق نہیں ہوتی۔

ملفوظ (۵۶۱) سنن نبویہ فطرت سلیم کے موافق ہیں

فرمایا کہ حضور ﷺ کی جتنی سنتیں ہیں اگر طبیعت سلیم ہو تو گو نقلاً معلوم نہ ہوں لیکن خود بخود جی میں وہی آئے گا کہ ایسا کرو۔ حضور کے جتنے طریقے ہیں نہایت فطرت سلیمہ کے موافق۔ کیوں نہ ہو حضور ﷺ سے زیادہ کون سلیم الفطرت ہوگا۔

ملفوظ (۵۶۲) آج کل حلت وحرمت کا معیار

فرمایا کہ اگر کچھ بھی نہ کرے لیکن حق تقویٰ جسے کہتے ہیں یعنی تقویٰ کا حق ادا کرے تو اس سے بہت نور و برکت پیدا ہوتا ہے لوگ پاکی ناپاکی کا تو بہت خیال کرتے ہیں مگر حلت حرمت کو نہیں دیکھتے۔ حالانکہ پاکی ناپاکی میں بہت وسعت ہے۔ اس میں بہت سی صورتیں مختلف فیہ ہیں۔ اور حلال حرام کی جن کو تاہیوں میں ابتلاء ہے ان میں بہت کم صورتیں ایسی ہیں جن میں اختلاف ہے۔ اس میں اکثر صورتیں متفق علیہ ہیں۔ مگر لوگ کپڑے اور بدن کی پاکی کا تو بہت خیال کرتے ہیں اور حلال غذا کا کچھ بھی اہتمام نہیں۔

چاہے رشوت ہو۔ چاہے غصب ہو سب حلال کیا ہوا ہے۔ میں تو کہا کرتا ہوں کہ جس میں گھی اچھی طرح پڑا ہو وہ تو آج کل حلال اور جس میں گھی کم ہو وہ حرام۔ بس یہ معیار حلت اور حرمت کا رہ گیا ہے۔

۲۷ رجب المرجب ۱۳۴۲ھ

ملفوظ (۵۶۳) مراد امانت

آیت وحملها الانسان کے متعلق فرمایا کہ اکثر عارفین کے نزدیک امانت سے مراد عشق ہے اور آگے جو ارشاد ہے کہ انہ کان ظلوما جہولا۔ بعض اہل لطائف نے کہا ہے کہ یہ عنوان میں تو قدح ہے لیکن دراصل مدح ہے کہ اس نے بڑا ہی تسلیم کیا کہ جھٹ کھڑا ہی ہو گیا اور عشق کا بوجھ اٹھانے کے لئے تیار ہو گیا۔ بڑا نادان ہے کچھ نہ سوچا کہ کیسی مصیبتیں پڑیں گی۔

ملفوظ (۵۶۴) مولانا رومیؒ اور حضرۃ حافظؒ کے الفاظ کا اثر

فرمایا کہ مضامین تو اور لوگ بھی باندھتے ہیں لیکن الفاظ جیسے حضرت مولانا رومیؒ اور حضرت حافظؒ کو ملے ہیں دوسروں کو میسر نہیں ہوئے۔ ان کے الفاظ میں بھی اثر ہے۔

ملفوظ (۵۶۵) لمبے خطوط کے جواب میں تاخیر

فرمایا کہ لمبے خط کے جواب میں اکثر تاخیر ہو جاتی ہے۔ دقت بھی ہوتی ہے۔ چھوٹے چھوٹے خطوط زیادہ تعداد میں ہوں تو ان کا جواب لکھنا اس قدر دشوار نہیں۔ عرصہ عرصہ کے بعد

طویل خطوط لکھنے سے یہ بہتر ہے کہ جلد جلد لکھیں لیکن مختصر۔ یہ طرز نافع بھی زیادہ ہے۔

ملفوظ (۵۶۶) قلندرانہ طرز

فرمایا کہ میرا یہ طرز کہ جو بات ہوئی صاف کہدی گو عرف کی مصلحت کے خلاف ہو۔ لیکن اس میں اتنی مصلحت ضرور ہے کہ سب احباب مطمئن رہتے ہیں کہ دل میں کوئی بات نہیں رکھتا جو دل میں آیا فوراً کہہ دیا یہاں تو ہر چیز نقد ہے ہمارا تو صاحب قلندرانہ طرز ہے۔

ملفوظ (۵۶۷) شرافت وریاست کا خلاصہ

فرمایا کہ آج کل تو شرافت اور ریاست کا وہ خلاصہ رہ گیا ہے جو میرے سب سے چھوٹے ماموں صاحب نے اس شعر میں دکھلایا ہے ۔

ہے شرافت تو کہاں بس شر وآفت ہے فقط   ست ریاست سے گیا صرف ریاباقی ہے

ملفوظ (۵۶۸) خط کے اندر خالی جگہ ہونے کا فائدہ

فرمایا کہ خط کے اندر برابر میں تھوڑی سی جگہ خالی ہو تو بڑا ہی آرام رہتا ہے جواب ساتھ کے ساتھ۔

ملفوظ (۵۶۹) نسبت اویسیہ۔ پیروں کے آداب میں غلو۔ آداب محبت کی فہرست نہیں بنائی جاسکتی۔ تصنع سے شیخ کی خدمت نہ کرے۔ امراض روحانی کے اظہار کی ضرورت:

ایک سیاح صاحب نے ایک پیر صاحب کی بہت تعریف لکھی جو باوجود بالکل پڑھے لکھے نہ ہونے کے عربی میں درود شریف کے صیغے تصنیف کر لیتے ہیں اور جن کو ان کے زعم میں حضور سرور ﷺ سے نسبت اویسیہ حاصل ہے۔ بظاہر کسی شیخ سے بیعت نہیں۔ درود شریف کے دو صیغے ایسے تھے جن کے مضمون میں ان سیاح مداح صاحب کو بھی خدشہ تھا۔ حضرتؒ کو تحریر فرمایا کہ مجھے ان دو میں تردد ہے اور چونکہ آپ کا نام میں نے عرب سے سنا ہے لہذا آپ سے بطور تحقیق حق کے استفسار ہے کہ فی الواقع ان دونوں جملوں میں کوئی کلام ہے یا نہیں اور اگر ہے تو کیا ہے۔ حضرت

نے تحریر فرمایا کہ مجھ کو بھی تردد ہے اور کلام کی نسبت تحریر فرمایا کہ آپ نے کلام پہلے لکھا ہوتا تو مصلحت تھی اور میں تو اس وقت لکھنا مصلحت سمجھتا ہوں جب مصنف صاحب سے اول اس کی توجیہہ دریافت کر لی جائے پھر اس توجیہہ میں نظر کر کے کچھ کہا جا سکتا ہے۔ دیگر صیغوں میں بھی عبارتیں ایسی تھیں جو سمجھ میں نہیں آتی تھیں۔

پھر حضرتؒ نے زبانی ارشاد فرمایا کہ خیر غنیمت ہے شبہ تو کیا۔ ورنہ پیروں پر تو آج کل آنکھ بند کر کے ایمان لے آتے ہیں۔ ان سے گویا کوئی فعل خلاف شرع صادر ہی نہیں ہوتا۔ استفسار پر فرمایا کہ نسبت اویسیہ تو ہوتی ہے لیکن میرے نزدیک کافی نہیں۔ ایسے شخص سے غلطیاں واقع ہو سکتی ہیں۔ کیونکہ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ ہر جزئی کی تحقیق حضور سے کر سکے۔ اور اگر ہو بھی تو احتمال ہے کشف کے غلط ہونے کا۔ محض روحانی طور پر فیض ہونے سے نسبت میں تو قوت ہو جاتی ہے لیکن حقیقت طریق معلوم نہیں ہو سکتی۔ اور صاحب مجھے تو اس میں بھی شک ہے کہ یہ درود شریف کے صیغے انہیں کے ہوں۔ شاید کسی عالم نے بنا دیئے ہوں گے۔ اور اگر انہیں کے ہوں تو کون سا کمال ہے۔ یہ سب کچھ ہو تب بھی کچھ نہیں۔ ایسا شخص ٹھوکر کھائے گا تو کوئی سنبھالنے والا نہیں ہوگا۔

اندھے صاحب لاکھ مشاق ہوں بلا سہارا چلنے کے لیکن اگر کوئی کھائی سامنے آ گئی تو کھائی صاحب پھر کھا ہی جائیں گے۔ بزرگوں نے یوں کہا ہے کہ "گربہ زندہ بہ از شیر مردہ"۔ یہ ایک موٹی بات ہے کہ اس طریق میں سخت ضرورت تعلیم کی ہوتی ہے اور عادۃً تعلیم مردوں سے نہیں ہو سکتی گو وہ برزخ میں احیاء سے بڑھ کر متصف بالحیٰوۃ ہوں۔ ہاں تقویت نسبت ہو سکتی ہے لیکن نری تقویت نسبت سے کیا ہوتا ہے۔

کوئی ہزار پہلوانی کا زور رکھتا ہو لیکن داؤ نہ جانتا ہو تو وہ کچھ بھی نہیں۔ داؤ جاننے والا ایک بچہ اس کو چت کر دیگا۔ نری تقویت سے کیا ہوتا ہے صنعت بھی تو چاہیے۔ روایت کا سلسلہ آخر عبث تھوڑا ہی ہے۔ مرغی بے مرغ کے بھی انڈے دیتی ہے لیکن خاکی انڈے سے بچے نہیں نکلتے۔ گو خود کچھ ہو بھی جائے۔ لیکن ایسے شخص کو اگر کوئی عقدہ پیش آئے تو وہ کسی سے پوچھے گا بھی نہیں۔ کیونکہ لوگوں کے نزدیک اس کی نسبت اویسیہ قطع ہو جائے گی اس کو سبکی ہونے کا خیال ہوگا۔

پھر فرمایا اگر بزرگ پڑھے لکھے نہیں تھے تو ان کو ان درود شریف کے صیغوں کے متعلق علماء سے پوچھنا چاہیے تھا۔ اگر ایسا کرتے تو تمام مشائخ کے یہاں مقبول ہو جاتے۔ لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ ایسا کرنے سے چھوٹا ہو جاتا ہے۔ حالاں کہ بڑا ہونے کی یہی صورت ہے مگر بڑے ہونے کی نیت سے ایسا نہ کرے ورنہ پھر کچھ بھی نہ ہوگا۔

پھر فرمایا کہ ماثور درودوں کو چھوڑ کر ضرورت ہی کیا ہے ان درودوں کے پڑھنے کی۔ استفسار پر فرمایا کہ دلائل الخیرات کے مصنف تو بڑے عالم تھے انہوں نے منقول ہی صیغے لیے ہیں گو بعض صیغوں کے منقول ہونے میں کلام ہے پھر فرمایا کہ میں نے جواب انہیں ہی لکھا ہے کہ مجھ سے جب پوچھنا جب پہلے خود مصنف سے پوچھ لو۔ پھر فرمایا کہ اگر وہ اس پوچھنے سے ناراض ہوں تو پھر ایسے بزرگ ہی کو سلام ہے خود حضور ﷺ سے صحابہؓ پوچھتے تھے۔ پھر یہ ان سے کیوں نہیں پوچھتے گویا قرآن نازل ہو گیا کہ کچھ پوچھو مت۔ صحابہؓ تو قرآن میں بھی پوچھا کرتے تھے پھر فرمایا کہ لوگوں نے پیروں کے آداب میں بہت ہی غلو کر رکھا ہے۔ بس خدا سمجھ رکھا ہے نعوذباللہ اور وہ خود بھی اپنے آپ کو خدا سمجھنے لگے ہیں۔

ایک پیر صاحب پر ان کے مرید کا سایہ پڑ گیا تو نہایت ہی خفا ہوئے اور جرمانہ کیا۔

بس میرا تو اس باب میں یہ مسلک ہے کہ محبت کے متعلق جو آداب ہیں وہ تو ضروری ان کے دقائق کی بھی رعایت چاہیے۔ باقی تعظیم تکریم کے متعلق جو آداب ہیں وہ سب بیکار۔ محبت تو چاہیے لیکن زیادہ تعظیم تکریم فضول۔ صحابہ کرامؓ محبت کے آداب کا بہت لحاظ رکھتے تھے۔ تعظیم تکریم کا ان کا اہتمام تھا۔ اب اس سے زیادہ کیا محبت ہوگی کہ حضور ﷺ کے لعاب دہن اور آب وضو نیچے نہ گرنے دیتے تھے۔ ہاتھوں میں اور منہ میں مل لیتے تھے۔ عرض کیا گیا کہ سایہ شیخ پر پڑنے کا ادب تو فروع الایمان میں بھی لکھا ہے۔ فرمایا کہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اگر سایہ پڑ جائے تو جرمانہ کیا جائے اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر شیخ کوئی کام کر رہا ہو تو اس کا خیال رکھے کہ اس پر سایہ نہ پڑنے پائے۔ ورنہ پرچھائیں پڑنے اور اس میں حرکت ہونے سے اس کی یکسوئی میں فرق آ کر کام میں خلل پڑے گا۔

غرض اس کا ہمیشہ خیال رکھے کہ شیخ کو کوئی کلفت یا کدورت نہ ہونے پائے۔ چنانچہ ایک

مرتبہ ایک صاحب کھڑے تھے میں کام کر رہا تھا مجھ پر سایہ پڑا۔ میری طبیعت الجھنے لگی میں نے ہٹادیا میں تو اس کا مطلب یہی سمجھتا ہوں اس کو آداب میں تو لوگوں نے ضرور نقل کیا ہے لیکن کسی نے اس کا راز کہیں نہیں لکھا۔ لہذا کوئی دلیل نہیں کہ اس کا وہ مطلب نہ ہو جو میں سمجھا ہوں۔ کیونکہ یہ مطلب کسی قاعدہ عقلی یا شرعی کے خلاف نہیں۔ پھر یہ آداب کوئی ملہم تو ہیں نہیں۔ تجربوں کی بناء پر رکھے گئے ہیں۔

ایک صاحب نے استفسار کیا کہ محبت کے آداب کیا ہیں فرمایا کہ جب محبت ہو گی خود بخود آداب معلوم ہو جائیں گے جیسے لڑکا جب بالغ ہوتا ہے خود بخود اس کو شہوت ہونے لگتی ہے۔ پھر اس کو آداب محبت بتانے کی ضرورت نہیں رہتی اسے خود بخود سب ترکیبیں آجاتی ہیں نابالغ بچہ کو کس طرح سمجھا جائے کہ جماع اس طرح ہوتا ہے۔ محبت پیدا کر لے پھر خود بخود آداب قلب میں آنے لگتے لگے۔ محبت کے آداب کی کوئی فہرست تھوڑا ہی تیار ہو سکتی ہے۔ اور تکلف کے ساتھ محبت بھی نہ کرے۔ اگر کھینچ تان کر اور آداب کی فہرست پوچھ کر محبت بھی کی تو اس سے کیا ہوتا ہے جتنی محبت ہو بس اتنی ہی ظاہر کرے تکلف اور تصنع نہ کرے یہ تو خواہ مخواہ شیخ کو دھوکا دینا ہے۔

ایک بار حضرت مولانا گنگوہیؒ نے فرمایا کہ جتنی محبت پیروں کے ساتھ مریدوں کو ہوتی ہے حضرت حاجی صاحب سے مجھ کو اتنی نہیں۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نے سن کر ادھر ادھر کی باتیں کر کے فرمایا کہ اب تو ماشاء اللہ آپ کی حالت باطنی حضرت حاجی صاحب سے بھی بہت آگے بڑھ گئی ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ لاحول ولا قوۃ استغفر اللہ بھلا کہاں حضرت کہاں میں۔

؎ چہ نسبت خاک را با عالم پاک

مجھے اس بات سے بڑی تکلیف ہوئی بہت صدمہ ہوا۔ مولانا محمد قاسم صاحب نے فرمایا کہ خیر آپ ان سے بڑھے ہوئے نہ سہی لیکن میں پوچھتا ہوں کہ یہ تکلیف آپ کو کیوں ہوئی بس یہی ہے محبت آپ تو کہتے تھے کہ مجھے حضرت سے محبت ہی نہیں۔ اگر محبت نہ تھی تو یہ صدمہ کیوں ہوا۔ ویسے ہی اپنی افضلیت کی نفی کر دیتے بس یہی محبت ہے۔

حضرت مولانا گنگوہیؒ نے فرمایا کہ بھائی تم بڑے استاد ہو۔ بڑی بے تکلفی تھی آپس میں۔ پھر فرمایا کہ میں نے کبھی عمر بھر بزرگوں کے پاؤں نہیں دابے نہ کبھی اس کا جوش اٹھا۔ ایسی حالت

میں اگر کبھی دابتا تو تصنع سے ہوتا جب جی میں نہیں تھا نہیں کیا کہ کون بناوٹ کرے بزرگوں سے بہت سے تو اس کو ذریعہ قرب سمجھتے ہیں۔ البتہ جب جوش ہو تو مضائقہ نہیں۔ اور صاحب کیا بزرگوں کو معلوم نہیں ہو جاتا جوش چھپا نہیں رہتا۔ آدمی جس کو شیخ بناتا ہے وہ بہر حال اس کو اپنے سے تو زیادہ ہی عقلمند اور صاحب بصیرت سمجھتا ہے۔ پھر اس کے ساتھ تصنع کیوں کرے۔

میں بزرگوں کے معاملہ میں تو کیا بناوٹ کرتا اپنے عیوب بھی ان سے کبھی نہیں چھپائے صاف کہدیا کہ مجھ میں یہ یہ عیوب ہیں۔ اور یہ مرض ہیں۔ خیر وہ مرض گئے تو نہیں لیکن اس سے علاج تو ہر مرض کا معلوم ہو گیا۔ ورنہ لوگ بلی کے گو کی طرح اپنے عیوب کو چھپاتے ہیں گو مصلحت کا اظہار نہیں چاہیے۔ لیکن جب اسکی اصلاح اپنے اختیار سے خارج ہو جائے تب اظہار بھی ضروری ہے۔ گو تفصیل کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ آخر شیخ کو تعلق ہوتا ہے اس کو سن کر افسوس ہوتا ہے۔ ہاں جب مرض بڑھنے لگے تب اظہار ضروری ہے جیسے کسی کو سوزاک ہو جائے تو اگر معمولی تدابیر سے اچھا نہ ہو تو ضروری ہے کہ باپ سے ظاہر کر دے۔

ملفوظ (۵۷۰) اہل عرب کا صدق و صفا۔ عشق میں آب و ہوا کا خاصہ

فرمایا کہ تکلفات بہت ہو گئے ہیں عجمیوں کے اختلاط سے عرب میں سبحان اللہ! تکلف تھا ہی نہیں اور آج کل انگریزی معاشرت کی تقلید کرنے والوں میں تکلفات تو نہیں لیکن تلبیس بہت ہے حتیٰ کہ بات تک ایسے عنوان سے بیان کرتے ہیں کہ کوئی کچھ سمجھے کوئی کچھ سمجھے۔ نئی اردو بھی ایسی ہو گئی ہے۔ صدق اور صفا عرب کے اندر جیسا تھا کسی کے اندر نہیں۔ شاعری بھی ایسی سادی اور خشک ہے کہ کچھ ٹھکانہ نہیں۔ اب اس سے بھی زیادہ کیا سادگی ہوگی کہ ایک شاعر کہتا ہے ۔

واحبها وتحبني ويحب ناقتها بعيري

یعنی میں اس پر عاشق ہوں اور وہ مجھ پر عاشق ہے اور میرا اونٹ اسکی اونٹنی پر عاشق ہے۔ عرب میں مرد عاشق ہوتا ہے اور عورت معشوق اور ہندوستان میں عورت عاشق اور مرد معشوق اور فارس میں الٹا معاملہ ہے کہ مرد ہی عاشق اور مرد ہی معشوق۔ وہاں بڑی سخت گندگی ہے آب و ہوا کا خاصہ جدا ہوتا ہے۔ عرب میں عورتیں بڑی آزاد ہوتی ہیں مردوں سے پورے پورے حقوق کا مطالبہ کرتی ہیں۔ ہندوستان کی عورتیں جان نثاری اور خدمت گذاری میں ضرب ہیں۔

عفت بھی شرفاء میں اس قدر ہے کہ شاید سو میں سو ہی ایسی ہی نکلیں گی کہ ان کو غیر مرد کا کبھی وسوسہ بھی نہ آیا ہوگا۔ جتنی جفائیں ہندوستان کی عورتیں سہتی ہیں کہیں کی نہیں سہتی۔

ملفوظ (۵۷۱) عورتوں کی طبیعت کا تاثر

فرمایا کہ عورتوں کی طبیعت ہوتی ہے ان پر اچھائی کا بھی اثر بہت جلدی ہوتا ہے اور برائی کا بھی۔ اب لوگ دنیاوی علوم عورتوں کو پڑھاتے ہیں کہیں جغرافیہ کہیں تاریخ۔ حالانکہ یہ سخت مضر ہے۔ میں نے تو ایک مرتبہ وعظ میں کہا تھا کہ کیا جغرافیہ اس لئے پڑھاتے ہیں کہ بھاگنے میں آسانی ہو۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ان الذین یرمون المحصنت الغفلت المؤمنات:

دیکھیے غفلت کو مدح میں فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایسے اسباب فساد سے غافل ہونا ہی مدح کی بات ہے۔

ملفوظ (۵۷۲) عبارت آسان ہے تو بہشتی زیور ہے ورنہ بہشتی عمامہ

ایک صاحب نے کہا کہ عورتیں بہشتی زیور کو اس لئے اور بھی زیادہ پسند کرتی ہیں کہ اس کی عبارت بہت آسان ہے فرمایا کہ جی ہاں! اگر عبارت مشکل ہوتی تو وہ بہشتی زیور کیا رہتا بہشتی عمامہ ہو جاتا پیچ در پیچ۔

ملفوظ (۵۷۳) نیند کے غلبہ میں ذکر موقوف کر دینا چاہیے

ایک ذاکر صاحب سے فرمایا کہ نیند کا اگر باربار غلبہ ہو تو سو جانا چاہیے ۔جب نیند بھر جائے تب پھر اٹھ کر ذکر کو پورا کرے کیونکہ نشاط کے ساتھ ہو تو ذوق و شوق ہوتا ہے ورنہ تو عدد ہی کا پورا کرنا ہوتا ہے۔

ملفوظ (۵۷۴) رسوم کی مار

ایک ذاکر صاحب کی درخواست مزید ذکر پر حضرت نے استفسار فرمایا کہ زیادہ ذکر کا تحمل ہو سکے گا۔ انہوں نے کہا کہ اگر مصلحت ہو تو زیادہ بتادیا جائے۔ اس پر حضرت نے ناخوش ہو کر اٹھا

دیا کہ مجھ پر یہ بھی احتمال ہے کہ میں خلاف مصلحت بھی تعلیم کرتا ہوں۔ جاؤ خبردار! جو کبھی ایسی بے ہودگی کی۔ آپ کہتے ہیں کہ اگر مصلحت ہو کھو دیا رسموں نے۔ یہ بھی رسم ہے کہ اگر مصلحت ہو یہ نہ سمجھے کہ اس سے دوسرے معنی کیا لازم آگئے۔ جب وہ صاحب اٹھ کر چلے گئے تو مسجد میں جا کر حضرت کی طرف منہ کر کے بیٹھ گئے۔ حضرت نے فرمایا کہ جب میری مجلس میں نہیں ہو تو میری طرف منہ کر کے کیوں بیٹھتے ہو۔ پھر فرمایا کہ کھو دیا رسوم نے۔

ملفوظ (۵۷۵) فراق میں سرمایہ تسلی

ایک ذاکر صاحب نے جو کچھ دن قیام کر کے واپس جا رہے تھے عرض کیا کہ پہلے دیکھا ہے کہ حضور کے فراق میں مجھے سخت تکلیف ہوتی ہے اور گریہ طاری رہا کرتا ہے فرمایا کہ اب ان شاء اللہ ایسا نہ ہوگا کیونکہ ذکر سے بفضلہ اب مناسبت پیدا ہو گئی ہے سرمایہ تسلی پاس ہے۔

ملفوظ (۵۷۶) کہے سنے کو ناراضی پر محمول نہ کرنا چاہیے

ایک ذاکر صاحب بعد اذان عصر مسجد میں حضرت کی طرف منہ کئے مراقب بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت سہ دری میں بیٹھے جلدی جلدی ڈاک کا کام ختم کر رہے تھے۔ حضرت نے تنبیہ فرمائی۔ کئی دن بعد ایک معذرت کا رقعہ لکھ کر ان صاحب نے پیش کیا۔ حضرت کو وہ واقعہ یاد بھی نہ رہا تھا۔ فرمایا کہ آپ خواہ مخواہ دل میں لے کر بیٹھے۔ خدا نہ کرے میرے کہنے کو ناراضی پر محمول نہ کیا کیجئے۔

۸ شعبان المعظم ۱۳۴۴ھ

ملفوظ اول ملقب بہ حکم الحکیم

ملفوظ (۵۷۷) جہلاء کی یاوا گوئی کی انسداد کرنا بدعت ہے۔ جس کو مقصود کی فکر ہو وہ فضولیات کے پیچھے نہیں پڑتا

ایک حکیم صاحب نے جو اپنے ہی سلسلہ کے ہیں اپنے احوال باطنی ایک پرچہ میں لکھ کر پیش کئے جس میں پنسل سے اخیر میں یہ بھی لکھا کہ آپ کو اور دیگر حضرات کو لوگ برا بھلا کہتے ہیں

اس سے بہت صدمہ ہوتا ہے۔ اس کی بابت غالباً کوئی مشورہ طلب کیا تھا۔ بلکہ کچھ مشورہ دیا تھا کہ اگر فلاں کام نہ کیا جاتا تو اچھا ہوتا (اور وہ دینی کام تھا۔) حضرت نے اور باتوں کا زبانی جواب دیکر فرمایا کہ جو اخیر میں پنسل سے لکھا ہے وہ تو محض فضول ہی ہے۔ پھر بہت دیر تک بلکہ قریب قریب مغرب تک اس کے متعلق تنبیہ فرماتے رہے۔ مختصراً نقل کرتا ہوں۔

فرمایا کہ میں پیشتر بھی آپ کو اس کے متعلق لکھ چکا ہوں لیکن آپ پر مطلق اثر نہیں ہوا۔ پیشتر تو آپ کو سوال کرنا ناگوار نہیں ہوا تھا۔ لیکن آج مجھ کو ناگوار ہوا۔ انہوں نے کہا کہ ان لوگوں کا برا بھلا کہنے سے ہمارے دل کو تکلیف ہوتی ہے۔ فرمایا کہ کیا پیر کے ذمہ یہ بھی ہے کہ اگر مرید کو کوئی تکلیف یا مرض ہو تو اس کا بھی علاج بتلا دیئے۔ اگر خدانخواستہ آپ کو عرق النساء کی بیماری ہوتی اور تمام بدن میں دکھن ہوتی تو کیا میں اس کے دفعیہ کا بھی ذمہ دار ہوتا۔ سینکڑوں لوگ خدا کو برا بھلا کہتے ہیں رسول کو برا بھلا کہتے ہیں۔ مجتہدین کو برا بھلا کہتے ہیں آپ نے کچھ اس کا انسداد کیا۔ اگر نہیں کیا تو بس ایک نالائق اشرف علی ہی کے برا بھلا کہنے سے آپ کو تکلیف ہوتی ہے جو اس کے انسداد کی فکر ہوئی کچھ بھی نہیں ہوئی۔ آپ میں مادہ کبر کا ہے آپ کو اسلئے ناگوار ہوتا ہے کہ ہمارے اکابر کو برا بھلا کہنے میں ہماری ذلت اور خواری ہے یہ ہے کید نفس کا۔

ان صاحب نے عرض کیا کہ بس اب معلوم ہو گیا کہ مجھ میں تکبر ہے فرمایا کہ خیر اگر تکبر بھی نہ سہی لیکن میں یہ پوچھتا ہوں کہ آخر آپ کو اس کی فکر ہی کیوں ہوئی۔ کہ کوئی برا نہ کہے بھلا نہ کہے۔ اس میں کیا بگڑ گیا آپ کا۔

معلوم ہوا کہ مقصود تک آپکی نظر ہی نہیں پہنچی۔ اگر مقصود پر نظر ہوتی تو ایسے فضول قصوں کے پیچھے پڑنے کی آپ کو فرصت ہی کب ہوتی۔ آخر لاکھوں ناگواریاں ہیں ان کا آپ نے کیا انسداد کیا۔ اسی کی کیا تخصیص ہے جو اس کے پیچھے پڑے۔

ایک زمانہ وہ تھا کہ صحابہ کے سامنے کفار حضور کو برا بھلا کہتے تھے۔ اس کا قرآن نے کوئی انسداد کیا کچھ بھی نہیں کیا۔ تو معلوم ہوا کہ اس کے انسداد کی فکر کرنا بدعت ہے کیا یہ بدعت نہیں کہ آپ دین کے اندر اجزاء بڑھاتے ہیں۔ بدعت کیا صرف مولود میں کھڑے ہونے ہی کو کہتے ہیں۔ قرآن میں تو یہ ہے لتبلون فی اموالکم وانفسکم ولتسمعن من الذین اوتو الکتاب من

قبلکم و من الذین اشر کوا اذی کثیراً۔ دیکھئے آپ کس ہوش میں ہیں خدا نے تو اس پر یہ تعلیم فرمائی ہے کہ وان تصبروا وتتقوا فان ذلک من عزم الامور۔

لوگوں نے کس کو برا نہیں کہا۔ امام غزالیؒ کو نہیں کہا امام ابو حنیفہؒ کو نہیں کہا تو آپ کے نزدیک گویا امام ابو حنیفہؒ نے ناحق قیاس کیا اور ناحق ٹانگ اڑائی اجتہاد کی۔ آپ کے نزدیک گویا یہ فعل عبث کیا فضول ایسی چیز کے پیچھے پڑے جس سے برا بھلا سننا پڑا۔

پھر فرمایا کہ مجھے یہ مضمون ہی ناگوار ہوتا ہے اس کا تذکرہ ہی کیوں کیا جائے آپ کا کیا نقصان ہے کوئی برا بھلا کہتا ہے کہا کرے۔ کیا ہم آپ کی تکلیف کے خیال سے حق کہنا یا مصلحت کا کام کرنا چھوڑ دیں۔ آپ کا تو یہ مطلب ہوا کہ تصنیف و تالیف بند کر دیں اصلاح و تبلیغ موقوف کر دیں۔ اس طرح تو پھر کوئی کام ہی نہیں ہو سکتا۔ اگر آپ کو عار آتی ہے کہ ہم ایسوں سے وابستہ ہیں جن کو لوگ برا کہتے ہیں تو چھوڑ دیجئے ہم کو۔ ایسوں سے وابستہ ہو جائیے جن کو سب اچھا کہیں۔ حضرت یہاں تو یہ حالت ہے ؎

در کوئے نیک نامی مارا گذر نہ دادند ——— گر تو نمی پسندی تغیر کن قضارا

اگر یہ طرز پسند نہیں تو قضا کو بدلئے۔ حضرت طالب حق اور نیک نام قیامت آجائے یہ کبھی ہو ہی نہیں سکتا۔ حضور ﷺ کا دعویٰ نبوت بھی آپ کے نزدیک خلاف مصلحت تھا کیونکہ وہی سبب ہوا کفار کی گالیاں دینے کا۔ ورنہ چپ بیٹھے رہتے تو کوئی بھی کچھ نہ کہتا۔ آخر آپ بھی اپنے یہاں رسموں کو منع کرتے ہیں کیا آپ کو کوئی برا بھلا نہیں کہتا پھر آپ نے اپنا کیا انتظام کیا بات یہ ہے کہ ابھی آپ کو مقصود کی ہوا بھی نہیں لگی۔ ورنہ ان فضولیات کے پیچھے نہ پڑتے جو شخص دوست میں مشغول ہو اسے فرصت کہاں کہ دشمن کی طرف متوجہ ہو ؎

گر ایں مدعی دوست بشناختے ——— بہ پیکار دشمن نہ پرداختے

آپ کو ذکر و شغل کیا نفع دے سکتا ہے۔ کیونکہ نفع کے لئے سب سے پہلی شرط مقصود کی حقیقت معلوم ہونا اور غیر مقصود کو آگ لگانا ہے۔ ابھی آپ کو مقصود کی ہوا بھی نہیں لگی۔ یہی امور ہیں جن کے لئے میں دوستوں کو رائے دیا کرتا ہوں یہاں رہنے کی۔ ورنہ میں کوئی جنید بغدادیؒ تھوڑا ہی بنا دیتا ہوں۔

پھر فرمایا کہ چھوٹے سے بڑے تک سب الا ماشاء اللہ اس مرض میں مبتلا ہیں جو دھ پور میں میں گیا تو ہمارے دوستوں نے رائے دی کہ یہاں ہم لوگوں کو غیر مقلد کہا جاتا ہے وعظ میں امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے فضائل بیان کئے جائیں تا کہ اس الزام کو غلط ہونا ثابت ہو۔ میں نے کہا کہ اگر میں نے ایسا کیا تو وعظ کا حاصل یہ ہوا کہ ہم بڑے بزرگ ہیں۔ ہم بڑے متقی ہیں۔ ہم بڑے اچھے ہیں ہم عیوب سے بری ہیں ہمارے معتقد ہو جاؤ۔ تو تفریں ہے اس وعظ پر جس میں یہ نیت ہو کہ لوگ ہمارے معتقد ہو جائیں اور جس میں اپنی ہی مصلحت کی حفاظت ہو۔ ہم تو مخاطبین کی مصلحت کی رعایت سے وعظ کہتے ہیں کہ ان کے لئے مفید ہو اور جو امراض ان میں ہوں ان کا علاج بتلایا جائے اور وہ جو کچھ ہمیں برا بھلا کہیں ہم نے سب معاف کیا پھر انہیں صاحب کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ جناب آپ تو اس فکر میں ہیں کہ لوگ اس کو کیوں برا بھلا کہتے ہیں اور میں یہ دعا کر چکا ہوں کہ اے اللہ! میری وجہ سے کسی سے مواخذہ نہ کیجئے گا۔ جس نے مجھ کو برا بھلا کہا ہو یا آئندہ کہے میں دل سے معاف کرتا ہوں۔ مدعی سست گواہ چست۔ میں تو معاف کر چکا، پھر آپ ان کو برا بھلا کہنے والے کون ہوتے ہیں۔ جب میں انہیں معاف کر چکا تو کیا اب آپ سے الٹا مواخذہ نہ ہوگا کہ صاحب حق کے معاف کرنے کے بعد کیوں برا بھلا کہا صاحب کس دھندے میں پڑے۔ آپ کس کس کے برا کہنے کو انسداد کریں گے اگر ایک جماعت کی موافقت کر کے اس کے برا کہنے کا انسداد کر لیا تو کیا دوسرا فرقہ نہ کہے گا کہ بڑے کم ہمت ہیں بڑے ضعیف الایمان ہیں۔

کوئی ایسا طریقہ نکالئے جس میں کوئی برا بھلا نہ کہے اور اگر کوئی ایسی چیز ہے جس میں کوئی بھی برا بھلا نہ کہے تو خوب سمجھ لیجئے کہ خود وہ ایمان کے خلاف ہو گی۔ کیونکہ اس کا حاصل ہے صلح کل۔ اور صلح کل جس کا نام ہے اس کا ایمان سے کیا علاقہ۔ دیوبند کے جلسہ میں مجھ سے فرمائش کی گئی کہ وعظ میں فضائل رسول بیان کئے جائیں تا کہ عام لوگوں کی بدگمانی رفع ہو۔ کیونکہ مخالفین نے یہ بہکا رکھا ہے کہ یہ لوگ جناب رسول اللہ ﷺ کی شان میں نعوذ باللہ گستاخ ہیں۔ میں نے کہا کہ یہ تو متکلم کے مطلب کا وعظ ہوا وعظ تو ایسا ہونا چاہیے۔ جس سے سننے والوں کو نفع ہو یہاں فضائل رسول کا کون منکر ہے جو ان کا بیان کیا جائے چنانچہ میں نے یہ خیال کر کے کہ آج کل عام مرض حب دنیا کا ہے اسی کے متعلق وعظ کہا جس سے لوگوں کو نفع ہوا۔ اگر فضائل رسول بیان کرتا تو یہ ہوتا کہ

ہم لوگوں کے متعلق بدگمانی شاید جاتی رہتی۔ لیکن یہ کوئی ایسا مرض میرے نزدیک نہیں تھا۔ کوئی کفر نہیں۔ شرک نہیں۔ نبی پر تو ایمان لانا فرض ہے کسی عالم یا درویش پر ایمان لانا تو فرض نہیں۔ خدا جہاں اور گناہ معاف کریگا اس بدگمانی کو بھی معاف کر دیگا۔ اور یہ جب ہے جبکہ اس بدگمانی میں ان لوگوں کی نیت بھی خراب ہو ورنہ اگر نیت اچھی ہو اور خطائے اجتہادی ہو تو گناہ بھی نہیں بلکہ الٹا ثواب ہوگا۔ میں بقسم کہتا ہوں کہ اگر کوئی معتقدین میں سے میری تعریفیں کرتا ہے تو مجھے فوراً اپنے کارنامے اور نفس کی شرارتیں سب یاد آجاتی ہیں اور سمجھتا ہوں کہ یہ لوگ دھوکہ میں ہیں۔ اور جو برائیاں کرتے ہیں ان کو سمجھتا ہوں کہ ٹھیک تو کہتے ہیں۔ گو جن بہتانوں کی بناء پر وہ برائیاں کرتے ہیں وہ غلط ہیں لیکن میں شکر کرتا ہوں کہ خدا نے میرے اصلی عیوب ان سے پوشیدہ کر رکھے ہیں۔ لیکن بہر حال بناء استحقاق تو ان برائیوں کی میرے اندر موجود ہے اسی لئے طرف داروں پر مجھے برہمی ہوتی ہے کہ ایسے شخص کی کیوں طرف داری کرتے ہیں۔ دین کو چھوڑ کر غیر دین میں کیوں مشغول ہوتے ہیں۔ اگر برائی نہیں سنی جاتی صبر کرو اٹھ کر چلے جاؤ۔ یہ کیا ضرور ہے کہ جنگ و جدال اور فوجداری ہی کی جائے۔ نہیں صبر ہوتا چلے جاؤ۔

ہجرت سے پہلے کفار اپنی مجالس میں ایسی باتیں کیا کرتے صحابہ کرامؓ کو ارشاد ہوا کہ فلا تقعدوا معھم حتی یخوضوا فی حدیث غیرہ۔ یہ مکہ کے لئے حکم ہے۔ جس وقت اہل حق کو قدرت کم تھی جب مدینہ طیبہ پہنچ گئے اس وقت یہ حکم نہیں ہوا کہ اٹھ آؤ۔ اس وقت مکہ کا سا برتاؤ کریں اور جب قدرت ہو مدینہ کا سا برتاؤ کریں۔ اگر قدرت نہیں تو پھر اس کا ذکر کر کے خواہ مخواہ خود بھی پریشان ہونا ہے اور دوسرے کو بھی پریشان کرنا ہے۔

دیکھئے اللہ میاں نے صحابہ سے یہ نہیں کہا کہ کفار سے برائیاں سن سن کر رسول سے کہا کرو۔ بلکہ خود سننے والوں کو حکم ہوا کہ اٹھ کر چلے جایا کرو۔ اسی پر ہم کو عمل کرنا چاہیے ورنہ پھر قرآن کیا یہود و نصاریٰ کے عمل کے لئے نازل ہوا ہے۔ افسوس! مسلمانوں کا قرآن کی ان آیتوں پر عمل ہے جو نماز روزہ کے متعلق ہیں اور قرآن کے دوسرے اجزاء پر عمل نہیں مجھے خدا جانتا ہے ذرا سی بات بھی فضول ہو اس سے نہایت انقباض ہوتا ہے۔ بلکہ ہنسی مذاق یہاں تک کہ فحش تک سے بھی چاہے وہ عقلاً منکر ہو لیکن اس سے انقباض نہیں ہوتا۔ اور پھر سب فضول باتوں میں بھی اتنی

ناگواری نہیں ہوتی جتنی ان فضولیات میں جن کو کہنے والا خود بھی سمجھے کہ یہ فضولیات ہیں۔ میرے پاس آتے ہیں اپنے دین کی اصلاح کے لئے روایات وحکایات سے کیا فائدہ کہ کوئی یوں کہتا ہے کوئی یوں کہتا ہے۔

دیکھئے! اس مضمون کی وجہ سے اتنی پریشانی ہوئی۔ بھلا کیا فائدہ ہوا کئے رکعت کا ثواب ملا۔ اور مضامین اس پرچہ میں واقعی پوچھنے کے قابل تھے۔ مگر پنسل کا مضمون بے شک حرارت پیدا کرنے والا تھا مزاج میں۔ یہ اچھی دھمکی ہے کہ صاحب برا کہتے ہیں۔ ہم نے ایک دن بھی اس کا اہتمام نہیں کیا کہ کوئی برا بھلا نہ کہے۔ وہ لوگ تو دشمن ہیں بلا سے تکلیف پہنچائیں۔ لیکن آپ تو محب ہیں آپ نے کیوں تکلیف پہنچائی۔ یہ تو ایسی مثال ہوئی کہ کسی نے کسی کے سوئی چبھوئی اس نے لا کر مولوی صاحب کی ران میں گھسا کر بتلایا کہ مولانا یہ سوئی ہے یوں چبھا کرتی ہے کیا علاج ہے اس کا۔ انہوں نے آپ کے سوئی چبھوئی آپ نے آکر ہمارے چبھو دی یہ تو مرگ انبوہ جشنے دار کی وجہ سے آپ نے ایسا کیا تا کہ دوسرے کو بھی شریک کر کے اپنا دکھ ہلکا کریں۔ افسوس محبت کے دعویٰ میں ایسی کاروائی۔ ان لوگوں نے تو پیٹھ پیچھے برا کہا جس کی مجھ کو خبر نہیں ہوئی۔ انہوں نے تو مجھ کو کوئی تکلیف نہیں پہنچائی تھی۔ آپ نے البتہ ان کے برا کہنے کا ذکر میرے سامنے کر کے سخت تکلیف پہنچائی۔

کوئی شخص کسی کے منہ پر تھوڑا ہی برا بھلا کہتا ہے۔ یہ ان محبین ہی کی بدولت تکلیف پہنچتی ہے جو کچھ پہنچتی ہے کیونکہ انہیں کے ذریعے سے خبریں پہنچتی ہیں ورنہ کسی کے برا بھلا کہنے کی کبھی اطلاع بھی نہ ہوا کرتی۔ ایک شخص نے تو تیر چلایا جس کی دوسرے کو ممکن ہے خبر بھی نہ ہوتی لیکن خیر خواہ صاحب اس تیر کو اٹھا کر لائے اور بدن میں چبھو کر بتلایا کہ فلاں شخص نے یہ تیر تمہارے اوپر چلایا تھا۔ واہ رے خیر خواہی۔ تیر چلانے والا تکلیف کا باعث نہ ہوا تھا۔ ان خیر خواہ صاحب نے تیر لا کر چبھو ہی دیا۔

پھر فرمایا کہ خدا جانے توجہ الی اللہ کیوں نہیں ہے جو توجہ الی الخلق ہوتی ہے قلب ہے یا سرائے ہے کہ جس میں خدا بھی بستا ہے بدعتی بھی بستے ہیں۔ اہل مراد آباد بھی بستے ہیں۔ بکھر اوں والے بھی بستے ہیں قلب کیا ہے سرائے ہے کوئی کسی کو ٹھڑی میں کوئی کسی کوٹھڑی میں نور حق

ہوتا تو یہ خرافات کہیں قلوب میں رہ سکتی تھی۔ ؎

عشق آں شعل ست کو چوں بر فروخت ۔۔۔ ہر کہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

نور حق وہ چیز ہے خدا جانے جب پھیلتا ہے ساری کوٹھڑیوں کو بھر دیتا ہے۔

جو نفی اثبات لا الہ الا اللہ اور اللہ اللہ کرتا ہو اس کے قلب میں یہ چیزیں ہوں۔ معلوم ہوتا ہے محض وظیفہ لفظی ہے باقی دل میں ہر وقت یہی چیزیں بھری رہتی ہیں۔ یہ تو ایک قسم کا شرک ہے۔ اللہ کے ساتھ غیر اللہ مقصود بالذکر ہو ان ہی باتوں کے لیے کہا کرتا ہوں کہ یہاں رہو تاکہ ان امور پر نظر ہو جائے۔

باقی اصلاح میں کیا کرتا کیونکہ میں خود ہی اچھا نہیں ہوں ۔ دوسرے کی اصلاح کیا کر سکتا ہوں۔ مگر الحمد للہ راستہ صاف نظر آتا ہے کہ یہ راستہ ہے اور یہ راستہ نہیں۔ اپنے دوستوں کیلئے بھی یوں چاہتا ہوں کہ راستہ کو راستہ سمجھیں اور غیر راستہ کو غیر راستہ۔ یہاں رہ کر بحمد اللہ یہ ضرور حاصل ہو جاتا ہے کہ طریق غیر طریق میں تمیز ہو جاتی ہے پھر چلنا اس کا فعل ہے لیکن خود چلنا بھی تو جبھی ہو سکتا ہے جب رستہ معلوم ہو۔

آج کل یہ حالت ہے کہ کتابیں ختم مدرس بھی ہو گئے۔ مگر یہ آج تک خبر نہیں کہ راستہ کیا ہے۔ لوگ زوائد میں مبتلا ہیں۔ مقاصد کو چھوڑے ہوئے ہیں۔ ایک صاحب کا خط آیا ہے انہوں نے ایک مدرسہ توکل پر کھول رکھا ہے لیکن انہیں طریق ہی نہیں۔ معلوم توکل کی حقیقت ہی سے بے خبر ہیں۔ لکھا ہے کہ بوجہ روپیہ نہ ہونے کے ایک مدرس نے استعفیٰ دیدیا جس سے دل کو بہت ہراس ہے۔ ایک مدرس کی کمی سے حسرت ہے ان سے کوئی پوچھے کہ ہراس اور حسرت کیوں ہے۔ میری نگاہ بہت دور پہنچی ہوئی ہے۔ اس میں سو بات یہ ہے کہ چور ہے قلب کے اندر۔ وہ یہ کہ اپنی طرف منسوب کرنا چاہتے ہیں۔ ایک خاص کام کو کہ ہم سے ایسا بڑا کام ہوا۔ اس لئے اس کے اسباب کم ہونے سے ہراس ہوتا ہے۔ مگر کوئی خاص درجہ کا کام ہی کیوں اپنے ذہن میں متعین کرے جتنی خدمت اپنے اختیار میں ہو وہ کرتا رہے۔ پس اگر بالکل روپیہ نہ رہے اور سب مدرسین چھوڑ کر چلے جائیں تو خود اکیلا ہی اپنے گھر پر طالب علموں کو لے کر بیٹھ جائے۔ کیونکہ اس سے زیادہ پر اس کو اب قدرت ہی نہیں رہی کام کے خاص درجہ کو کیوں مقصود سمجھے۔

کام سے بھی تو مقصود رضا ہی ہے اور وہ غیر اختیاری امور پر موقوف نہیں۔ یہ قاعدہ کلیہ عمر بھر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جو امور اختیار میں ہوں اور فضول نہ ہوں ان کو تو قصد کرے اور جو اختیار میں نہ ہوں ان کا ہرگز قصد نہ کرے۔

اس طرح اگر زندگی بسر کرے تو اس کی دین دنیا دونوں درست ہو جائیں۔ پریشانی تو ایسے شخص کے پاس بھی نہیں پھٹک سکتی۔ اس خدا سے اپنا دل لگائے رکھے جس کو پریشانی نہ ہوگی دل بھی اسی کا خدا کی طرف لگ سکتا ہے۔ ورنہ پریشانی میں آدمی عبادت بھی نہیں کر سکتا۔ جمعیت بڑی دولت ہے مگر پھر پریشانی بھی وہی مضر ہے جو اپنے اختیار سے لائی جائے۔ اور جس پریشانی میں اپنے اختیار کو دخل نہ ہو وہ ذرا بھی مضر نہیں بلکہ مفید ہے۔ اور ایسے غیر اختیاری امور کے پیچھے پڑنے کا خیال خود جناب رسول اللہ ﷺ کے دل سے نکالا گیا ہے۔ جابجا ارشاد ہے۔ **لست علیهم بمصیطر ولو شآء ربك لامن من فی الارض کلهم جمیعاً افانت تکره الناس حتی یکونوا مؤمنین وما کان لنفس ان تؤمن الاباذن الله وما انت علیهم بوکیل انا ارسلنك بالحق بشیراً ونذیرا ولا تسئل عن اصحب الجحیم ۔**

سب کا حاصل یہ ہے کہ جو چیز اختیار میں نہیں اسکے پیچھے نہ پڑے۔ کیا چودھویں صدی میں یہ آیتیں منسوخ ہو گئی ہیں جو ان پر عمل نہیں کیا جاتا؟ ایک بزرگ کو ان کے کسی مرید نے کسی مقام سے لکھا تھا کہ یہاں کافروں کا بہت زور ہے۔ دعا فرمایئے۔ انہوں نے لکھا کہ کیا ہم نے تم کو وہاں نامہ نگاری کے لئے بھیجا ہے۔ کیا تم وہاں کے ایڈیٹر ہو جو اس قسم کی خبریں لکھتے ہو۔ خبردار! جو پھر کبھی ایسی باتیں لکھیں۔ اپنے کام میں مشغول رہنا چاہیے۔ تمہیں اس سے کیا بحث کافروں کو چاہے زور ہو۔ چاہے شور ہو۔

پھر ہمارے حضرت نے فرمایا کہ ہمارے مولانا محمد یعقوب صاحبؒ بیان فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ ابراہیم بن ادھم رحمتہ اللہ علیہ سے حضرت خضر علیہ السلام ملے سلام اور مصافحہ کے بعد حضرت ابراہیم بن ادھمؒ پھر ذکر میں مشغول ہو گئے۔ حضرت خضرؑ نے کہا کہ آپ نے مجھ کو پہچانا نہیں۔ میں خضر ہوں۔ حضرت ابراہیم بن ادھمؒ بولے کہ اچھی بات ہے ہوں گے لیکن چونکہ میں نے اس سے پہلے آپ کو دیکھا نہیں۔ اسلئے پہچانا نہیں۔ یہ کہہ کر پھر اپنے کام میں مشغول ہو گئے۔

حضرت خضر علیہ السلام نے بڑا تعجب کیا کہ یہ تو بڑے بے فکر ہیں۔ فرمایا کہ بھائی تم تو بڑے بے فکر ہو۔ لوگ تو برسوں میرے ملنے کی تمنا میں رہتے ہیں لیکن ملنا نصیب نہیں ہوتا تم سے میں خود ملنے آیا لیکن تم نے میری طرف توجہ بھی نہ کی۔ حضرت ابراہیم بن ادھمؒ نے فرمایا کہ جسے خدا سے ملنے سے فرصت ہو وہ آپ سے ملنے کی تمنا کرے۔ حضرت خضرؑ نے فرمایا کہ لوگ مجھ سے دعا کرایا کرتے ہیں تم بھی دعا کراؤ۔ حضرت ابراہیم بن ادھمؒ نے فرمایا کہ اچھا آپ میرے لئے دعا کر دیجئے کہ میں نبی ہو جاؤں۔ حضرت خضر بولے کہ یہ تو نہیں ہو سکتا حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا کہ بس اگر یہ نہیں ہو سکتا تو جو کچھ قسمت میں ہے وہ آپ ہو رہے گا آپ تشریف لے جایئے میرا حرج ہوتا ہے۔

پھر ہمارے حضرت نے فرمایا کہ کام کرنے کی یہ صورتیں ہوا کرتی ہیں۔ حضرت مولانا گنگوہیؒ فرماتے تھے کہ اگر ایک مجلس میں حضرت جنید بغدادیؒ ہوں اور حضرت حاجی صاحب بھی ہوں۔ تو ہم تو حضرت جنیدؒ کی طرف آنکھ بھی نہ اٹھائیں۔ ہمارے پیر تو حضرت حاجی صاحب ہیں ہم تو انہیں کی طرف متوجہ رہیں۔ ہاں حضرت حاجی صاحب جنید بغدادیؒ کی طرف توجہ کریں کیونکہ وہ ان کے پیر ہوں گے۔ ہمارے پیر تو یہ ہیں۔ ہمیں جنید بغدادیؒ سے کیا مطلب! ہمیں تو حضرت حاجی صاحب چاہئیں۔ سو واقعی ؎

دلآرامے کہ داری دل درو بند دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند

کام کی صورتیں تو یہی ہیں۔ ان صاحب کو یہی حسرت ہے کہ مدرسہ کا کام گھٹ گیا۔ ارے ہم کہتے ہیں کہ کام سے مقصود کیا ہے رضا۔ وہ تو نہیں گھٹی۔ جب سو طالب علموں کی خدمت اختیار میں تھی سو کی خدمت کرتے تھے اب پانچ کی اختیار میں ہے پانچ کی کریں۔ کام ہلکا اور ثواب وہی۔ پھر غم کاہے کا۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب بندہ بیمار پڑتا ہے تو فرشتوں کو حکم ہوتا ہے کہ میرا بندہ معذور ہو گیا ہے جو نیک عمل یہ حالت صحت میں کرتا تھا وہی اب بھی تم روزبروز لکھتے رہو۔ دیکھئے ثواب وہی لکھا جاتا ہے حالانکہ عمل نہیں۔ اگر ہم پانچ ہی کی خدمت کی قدرت رکھتے ہیں لیکن نیت یہ ہے کہ اگر قدرت ہوتی تو سو کی خدمت کرتے تو ہمیں اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا کہ سو کی خدمت کرنے

میں ملتا۔ بلکہ یہ تو اور بھی اچھا ہے کہ دماغ رہا ہلکا اور ثواب ملا پورا۔ اگر کام گھٹ گیا گھٹنے بھی دو۔ تمہارا مطلب تو نہیں گھٹا۔ اور اچھا ہے درد سر تو کم ہوا۔ اسی کو حضرت مرزا مظہر جان جاناں اور طریقہ سے کہتے ہیں۔

سر جدا اگر داز تنم یارے کہ باما یار بود ۔۔۔ قصہ کوتاہ کرد ورنہ سر بسیار بود

قصہ کوتاہ ہو اور مقصود پورا ہو اس سے زیادہ کیا اچھا ہے۔ مدرس کے کم ہو جانے سے تمہارا دم کیوں نکلتا ہے۔ بس بات یہ ہے کہ مدرسہ چھوٹا رہ جائے گا تو بانی صاحب کی ذلت ہو گی کہ بڑا آپ نے مدرسہ کھولا تھا۔ اب رہ گئی مدرسی۔ پھر فرمایا کہ یہ مصیبت ہو گئی۔ لوگ دور پڑے ہوئے ہیں طریق سے۔

حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں ایک شخص آئے عرض کیا کہ بہت روز سے میں بیمار ہوں سخت قلق ہے کہ حرم میں نماز نصیب ہوتی صحت کی دعا فرما دیجئے۔ حضرت نے دعا کر دی۔ ان کے چلے جانے کے بعد فرمایا کہ عارف کو اس کا بھی رنج نہیں ہوتا کہ بیماری کی وجہ سے حرم میں نماز نصیب نہیں ہوئی۔ کیونکہ مقصود تو رضا ہے اس کی مختلف طرق ہیں جیسا کہ یہ طریق ہے کہ حرم میں جماعت سے نماز پڑھیں یہ بھی ایک طریق ہے کہ بیمار ہو جائیں اور بیماری پر صبر کریں۔ صبر سے بھی وہی بات حاصل ہو جائیگی جو جماعت سے حاصل ہوتی یعنی رضا۔

یہ بھی رضا کا طریق ہے سو ایک طریق تو حاصل ہے اگر ایک نہیں ہے نہ ہو پھر عارف کو رنج کیوں ہو مقصود تو محفوظ ہے۔ اور بڑی بڑی نازک حکایتیں ہیں لیکن یہ مجمع ان کے بیان کرنے کے لائق نہیں۔ اس حکایت میں تو کوئی غلطی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ صاف ہے لیکن بعضے باریک باریک حکائتیں بھی اسکے متعلق ہیں کہ عارفین کی نظر میں رضا ہی مقصود ہے اگر کسی کو مکہ جانا ہو۔ اور کوئی شخص اس کو کراچی کی راہ سے پہنچا دے تو مقصود تو حاصل ہو گیا اگر اس کا اصرار بمبئی کی راہ سے جانے کا تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کو بمبئی مقصود ہے حج مقصود نہیں۔ اگر وہ مکہ پہنچ کر دریافت کرے کہ میں کدھر سے آیا ہوں اور کہا جائے کہ کراچی سے اور وہ کہے کہ اگر کراچی کی راہ سے آیا ہوں تو میں حج نہیں کرتا۔ میں تو بمبئی کی راہ سے آکر حج کرونگا۔ اور پھر لوٹ کر بمبئی کی راہ سے آئے اور کہے کہ اب ہو گا حج تو وہ محض احمق ہے بہت آدمی مقصود تک پہنچ کر پھر لوٹتے ہیں طریق کی

طرف سے

دست بوسی چوں رسید از دست شاہ　　　　پائے بوسی اندراں دم شد گناہ

تھوڑی دیر بعد ایک صاحب نے سوال کرنا چاہا کہ ایک ہندو نے یہ اعتراض کیا تھا فوراً حضرت نے فرمایا کہ اگر خود آپ کو تردد ہو تو دریافت کیجئے اور شبہ کو خود اپنی طرف سے نقل کیجئے انہوں نے کہا کہ مجھے تو تردد نہیں۔ میں تو اسلام ہی کو حق سمجھتا ہوں۔ فرمایا کہ بس پھر فضول سے ہے پوچھنا۔ انہوں نے کہا کہ بعض مرتبہ ہندو لوگ اعتراض کر بیٹھتے ہیں۔ فرمایا کہ آپ ان سے یہ کہہ دیا کیجئے کہ ہم نہیں جانتے۔ ہمارے علماء سے پوچھو۔ پھر علماء ان سے خود نبٹ لیں گے یہ تو ظاہر ہے کہ آپ سب اعتراضات کے جوابات یاد نہیں کر سکتے اگر اس اعتراض کا جواب یہاں سے سن کر آپ نے دے بھی دیا تو اور کس کس اعتراض کا آپ جواب دیں گے کہیں نہ کہیں پہنچ کر آپ کو ضرور کہنا ہو گا کہ ہم نہیں جانتے ہمارے علماء سے پوچھو۔ پھر شروع ہی سے یہ کیوں نہ کہہ دیا جائے۔

ایک ہندو مجھ سے ریل میں ملا اس نے مجھ سے مذہب کی بابت کچھ گفتگو کرنی چاہی۔ میں نے کہا کہ اگر محض گفتگو مقصود ہے تب تو وقت ضائع کرنا بالکل فضول ہے اور اگر آپ کو تحقیق منظور ہے تو تحقیق کا یہ طریقہ نہیں۔ آپ میرے ساتھ تھانہ بھون چلئے اور دو مہینے میرے پاس رہیے۔ ایک جلسہ تحقیق کے لئے ہرگز کافی نہیں ہو سکتا بس اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔

ایک ہندو یہاں آیا تھا اس نے مجھ سے کچھ سوالات کئے میں نے کہا کہ اگر تم الزامی جواب چاہتے ہو تو ان کے لئے تو "وید" کے جاننے کی ضرورت ہے اور میں وید جانتا نہیں اور اگر تحقیقی جواب چاہتے ہو تو پہلے مجھے یہ بتلا دو کہ تم نے پڑھا کیا کیا ہے۔ تم کیا کیا جانتے ہو۔ تاکہ معلوم ہو کہ آیا تم ان جوابات کو سمجھ بھی سکو گے یا نہیں۔ اس نے دو چار کتابوں کے نام لئے۔ میں نے کہا کہ اتنا علم تحقیقی جوابات کے سمجھنے کے لئے کافی نہیں۔ الزامی جوابات کے لئے تو میرا علم کافی نہیں۔ اور تحقیق کیلئے تمہارا علم کافی نہیں۔ پھر تو تو میں میں فضول ہے

چلو بس ہو چکا ملنا نہ تم خالی نہ ہم خالی

پھر فرمایا کہ ایسے جوابات سے یہ ضرور ہے کہ لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ انہیں کچھ آتا نہیں لیکن ہم نے کب اشتہار دیا تھا کہ ہمیں کچھ آتا ہے۔ اس ہندو نے یہاں سے جا کر لوگوں سے بہت

تعریف کی۔ لیکن کہا کہ پرانے فیشن کے ہیں۔ پھر فرمایا کہ ہمیں تو فخر ہے کہ ہم پرانے فیشن کے ہیں۔ استفسار پر فرمایا کہ اگر کوئی شخص تحقیق چاہے تو یہ پاس رہنے سے ہو سکتا ہے۔ ایک جلسہ میں طے نہیں ہو سکتا۔ جو ہمارے پاس آکر رہے گا اس کو سمجھائیں گے۔ اول تو اس کے بہت سے سوالوں کو بے ہودہ ثابت کریں گے۔ پھر جب مختلف جلسوں میں اس کے مذاق اور فہم کا اندازہ ہو جائے گا۔ اور اس کو بھی ایک گونہ مناسبت پیدا ہو جائے گی تب اس کے بقیہ سوالات کا جواب اس کی سمجھ اور مذاق کے موافق دے کر اس کو سمجھا دیں گے پس اگر طالب نہیں تو فضول ہے اور اگر طلب ہے تو دو مہینہ رہنا آسان۔ حضرت طلب کی تو صورت ہی اور ہوتی ہے۔ آج کل تو معترض لوگوں کو عناد ہے تحقیق تھوڑا ہی منظور ہے پھر ان صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ بھلا میں یہ پوچھتا ہوں کہ اگر آپ اس ہندو کے اعتراض کا جواب دید یتے تو بس وہ مسلمان ہو جاتا۔ انہوں نے کہا کہ نہیں بلکہ وہ تو مر بھی گیا۔ فرمایا کہ پھر تو آپ کا پوچھنا اور بھی فضول تھا۔ بس عوام کے لئے سیدھا اور سچا جواب یہی ہے کہ ہم نہیں جانتے ہمارے علماء سے پوچھو۔

صحابہؓ کا تو یہ طرز تھا کہ بے تکلف کہہ دیا کرتے تھے کہ ہمیں نہیں معلوم۔ ہم رسولؐ سے پوچھ کر بتلائیں گے۔ اصلی جو طریقہ ہے اسلام کا وہ تو یہی ہے لیکن افسوس حقائق مٹ گئے اور مٹے ہی نہیں بلکہ ظاہر جو کئے جاتے ہیں تو ان کی وقعت نہیں ہوتی۔ رواج غالب ہو گئے ہیں ہر چیز پر۔

ایک عیسائی کے کچھ اعتراضات ایک پرچہ میں چھپے جن کا جواب قرآن سے مانگا تھا میں نے جواب تحریر کر کے اس پرچہ کے دفتر میں بھیج دیا کہ آپ کا یہ کہنا کہ قرآن سے جواب دو۔ متضمن ہے ایک دعویٰ ہی غلط ہے۔ مسلمان کب کہتے ہیں کہ یہ سب مسائل قرآن ہی سے ثابت ہیں ان کے یہاں کسی مسئلہ کے ثبوت کے لئے چار دلائل موضوع ہیں۔ قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس۔ لہٰذا انہیں حق ہے کہ ان میں سے کسی ایک دلیل سے ثابت کر دیں۔ ہاں خود ان دلائل کی صحت کا ثابت کرنا ہمارے ذمہ ہے۔ سائل کو ہمارے دعوے کو محفوظ رکھ کر سوال کرنا چاہیے تھا۔ لہٰذا یہ سوال ہی فضول ہے اور باوجودیکہ نہایت تحقیقی جواب تھا۔ کیونکہ موٹی بات ہے کہ اگر مدعی اپنے دعوے کے اثبات میں دو گواہ پیش کرے تو مدعا علیہ مجیب کو یہ تو حق ہے کہ ان گواہوں پر جرح قدح کرے۔ لیکن تعیین گواہان کا ہرگز حق نہیں کہ میں جب تک دعوے کو تسلیم نہ کروں گا۔ جب

تک فلاں فلاں گواہ آکر شہادت نہ دیں۔ مثلاً جج صاحب اور کلکٹر صاحب۔ لیکن باوجود اس کے معقول ہونے کے اس جواب کی قدر نہیں کی گئی بلکہ اور لوگوں نے جو گھڑ گھڑا کر قرآن سے ثابت کر کے جواب دیئے وہ تو صاحب پرچہ نے چھاپے مگر میرا جواب نہیں چھاپا گیا۔ قانونی جواب ہمیشہ بے مزہ ہوتا ہے۔

دیکھئے قانون کی دفعات روزمرہ کچہریوں میں پڑھی جاتی ہیں لیکن ان پر کسی کو وجد نہیں آتا۔ اور اگر مومن کی غزل کا ایک شعر کوئی پڑھ دیتا ہے تو لوگ رقص کرنے لگتے ہیں مگر دیکھ لیجئے کہ اصل چیز کون سی ہے شاعری ہے یا قانون ۔ قانون وہ چیز ہے جس کی بدولت امن قائم ہے۔ اور سلطنت کا نظام اسی پر مبنی ہے اگر امن نہ ہوتا تو شاعر صاحب کو وہ شعر بھی نہ سوجھتا جس پر وجد ہو رہا ہے۔

ایک مولوی صاحب سے ایک نو تعلیم یافتہ نے داڑھی کا ثبوت قرآن سے طلب کیا انہوں نے کہا کہ دیکھو قرآن مجید میں ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کو حضرت ہارون علیہ السلام پر غصہ آیا تو انہوں نے ان کی داڑھی پکڑلی۔ دیکھو قرآن سے نبی کے داڑھی ہونا ثابت ہے۔ میرے سامنے ان مولوی صاحب نے یہ جواب نقل کیا۔ میں نے کہا کہ مولانا اس سے تو آپ نے داڑھی کا وجود ثابت کر دیا۔ وجوب تو ثابت نہ ہوا۔ اور گفتگو تھی وجوب میں۔ ورنہ محض وجود ثابت کرنے کیلئے آپ نے قرآن کا ناحق تکلیف دی ۔ اپنی ہی داڑھی دکھلادی ہوتی کہ اے لو یہ داڑھی کا ثبوت ہے۔ مشاہدہ کا انکار بھی نہ ہو سکتا۔ اور اس جواب پر تو اگر وہ آپ سے یہی سوال کرتا جو میں نے کیا تو آپ کیا جواب دیتے ؟ مولوی صاحب کیا فرماتے ہیں کہ اجی اس میں اتنی عقل ہی کہاں تھی جو یہ سوال اسے سوجھتا۔

پھر فرمایا کہ ہمارے تو منہ سے بھی کبھی ایسی لچر بات نہ نکل سکتی۔ یہاں تو وہ بات کہی جاتی جو اپنے نزدیک قیامت تک نہ ٹلے ۔ اور میں کہتا ہوں کس کس بات کو قرآن سے ثابت کرو گے ۔ آخر کہیں تو عاجز ہو گے ۔ مغرب کی تین رکعتیں کون سی آیت سے ثابت کرو گے ۔ اخیر میں وہ ہی تحقیقی جواب دینا پڑے گا۔ پھر اول ہی سے تحقیقی جواب کیوں نہیں دیدیتے پھر فرمایا کہ عوام کے لیے عمدہ طریقہ یہ ہے کہ صاف کہہ دیں کہ ہم بلا ضرورت مذہبی گفتگو نہیں کرنا چاہتے۔ مذہبی گفتگو سے

تعریف کی۔ لیکن کہا کہ پرانے فیشن کے ہیں۔ پھر فرمایا کہ ہمیں تو فخر ہے کہ ہم پرانے فیشن کے ہیں۔ استفسار پر فرمایا کہ اگر کوئی شخص تحقیق چاہے تو یہ پاس رہنے سے ہو سکتا ہے۔ ایک جلسہ میں طے نہیں ہو سکتا۔ جو ہمارے پاس آکر رہے گا اس کو سمجھائیں گے۔ اول تو اس کے بہت سے سوالوں کو بے ہودہ ثابت کریں گے۔ پھر جب مختلف جلسوں میں اس کے مذاق اور فہم کا اندازہ ہو جائے گا۔ اور اس کو بھی ایک گونہ مناسبت پیدا ہو جائے گی تب اس کے بقیہ سوالات کا جواب اس کی سمجھ اور مذاق کے موافق دے کر اس کو سمجھا دیں گے پس اگر طالب نہیں تو فضول ہے اور اگر طلب ہے تو دو مہینہ رہنا آسان۔ حضرت طلب کی تو صورت ہی اور ہوتی ہے۔ آج کل تو معترض لوگوں کو عناد ہے تحقیق تھوڑا ہی منظور ہے پھر ان صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ بھلا میں یہ پوچھتا ہوں کہ اگر آپ اس ہندو کے اعتراض کا جواب دیدیتے تو بس وہ مسلمان ہو جاتا۔ انہوں نے کہا کہ نہیں بلکہ وہ تو مر بھی گیا۔ فرمایا کہ پھر تو آپ کا پوچھنا اور بھی فضول تھا۔ بس عوام کے لئے سیدھا اور سچا جواب یہی ہے کہ ہم نہیں جانتے ہمارے علماء سے پوچھو۔

صحابہؓ کا تو یہ طرز تھا کہ بے تکلف کہہ دیا کرتے تھے کہ ہمیں نہیں معلوم۔ ہم رسولؐ سے پوچھ کر بتلائیں گے۔ اصلی جو طریقہ ہے اسلام کا وہ تو یہی ہے لیکن افسوس حقائق مٹ گئے اور مٹے ہی نہیں بلکہ ظاہر جو کئے جاتے ہیں تو ان کی وقعت نہیں ہوتی۔ رواج غالب ہو گئے ہیں ہر چیز پر۔

ایک عیسائی کے کچھ اعتراضات ایک پرچہ میں چھپے جن کا جواب قرآن سے مانگا تھا میں نے جواب تحریر کر کے اس پرچہ کے دفتر میں بھیج دیا کہ آپ کا یہ کہنا کہ قرآن سے جواب دو۔ متضمن ہے ایک دعویٰ ہی غلط ہے۔ مسلمان کب کہتے ہیں کہ یہ سب مسائل قرآن ہی سے ثابت ہیں ان کے یہاں کسی مسئلہ کے ثبوت کے لئے چار دلائل موضوع ہیں۔ قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس۔ لہٰذا انہیں حق ہے کہ ان میں سے کسی ایک دلیل سے ثابت کر دیں۔ ہاں خود ان دلائل کی صحت کا ثابت کرنا ہمارے ذمہ ہے۔ سائل کو ہمارے دعوے کو محفوظ رکھ کر سوال کرنا چاہیے تھا۔ لہٰذا یہ سوال ہی فضول ہے اور باوجود یکہ نہایت تحقیقی جواب تھا۔ کیونکہ موٹی بات ہے کہ اگر مدعی اپنے دعوے کے اثبات میں دو گواہ پیش کرے تو مدعا علیہ مجیب کو یہ تو حق ہے کہ ان گواہوں پر جرح قدح کرے۔ لیکن تعیین گواہان کا ہرگز حق نہیں کہ میں جب تک دعوے کو تسلیم نہ کروں گا۔ جب

تک فلاں فلاں گواہ آکر شہادت نہ دیں۔ مثلاً جج صاحب اور کلکٹر صاحب۔ لیکن باوجود اس کے معقول ہونے کے اس جواب کی قدر نہیں کی گئی بلکہ اور لوگوں نے جو گھڑ گھڑ اکر قرآن سے ثابت کر کے جواب دیئے وہ تو صاحب پرچہ نے چھاپے مگر میرا جواب نہیں چھاپا گیا۔ قانونی جواب ہمیشہ بے مزہ ہوتا ہے۔

دیکھئے قانون کی دفعات روزمرہ کچہریوں میں پڑھی جاتی ہیں لیکن ان پر کسی کو وجد نہیں آتا۔ اور اگر مومن کی غزل کا ایک شعر کوئی پڑھ دیتا ہے تو لوگ رقص کرنے لگتے ہیں مگر دیکھ لیجئے کہ اصل چیز کون سی ہے شاعری ہے یا قانون۔ قانون وہ چیز ہے جس کی بدولت امن قائم ہے۔ اور سلطنت کا نظام اسی پر مبنی ہے اگر امن نہ ہوتا تو شاعر صاحب کو وہ شعر بھی نہ سوجھتا جس پر وجد ہو رہا ہے۔

ایک مولوی صاحب سے ایک نو تعلیم یافتہ نے داڑھی کا ثبوت قرآن سے طلب کیا انہوں نے کہا کہ دیکھو قرآن مجید میں ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کو حضرت ہارون علیہ السلام پر غصہ آیا تو انہوں نے ان کی داڑھی پکڑلی۔ دیکھو قرآن سے نبی کے داڑھی ہونا ثابت ہے۔ میرے سامنے ان مولوی صاحب نے یہ جواب نقل کیا۔ میں نے کہا کہ مولانا اس سے تو آپ نے داڑھی کا وجود ثابت کر دیا۔ وجوب تو ثابت نہ ہوا۔ اور گفتگو تھی وجوب میں۔ ورنہ محض وجود ثابت کرنے کیلئے آپ نے قرآن کا ناحق تکلیف دی۔ اپنی ہی داڑھی دکھلا دی ہوتی کہ اے لو یہ داڑھی کا ثبوت ہے۔ مشاہدہ کا انکار بھی نہ ہو سکتا۔ اور اس جواب پر تو اگر وہ آپ سے یہی سوال کرتا جو میں نے کیا تو آپ کیا جواب دیتے ؟ مولوی صاحب کیا فرماتے ہیں کہ ابی اس میں اتنی عقل ہی کہاں تھی جو یہ سوال اسے سوجھتا۔

پھر فرمایا کہ ہمارے تو منہ سے بھی کبھی ایسی لچر بات نہ نکل سکتی۔ یہاں تو وہ بات کہی جاتی جو اپنے نزدیک قیامت تک نہ ٹلے۔ اور میں کہتا ہوں کس کس بات کو قرآن سے ثابت کرو گے۔ آخر کہیں تو عاجز ہو گے۔ مغرب کی تین رکعتیں کون سی آیت سے ثابت کرو گے۔ اخیر میں وہ ہی تحقیقی جواب دینا پڑے گا۔ پھر اول ہی سے تحقیقی جواب کیوں نہیں دیدیتے پھر فرمایا کہ عوام کے لیے عمدہ طریقہ یہ ہے کہ صاف کہہ دیں کہ ہم بلا ضرورت مذہبی گفتگو نہیں کرنا چاہتے۔ مذہبی گفتگو سے

رنج ہوتا ہے ۔ پھر حکیم صاحب کی طرف روئے سخن کر کے فرمایا کہ اسی طرح اگر اپنے بزرگوں کو کوئی برا بھلا کہے تو فورا زمی کے ساتھ کہہ دے کہ بھائی ! ہمیں صدمہ ہوتا ہے ہمارے سامنے نہ کہو۔ یہ عنوان بہت نافع ہے پھر اس کہنے والے کے دل میں گھر ہو جائے گا۔ پھر اس شخص کے سامنے ہرگز نہ کہے گا کیونکہ نرم جواب ہے اور معقول بات حق تعالیٰ کا ارشاد ہے **واذا خاطبهم الجهلون قالوا سلاماً** . سلاما کا ترجمہ میں نے بہت اچھا اپنی تفسیر میں کیا ہے یعنی کہتے ہیں رفع شر کی بات۔ واقعی رفع شر اسی میں ہے کہ ان کے جواب کے درپے نہ ہو۔ کفار حضور کو نعوذباللہ ! نعوذباللہ مذمم کہا کرتے تھے دیکھئے آپ نے اصحاب کو کیسا ٹھنڈا فرمایا۔ فرمایا کہ **انظر واکیف صرف الله عنی شتم قریش یشتمون مذمما ویلعنون مذمما وانا محمد** .

یعنی فرمایا کہ مذمم میں تھوڑا ہی ہوں میں تو محمدؐ ہوں (ﷺ) وہ جو کہتے ہیں مذمم کو کہتے ہیں جو مذمم ہو وہ برا مانے میں تو محمد ہوں (ﷺ)۔ گو اس پر منطقی شبہ یہ ہو سکتا تھا کہ گو وہ لوگ مذمم کو برا بھلا کہتے ہیں۔ لیکن مذمم سے ان کی مراد تو حضور ہی ہیں۔ لیکن اس سے اتنا معلوم ہوا کہ آپ نے صحابہ کو ٹھنڈا کرنا چاہا۔ بات کو ختم کرنا چاہا بڑھانا نہیں چاہا۔ سو اس مقصود میں یہ منطقی شبہ مخل نہیں۔

دیکھئے یہ طریق سنت ہے لیکن یہ سب سمجھ میں جب آتا ہے بلکہ خود جی میں بھی آتا ہے کہ ایسا کریں ۔جب کوئی چیز بہت بڑی اس کے دل میں بسی ہوئی ہو اور اس کی لو لگی ہو۔ دیکھئے خدانخواستہ اگر کسی کا بیٹا مر گیا ہو اس وقت اگر کوئی فضول قصے ادھر کے ادھر کے لیے بیٹھے تو سخت ناگوار ہوگا اور کہنے والے کو فورا روک دے گا کہ ہم آپ ہی مصیبت میں مبتلا ہیں ۔تمہیں چوچلے سوجھے ہیں ۔ ایک بیٹے کی مشغولی سے کیسی تمیز ہو گئی فضول اور ضروری میں پھر خدا کی مشغولی میں کیوں نہیں تمیز ہو گی کہ یہ ضروری ہے یہ غیر ضروری۔

بس معلوم ہوا کہ خدا کے ساتھ شغل ہی نہیں قلب کو۔ بعضے بعضے لوگ اعتراض میری تصانیف پر لکھ کر بھیجتے ہیں۔ مجھے ان کے دیکھنے کی بھی فرصت نہیں۔ اس لئے یہ کرتا ہوں کہ انہیں جلسہ چھپوا دیتا ہوں کہ دیکھنے والے خود فیصلہ کر لیں۔ پھر فرمایا کہ کوئی مجھ سے پوچھے قدر ان اصول کی ۔ اگر سرکاری کام کا ہجوم ہو۔ اور ایک وقت معین پر کاغذات داخل کرنا پڑیں ۔ اور ان اوقات میں کوئی اس قسم کی فضول باتیں کرے تو دیکھئے کیا ہوگا۔ اس سے اندازہ کیجئے کہ مشغولی وہ چیز ہے

ضروری کام میں مشغولی ایسی ہوتی ہے جب تک کاغذات نہ داخل ہو جائیں گے وہ کبھی ان فضولیات کی طرف کان بھی نہ لگاوے گا۔ تو ہمارے کاغذات ابھی داخل نہیں ہوئے ہم کو اس شخص کی طرح رہنا چاہیے۔ جس کے ابھی کاغذات داخل نہیں ہوئے جب ہمارے کاغذات داخل ہو جائیں اور داہنے ہاتھ میں آجائیں تب البتہ کہیں گے کہ ھاٰؤم اقرءوا کتٰبیہ۔ ابھی تو ہم خود چکر میں ہیں ہاں جو ضروری باتیں ہوں وہ ہونا چاہیں۔ مگر گفتگو ان میں ہے جو ضروری نہ ہوں۔ پھر فرمایا کہ اگر حکیم صاحب یہاں کچھ روز رہیں تو انہیں اس فن میں تو میں فاضل بنادوں یعنی فضول اور غیر فضول کی تمیز میں۔ کیونکہ بھولے ہیں ایک دفعہ کی بات ذہن میں آتی نہیں۔ پھر یہ اشعار پڑھے ۔

ہر چہ از دوست دامانی چہ زشت آں حرف وچہ زیبا ہر چہ از یار دور افتی چہ زشت آں نقش وچہ زیبا

ہر چہ جز ذکر خدائے احسن ست گر شکر خوار ریست آں جاں کندن ست

دوسرے دن فرمایا کہ جن صاحب نے ہندو کا اعتراض پیش کرنا چاہا تھا وہ ہی لوگوں سے شکایت کرتے تھے حالانکہ میں نے ان سے کوئی ایسی بات بھی نہیں کہی تھی۔ اور ماشاء اللہ حکیم صاحب کو دیکھئے کہ میں نے بیچاروں کو کتنا کچھ کہا۔ لیکن محبت اس کو کہتے ہیں کہ ذرا ناگوار نہیں ہوا۔ پھر فرمایا کہ حکیم صاحب ویسے نہایت نیک شخص ہیں لیکن بھولے ہیں۔

۱۰ شعبان المعظم ۱۳۵۴ ھجری

ملفوظ (۵۷۸) کثیر الاشغال کو یادداشت کا طریقہ

فرمایا کہ کثیر اشغال شخص کو زبانی یاد پر اکتفا نہیں کرنا چاہیے بلکہ ضروری کاموں کو لکھ لینا چاہیے۔

ملفوظ (۵۷۹) اپنی چیز اس طرح رکھے کہ دوسروں کو حفاظت نہ کرنی پڑے

احقر قلم دوات اور کاغذات رکھ کر چلا گیا تھا۔ پنکھے کی ہوا سے کاغذات اڑتے تھے اور دوات ایسی جگہ رکھی تھی کہ اٹھنے میں ٹھوکر لگ کر فرش پر کسی قدر روشنائی گر گئی فرمایا کہ اپنی چیز کو اس طرح رکھ کر جانا چاہیے کہ دوسروں کو حفاظت نہ کرنی پڑے۔

ملفوظ (۵۸۰) اب سفر سے الجھن ہونے لگی ہے۔ آرام کی خاطر پہرہ بٹھانا بزرگوں کی وضع کے خلاف ہے۔

فرمایا کہ اصرار کی عادت بہت تکلیف دہ ہے اس لئے بھی سفر کا مجھ کو تحمل نہیں ہوتا ویسے سفر تفریح کی چیز ہے۔ لیکن چونکہ اس میں اصرار ہوتا ہے نیز انضباط اوقات بھی نہیں ہوتا۔ اس لئے نہایت تکلیف ہوتی ہے۔ تمام اوقات خراب۔ نہ سونا وقت پر۔ نہ کھانا وقت پر۔ پچھلے سفر میں مجھے پیچش ہو گئی۔

میزبان نے بہت سے آدمیوں کو مدعو کیا تھا۔ ایسی حالت تھی کہ اگر اس وقت گھر ہوتا تو ہرگز کھانا نہ کھاتا لیکن میں نے دیکھا کہ گھر بھر میں افسردگی پھیل گئی۔ اسلئے توکلا علی اللہ میں بھی شریک ہو گیا۔ ایسی باتیں سفر میں ہو جاتی ہیں۔ سفر قوی الطبیعت آدمی کا کام ہے۔ ضعیف الطبیعت کا کام ہے نہیں۔ پہلے میری طبیعت قوی تھی کسی چیز کی پرواہ نہ ہوتی تھی اب طبیعت چونکہ ضعیف ہو گئی ہے۔ ہر چیز سے تکلیف ہوتی ہے۔ اور بعض امور تو خاص طور سے بہت ہی تکلیف دہ پیش آتے ہیں سفر میں۔ چنانچہ ہجوم سے طبیعت بہت پریشان ہوتی ہے اور پھر یہ بھی نہیں کہ مجمع ہے ساکت بیٹھے رہیں۔ نہیں۔ کچھ نہ کچھ کچھ نہ کچھ کہے جاؤ۔ مختلف طبیعتوں کے لوگ۔ مختلف باتیں بعضوں کو تو محض مشغلہ چاہیے فضول فضول باتیں کہیں ادھر کی کہیں ادھر کی۔ اس سے بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ خیر یہ بھی سہی۔ لیکن سب سے بڑا غضب یہ ہے کہ بے وقت ہجوم۔ یعنی ایک تو دوپہر کے کھانے اور ایک عشاء کے بعد۔ اور عشاء کے بعد تو میں یہ چاہتا ہوں کہ مجھ سے کوئی ذرا سی بات بھی نہ کرے۔ پاس بیٹھنا یا راستہ میں ساتھ چلنا بھی گو بولے کچھ نہیں لیکن یہ بھی ناگوار ہوتا ہے اور سفر میں۔ بالخصوص انہیں دو وقتوں میں لوگ زیادہ آتے ہیں سمجھتے ہیں کہ تنہائی کا وقت ہے میں کہتا ہوں کہ جب سب انہیں وقتوں میں تنہائی کا موقع سمجھ کر آئیں گے تو وہ تنہائی ہی کہاں رہی۔ اور پہرہ بٹھانا طبیعت کے بھی خلاف ہے۔ اور اس سے لوگوں کو شکایت بھی ہوتی ہے یہ خرابی ہے کہ لوگ اپنی مصلحت کے سامنے کسی کی مصلحت کا خیال نہیں کرتے جونپور میں ایک سب انسپکٹر صاحب ملنے آئے۔ میں نے چار پانچ گھنٹے کھڑے ہو کر وعظ کہا تھا دماغ بھی تھک گیا۔ پیر بھی تھک گئے۔ ہجوم اس وقت بھی منتشر نہ ہوا تھا۔ میں نے چاہا کہ آدھا گھنٹہ تنہائی کا میسر ہو جائے تو کچھ سکون ہو۔ ہاں ایسے

لوگوں کی موجودگی سے تکلیف نہیں ہوتی۔ جن سے بے تکلفی ہے یعنی ایسی بے تکلفی ہو کہ ان کے سامنے چاہے لیٹ جاؤں چاہے پیر پھیلا دوں۔ چاہے ان سے بدن دبوالوں۔ میں نے ایسے دو تین آدمی لے کر کمرہ اندر سے بند کر لیا۔ بس اور کچھ نہیں کیا۔ میاں فاروق بلا میرے کہے محبت سے خود ہی کمرہ کے دروازہ پر بیٹھ گئے۔ وہ سب انسپکٹر صاحب تشریف لائے۔ انہوں نے کہا کہ اطلاع کر دو۔ فاروق نے کہا کہ وہ اس وقت بہت تھک رہا ہے۔ بس خفا ہو گئے اور یہ کہہ کر چلے گئے ؎

چو کفر از کعبہ بر خیزد کجا ماند مسلمانی

بعد میں مجھے معلوم ہوا۔ میں نے کہا کہ خیر احمقوں کی رعایت ہی کیا۔ یہ حالت ہے آدھا گھنٹہ بیٹھنا ناگوار ہوا۔ بس شان گھٹتی تھی۔ ایسے ایسے امور سفر میں پیش آتے ہیں۔ بعضے خبیث طبیعت ہوتے ہیں ان کو عداوت پیدا ہو جاتی ہے۔ اسلئے کہتا ہوں کہ پہرہ بٹھانا اول تو بزرگوں کی وضع کے خلاف ہے۔ دوسرے عداوتیں پیدا ہوتی ہیں۔ یہ فتنے ہیں اس میں۔ اس واسطے اچھی صورت یہی ہے ہمارے لئے کہ پنشن لے کر ایک کونے میں بیٹھے رہیں۔ اب تو میں نے سفر بہت ہی کم کر دیا ہے۔ لیکن اب ارادہ ہے کہ بالکل ہی نہ کروں۔ البتہ آس پاس کی جگہوں میں تکلیف نہیں ہوتی۔

مثلاً دیوبند سہارن پور، رام پور، کاندھلہ یہاں کے لوگوں سے قرابتیں بھی ہیں۔ اور اصل بات تو یہ ہے کہ یہاں سادگی ہے اول تو خود ہی خیال رکھتے ہیں اور اگر کہہ بھی دیا جائے تو ذرا برا نہیں مانتے دوسرے زیادہ ہجوم بھی نہیں ہوتا۔ کیونکہ وطن اور برادری کے لوگ اتنی عقیدت بھی نہیں رکھتے۔ گو محبت زیادہ کرتے ہیں۔ اگر سفر میں چوبیس گھنٹے میں سے صرف دو وقت تو آرام کے لئے دیا کریں یعنی دوپہر کے کھانے کے بعد اور عشاء کے بعد تو یہ ذرا سی رعایت کیا مشکل ہے لیکن بے حسی ہو گئی ہے۔ بات یہ ہے کہ خود ان کو ایسا اتفاق زیادہ نہیں ہوتا۔ دو چار مہمان کبھی آگئے دو ایک روز جاگ لیے روزانہ تو آدمی ایسا نہیں کر سکتا کیسے تحمل کرے۔

ملفوظ (۵۸۱) نوجوانی کی کم ہمتی

ایک نوجوان نے کام میں کچھ کم ہمتی کی۔ فرمایا کہ میں سفر سے رات کو آیا۔ صبح کام کرتا تھا نیند کے مارے گر گر پڑتا تھا۔ بعض جگہ ترجمہ کچھ کا کچھ لکھ گیا۔ اور پھر درست کیا بیچ میں لیٹ لیٹ جاتا تھا۔ پھر اٹھتا تھا کہ آخر کام تو مجھی کو کرنا ہے۔ برابر پانچ پانچ چھ چھ گھنٹوں اس حالت میں بھی کام

کئے۔ اب جو نوجوان ہیں، کسی کام کے نہیں۔

حق تعالیٰ قلب میں ایک تقاضا پیدا فرما دیتے ہیں ان کے قلب میں تقاضا نہیں ہوتا۔

لیکن کیا کریں غصہ آتا ہے کہ اپاہج تو نہیں پھر کیوں سستی کرتے ہیں۔

ملفوظ (۵۸۲) اپنے کے ساتھ معاملہ کرنے میں نقصان ہوتا ہے

فرمایا کہ مشہور تو یہ ہے کہ تعاملوا کالا جانب وتعاشروا کالا خوان یعنی معاملہ کرو مثل اجنبیوں کے اور معاشرت کرو مثل بھائیوں کے۔ لیکن چونکہ آج کل یہ مشکل ہے کہ اخوان کے ساتھ معاملہ تو ہو مگر اجانب کا سا۔ اس لئے میں نے اس میں ترمیم کی ہے یعنی تعاملوا مع الاجانب وتعاشروا مع الاخوان۔ معاملہ کرو اجنبیوں کے ساتھ اور معاشرت کرو بھائیوں کے ساتھ یعنی اخوان کے ساتھ حتی الامکان معاملہ ہی نہ کرو میں نے کل کی بجائے مع کر دیا ہے۔ کُل کُل کو اڑا دیا۔ تاکہ کل کل نہ رہے۔ اکثر دیکھا ہے اپنوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں خرابی ہوتی ہے اور نقصان بھی اٹھانا پڑتا ہے۔

ملفوظ (۵۸۳) دنیاداروں کی محبت کا بھی مزا نہیں۔ تھوڑے ہدیہ میں خوشی زیادہ اور اک صحیح

احقر کے یہاں سے متعدد روٹیاں اور زیادہ سالن حضرت کے یہاں مستورات نے بھیجا کئی بار پیشتر بھی اسی طرح جا چکا تھا۔ اب کی مرتبہ صرف ایک روٹی اور تھوڑا سالن لیکر باقی واپس فرمایا۔ اور تنبیہ فرمائی۔ بعد کو اس کا ذکر آگیا تو احقر سے فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ یہ تو انہوں نے تار ہی باندھ دیا۔ اس لئے تنبیہ کرنی پڑی کیونکہ آپ کو یہاں مسافرانہ طور پر رہنا چاہیے۔ اس طرح ہدایا بھیجنے میں آپ کا اچھا خاصا خرچ ہو جاتا ہے اور میرا کچھ بھلا نہیں ہوتا۔ ہاں ایک روٹی اور تھوڑا سا سالن بلا خاص اہتمام کے بھیج دیا جائے تو مضائقہ نہیں۔ مجھے تھوڑے ہدیہ میں بہت خوشی ہوتی ہے۔ زیادہ مقدار سے بار ہوتا ہے۔ عورتوں سے یہ بھی فرمایا کہ جب آپ لوگ مجھ سے محبت کرتے ہیں تو مجھ کو بھی تو آپ لوگوں سے محبت ہے اسی لئے اس کا بہت خیال رہتا ہے کہ کسی طرح کی آپ

کو تکلیف یا آپ پر بار نہ ہو مگر بات یہ ہے کہ عورتیں تھوڑی چیز بھیجنے میں یا تو اپنی شان کے خلاف سمجھتی ہیں یا میری شان کے خلاف سمجھتی ہیں۔

بھلا محبت میں شان کیسی یہ تو دین نہیں محض دنیا ہے۔ دنیاداروں میں دیکھا ہے دوستوں سے بھی تکلف اور تصنع سے ملتے ہیں۔ ایک کو دوسرے کے ساتھ شان کا بہت خیال رہتا ہے۔ دنیاداروں میں محبت کا بھی مزا نہیں۔

ایک عزیز جو کانپور میں میرے پاس بچے سے رہے تھے رستہ میں ملے میرے ہاتھ میں اس وقت آدھا کھایا ہوا امرود تھا۔ میں نے کہا کہ تم چاہے بڑے آدمی ہو گئے ہو لیکن میرے سامنے تو اب بھی تم وہی جو ننگے پھرا کرتے ہو۔ میں تو تمہیں اب بھی ویسا ہی سمجھتا ہون۔ اگر تمہارا ابھی یہی خیال ہو تو اس آدھے امرود کو لے لو ورنہ مت لو۔ انہوں نے نہایت خوشی سے لیکر کھالیا۔ اور چہرہ سے معلوم ہوتا تھا کہ نہایت مسرور ہیں۔ اگر میں ایک ٹوکرہ بھر کر امرود دیتا تو اس میں ان کو اتنی مسرت نہ ہوتی تھی جتنی کہ اس ٹکڑے میں ہوئی بس اہل دین کو دین کا مزہ تو ہے ہی مگر دنیا کا بھی مزہ ان ہی کو حاصل ہے فلنحیینه حیوة طیبة مزیدار زندگی انہیں کو نصیب ہے۔

ایک بزرگ کسی بزرگ سے ملنے کیلئے چلے خیال ہوا کہ کچھ ہدیہ ہونا چاہیے۔ راستہ میں سے سوکھی سوکھی لکڑیاں چن کر گٹھا سر پر رکھ کر پہنچے اور پیش کر دیا۔ ان بزرگ نے ان لکڑیوں کی اتنی قدر کی کہ خادم خاص سے فرمایا کہ ان لکڑیوں کو حفاظت سے رکھ چھوڑو۔ جب ہمارا انتقال ہو جائے تو ان لکڑیوں سے پانی گرم کر کے اس پانی سے ہمیں غسل دینا ہمیں امید ہے کہ ان کی برکت سے ہمیں نجات ہو۔ کیونکہ یہ محض خلوص اور محبت فی اللہ سے لائی گئی ہیں۔

دیکھئے وہ لکڑیاں بہت ہوں گی چار پیسے کی ہونگی اور انہیں تو مفت ہی ملی تھی لیکن کتنی قدر ہوئی۔ حضرت انہیں کو لطف ہے محبت کا بھی۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ ایک تو ان حضرات کا ادراک صحیح ہو جاتا ہے ہر شے کی حقیقت کو سمجھتے ہیں اور اس سے متاثر و محظوظ ہوتے ہیں۔ بعض اوقات کسی کے فقط سلام سے عمر بھر کے لئے محبت ہو گئی۔ بعضا سلام کچھ ایسی ادا سے اور لب و لہجہ

سے ہوتا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا محبت ٹپکی پڑتی ہے۔ آخر کیا بات ہے۔ خدا کے فضل سے ادراک صحیح ہوتا ہے۔ اس لئے پورا اثر ہوتا ہے۔

احقر کے یاد دلانے پر فرمایا کہ مولوی محمود صاحب کا لڑکا ایک دفعہ کھیل رہا تھا اور لڑکے بھی تھے کچھ قصائیوں کے کچھ رائیوں کے۔ مجھ کو دیکھ کر سب بھاگ گئے لیکن وہ نہیں بھاگا آخر برادری کے ہیں مناسبت قدرتی ہوتی ہے وہ مجھ سے آکر لپٹ گیا مجھ کو محض اس امر کے خیال کرنے سے کہ دیکھو اس کو مجھ سے وحشت نہیں ہوئی آج تک اس سے محبت ہے صرف اتنی بات ہے کہ مجھ کو دیکھ کر بھاگا نہیں تھا اس بات کی اتنی قدر ہوئی کہ بیان نہیں کر سکتا۔ کوئی سمجھے کہ متخیلہ کا خلل ہے اتنی چیز کو اتنا بڑا سمجھ لیا۔ مگر کیا کروں جو اثر کی چیز ہے اس سے تو اثر ہوتا ہی ہے۔

ملفوظ (۵۸۴) غیر مسلموں کیلئے جی چاہتا ہے کہ وہ معتقد ہوں

فرمایا کہ ایک دیوانی کا مقدمہ سہارنپور میں تھا حاکم ہندو تھا۔ فریقین سے صلح کے لئے کہا گیا پنچوں کے نام لئے گئے فریقین بالاتفاق راضی نہیں ہوئے۔ پھر فریقین نے میرے متعلق اپنا اطمینان ظاہر کر کے میرا نام لیا اور راضی ہو گئے کہ میں فیصلہ کر دوں اس حاکم نے یہ بات کہی کہ اگر وہ شخص ایسا ہی ہے جیسا کہ تم اس کو سمجھتے ہو تو میں پیش گوئی کرتا ہوں کہ وہ فیصلہ نہیں کریگا واپس کر دیگا مجھے اس کی اطلاع بعد واپسی کاغذات کے ہوئی تھی۔

غرض میرے پاس کاغذات آئے مگر ساتھ ہی ساتھ ایک فریق کی سفارش کا خط آیا اول تو خود فیصلہ کرنا ہی میری طبیعت کے خلاف ہے پھر اس پر یہ سفارش کا خط۔ دوسرے یہ کہ قبل فریقین سے مجھ سے ملاقات میں نے کہا کہ جب وہ یہاں آئیں تو اس حکم بننے پر تو مجھ کو یہ چاہیے کہ ان سے بات بھی نہ کروں اور انہیں سرائے میں ٹھہراؤں اور یہ مجھ سے ہو نہیں سکتا تھا۔ اسلئے میں نے کاغذات واپس کر دیئے اور کوئی عذر لکھ بھیجا۔ اور یہ بات مجھ کو بعد میں معلوم ہوئی کہ اس حاکم نے یہی پیش گوئی کی تھی۔ سچی بات ہے مجھے بڑی خوشی ہوئی کیونکہ مسلمان چاہے معتقد ہوں یا نہ ہوں لیکن غیر مسلموں کے لئے جی چاہتا ہے کہ معتقد ہوں تاکہ انہیں معلوم ہو کہ مسلمانوں میں ایسے لوگ ہیں۔ پھر فرمایا کہ اس ظالم نے دیکھئے کیا بات کہی معلوم ہوتا ہے پرانا صحبت یافتہ شخص ہے۔ پہلے لوگ ہر مذہب میں ایسے ہوتے تھے۔ نئے جنٹلمین تو بس تبرک ہی ہیں۔

ملفوظ (۵۸۵) اکابر اپنے اوپر سے قصداً طعن نہ ہٹاتے تھے۔ حضرت نانوتویؒ پر اخلاق کا غلبہ

فرمایا کہ اکابر کو اس کا قصد نہیں ہوتا تھا کہ اپنے اوپر سے طعن کو ہٹادیں۔ اگر پڑے پڑنے دیتے تھے۔

خلق میگوید کہ خسرو بت پرستی میکند ‍ ‍ ‍ ‍ آرے آرے میکند با خلق عالم کار نیست

بات یہ ہے کہ وہ اپنی نظر میں سب سے ذلیل ہوتے ہیں یہ بالکل وجدانی امر ہو جاتا ہے۔ کسی مدح کا اپنے کو مستحق نہیں سمجھتے۔ بلکہ خدا یہ تعجب ہوتا ہے کہ لوگ ہمارے معتقد کیوں ہیں۔ باوجود اتنے عیوب کے اور بعضے تو اس قدر مغلوب ہوتے ہیں کہ اپنے عیوب کھولنے لگتے ہیں۔ تاکہ لوگ معتقد نہ رہیں۔ لیکن مقتداء کو ایسا نہیں چاہیے اس میں عوام کا ضرر ہے۔ حضرت حاجی صاحب پر بہت غالب تھا۔ یہ حال تواضع کا۔ عیب تو نہیں کھولتے تھے لیکن فرمایا کرتے تھے۔ کہ دیکھو حق تعالیٰ نے ستاری فرما رکھی ہے کہ لوگوں کو میرے عیوب کی خبر نہیں اسلئے معتقد ہیں۔

ایک مشہور بزرگ حضرت کی خدمت میں آئے اور اظہار عقیدت مندی کرتے رہے جب چلے گئے تو ہمیں خیال ہوا کہ جب ایسے بزرگ حضرت کے معتقد ہیں تو حضرت کے کامل ہونے میں کیا شک ہے۔ مگر ان کے جانے کے بعد حضرت کیا فرماتے ہیں کہ دیکھو حق تعالیٰ کی ستاری کیا ٹھکانہ ہے ان کی ستاری کا کہ اہل نظر سے بھی ہمارے عیوب کو چھپا رکھا ہے میرے عیوب کی انہیں بھی خبر نہیں۔

مولانا محمد قاسم صاحب پر اخلاق کا اس قدر غلبہ تھا کہ بعض اوقات عوام کی مصلحت کا بھی خیال نہ رہتا تھا۔ ایک صاحب نے میرٹھ میں مولانا سے دریافت کیا کہ مولوی عبدالسمیع صاحب تو مولود شریف کرتے تھے۔ آپ کیوں نہیں کرتے۔ فرمایا کہ بھائی انہیں حضور ﷺ سے زیادہ محبت معلوم ہوتی ہے اس لئے کرتے ہیں۔ مجھے بھی اللہ تعالیٰ محبت نصیب کرے۔ مولوی عبدالسمیع صاحب خود مجھ سے کہتے تھے کہ ایسے سے بھلا کوئی کیا لڑے۔ پھر فرمایا چونکہ میں ایسے بزرگوں کو دیکھے ہوئے ہوں اس لئے کوئی کچھ کہہ بھی لے تو برا نہیں معلوم ہوتا۔

اسی دوران گفتگو میں حضرت مرزا جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ بھی بیان فرمایا تھا کہ کسی نے آکر آپ سے حضرت خواجہ میر درد کی شکایت کی کہ وہ سماع سنتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ بھائی انہیں کانوں کا مرض ہے مجھے آنکھوں کا مرض ہے جو خود مریض ہو وہ دوسرے مریض کی کیا شکایت سنے۔

ملفوظ (۵۸۶) اخلاق متعارف سے نفرت

انہیں حکیم صاحب نے تحمل اور عدم ناگواری کی تعریف فرما کر جن کی تنبیہ کا حال ۸ شعبان کو ملفوظ نمبر ۵۷۴ میں درج ہے۔ فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ کے مریدین کا یہ خاصہ ہے کہ حق کو نہایت خوشی سے قبول کرنے والے ہوتے ہیں۔ اور مجھے بھی مولانا کے مریدین پر ایک قسم کا زور ہے کیونکہ مجھ کو مولانا کے مریدین سے ایک خاص تعلق ہے۔ اور ان کو بھی مجھ سے بے حد محبت ہے اسی لئے مجھے ان پر زور ہے جو چاہتا ہوں کہہ سن لیتا ہوں۔ انہیں بھی ذرا ناگوار نہیں ہوتا۔ حکیم صاحب موصوف حضرت مولانا کے خادموں میں ہیں۔ پھر انہیں کی بابت فرمایا کہ سچ عرض کرتا ہوں میں بھی ان سے دلی محبت رکھتا ہوں۔

پھر فرمایا کہ آج کل متعارف اخلاق یہ ہیں کہ خواہ دل میں کدورت ہو لیکن ظاہر میں خوش اخلاقی کے ساتھ پیش آئے لیکن مجھے یہ نہیں آتا کہ دل میں کچھ ہو اور زبان پر کچھ۔ اگر کچھ ناگواری ہوتی ہے کہہ سن کر دل صاف کر لیتا ہوں۔ اچھا ہے صاف کر لینا چاہیے دل کو۔ تاکہ پھر وہی محبت پیدا ہو جائے۔ اگر کرتا میلا ہو جائے تو ایک تو یہ صورت ہے کہ ایک اور اجلا کرتا اوپر سے پہن لیا اندر ہی سڑھائن رہی۔ ایک یہ ہے کہ دھوبی کے یہاں بھیج دیا۔ اس نے پیٹ کوٹ کر پھر صاف شفاف کر دیا۔ پھر دیکھ لیجئے کون سی صورت اچھی ہے آیا یہ صورت کہ کپڑا تو میلا ہو چکا لیکن اس کے اوپر دوسرا پہن لیا تاکہ دوسرا نہ دیکھ سکے۔ یا یہ کہ اسی کو صاف کر لیا۔ ہم تو اسی کو اچھا سمجھتے ہیں۔

ملفوظ (۵۸۷) حیا اور غیرت کی برکت

فرمایا کہ رائے پور کے سفر میں بہٹ کے قریب سے پیدل گیا۔ گو شاہ زاہد حسین نہایت محبت سے پیش آئے اور نہایت خوشی سے سواری کا انتظام کر دیتے لیکن مجھے شرم آئی۔ حافظ فصیح الدین صاحب بہٹ میں اتر پڑے کیونکہ وہ پیدل نہ چل سکتے تھے ان کے ساتھ میں نے شیخ رشید احمد

صاحب کو بھیجا کہ بلا اطلاع کیے دروازہ تک پہنچا کر چلے آؤ کیونکہ وہ بڑے آدمی ہیں۔ تنہا جانے میں ان کی سبکی بھی ہے۔ اور خوف بھی ہے کہ کہیں کوئی کتا وغیرہ پریشان نہ کرے۔ میں امراء کی خوشامد تو نہیں کرتا۔ لیکن اس کا بہت خیال رہتا ہے کہ کوئی بات ان کی شان کے خلاف نہ ہو۔

حافظ صاحب سے میں نے کہہ دیا کہ ایک گھنٹہ کے بعد آپ میری اطلاع کرنا تاکہ میں دور پہنچ جاؤں۔ گاڑی شیخ صاحب کے انتظار میں وہیں کھڑی رہی لیکن میں اتر کر پیدل چلنے لگا تاکہ بہت سے جتنا بڑھ جاؤں اچھا ہے۔

غرض اس کا بڑا اہتمام کیا کہ شاہ صاحب کو اطلاع نہ ہونے پائے گو وہ بہت مخلص اور بڑے رئیس ہیں۔ انکے نزدیک ایک چھکڑا کر دینا کچھ بھی تھا۔ لیکن مجھے خود اس کا سبب بننا ہرگز گوارا نہ ہوا۔ شرم آئی کہ ان سے ملنا تو گویا خود سواری مانگنا ہے۔ ہاں لوٹتے وقت ملنے کا ارادہ تھا۔ پھر اگلے روز وہ خود رائے پور آ گئے۔ اور واپسی میں انہوں نے خود اپنی ٹمٹم میں بٹھلایا اس میں میں نے ذرا عذر نہیں کیا کیونکہ خود مانگنا تو تذلل تھا۔ اور کہنے پر نہ جانا تکبر ہے یہ دونوں برے۔ بعد کو ایک موقعہ پر فرمایا کہ الحمد للہ مجھ میں غیرت کا مادہ بہت ہے۔ یہاں تک کہ اس پر بھی غیرت آئی کہ شاہ صاحب کو میری غیرت کا بھی حال معلوم ہو۔ اور اس غیرت کو بھی میں نے ان سے چھپایا۔ تاکہ ان کی دل شکنی نہ ہو۔ بلکہ ان سے اور کچھ عذر کر دیا تھا۔ پھر فرمایا کہ غیرت ایک ایسی چیز ہے جس سے آدمی سیکڑوں گناہوں سے خود بخود محفوظ رہتا ہے۔ غیرت قریب قریب سب گناہوں کے لئے محافظ ہے بہت سے ایسے ایسے باریک گناہ ہیں کہ جن کو عقل بھی نہیں سوچ سکتی۔ لیکن جس میں غیرت کا مادہ ہوتا ہے اس کی طبیعت میں خود بخود وہ کھٹک جاتے ہیں۔ پھر سوچنے سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعی یہ تو کھلا ہوا گناہ تھا۔ عقل کہاں تک سوچ سکتی ہے جب ہی تو ایمان کے شعبوں میں سے افضل اور ادنیٰ کا ذکر کر کے حیا کا خاص طور سے حضور نے ذکر فرمایا۔ کہ الحیآء شعبة من الایمان حالانکہ ضرورت نہ تھی کیونکہ اور شعبے بھی تو غیر مذکور تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حیا اور غیرت بڑا بھاری شعبہ ہے ایمان کا اسی لیے اس کا خاص طور سے ذکر فرمایا گیا۔

ملفوظ (۵۸۸) شوق رفتہ رفتہ بڑھتا ہے، عسرت سنت انبیاء ہے

ایک ذاکر صاحب سے عرض حال پر فرمایا کہ ادھر ادھر کے خیالات اگر بے ارادہ آتے

ہیں تو کچھ فکر نہ کریں۔ ذکر کی کثرت سے ان شاء اللہ خود یہ جاتا رہے گا۔ انہوں نے شوق نہ ہونے کی شکایت کی تو پوچھا کہ بالکل شوق نہیں یا تھوڑا ہے۔ عرض کیا کہ تھوڑا ہے۔ فرمایا کہ اگر تھوڑا ہے تو ان شاء اللہ رفتہ رفتہ بڑھ جائے گا۔ جب درخت نکلتا ہے زمین سے تو کیا اسی وقت بڑھ کر شمشاد ہو جاتا ہے۔ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو کیا ایک ہی دن میں بڑے میاں ہو جاتے ہیں۔ تمہارے شوق کا درخت کیسے ایک ساتھ بہت بڑا درخت ہو جائے۔ رفتہ رفتہ ان شاء اللہ بڑھ جائے گا۔

عسرت کی شکایت پر فرمایا کہ یہ انبیاء کی سنت ہے۔ رزق جتنا مقدر ہوتا ہے اتنا ہی ملتا ہے اس کا کوئی خاص وظیفہ نہیں ہاں دعا کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ سکون دیدیں گے۔ جب اللہ تعالیٰ سے تعلق بڑھ جاتا ہے پھر پریشانی نہیں ہوتی۔ اور تعلق پیدا کرنے کی سب سے بڑی ترکیب یہ ہے کہ خوب مانگا کرے۔

ملفوظ (۵۸۹) بھٹیار پنا

ایک دیہاتی کچھ تربوز وغیرہ ہدیہ لایا۔ حضرت نے چونکہ اس کو پہچانا تک نہیں اس لئے قبول نہیں فرمایا۔ کیونکہ جب تک خوب بے تکلفی اور محبت آپس میں نہ ہو جائے حضرت ہدیہ قبول نہیں فرماتے۔ جیسا کہ بہ تفصیل پیشتر کے ملفوظات سے معلوم ہو چکا ہے کئی دن بعد خلوت کے وقت میں اس سے فرمایا کہ ہمارے یہاں کھانا پکانے والا بھی کوئی نہیں۔ اگر تمہاری چیزیں لے لیتا تو پھر کھانا کھلانا پڑتا۔ ورنہ مجھے شرم آتی کہ چیزیں تو لے لیں اور خود کھانے کو بھی نہ پوچھا اور اگر کھانا کھلاتا تو بدوں میلان طبیعت کے کھلاتا۔ کیونکہ پکانے والی کے نہ ہونے سے میلان نہ تھا۔ تو ایسی چیزیں لانا سوچ میں ڈالنا ہے۔ اب میں ہلکا تم بھی ہلکے۔ بس آج کل تو یہ رہ گیا ہے کہ بھائی وہاں کھانا کھائیں گے دو روپیہ تو دو۔ یہ تو بھٹیار پنا ہے۔ اسلئے میں نے یہ قصہ ہی حذف کر دیا۔ اب مجھ پر کسی کا دباؤ نہیں اور جو چیزیں لینے لگوں تو دباؤ ہونے لگے۔

یہ دیہاتی شخص اپنے باپ کی شرکت میں رہتا تھا۔ چاشت کی نماز کی اجازت چاہی فرمایا کہ باپ تمہارے گالیاں نہ دیں گے۔ کہ مفت کی روٹی کھاتا ہے کیونکہ وہی وقت کام کا ہوتا ہے بات وہ کرے جس میں کوئی برائی نہ آئے۔ لڑائی دنگے سے کیا تو کس کام کا۔ البتہ اگر باپ الگ ہوتے تو ہم اجازت دیدیتے اشراق ہی کے ساتھ دو رکعت یا زیادہ وقت ملے تو چار رکعت چاشت کی بھی پڑھ لیا

کرو۔ دس گیارہ بجے مت پڑھنا اگر باپ نے نماز کو برا بھلا کہا تو تم نے اپنا دین تو سدھار لیا دوسرے کا بگاڑا۔

استفسار پر فرمایا کہ عصر سے پہلے چار سنتیں نہیں ہیں۔ نفل ہیں۔ سنت مؤکدہ کو کہتے ہیں سنت کے چھوڑنے میں کچھ گناہ بھی ہوتا ہے اور نفل چھوڑنے میں کچھ بھی گناہ نہیں۔ اگر پڑھو تو ثواب نہ پڑھو تو کچھ بھی گناہ نہیں۔ ظہر سے پہلے علاوہ چار سنتوں کے چار نفل بھی ہیں۔ جن کی فضلیت آئی ہے۔ ہدیہ کے متعلق یہ بھی فرمایا کہ جب تک باپ کے شریک رہو ایسی حرکت مت کرو۔ اگر ہدیہ دینا ہے باپ سے الگ ہو جاؤ اس نے کہا کہ ماں باپ کی نافرمانی نہ ہوگی۔ فرمایا کہ نافرمانی اس کو کہتے ہیں کہ جس میں ان کو تکلیف ہو کیا تمہارے الگ ہو جانے میں ان کو تکلیف ہوگی۔ اس نے کہا کہ میں روٹی ان کی پکاتا ہوں ضرور تکلیف ہوگی۔ فرمایا کہ روٹیاں پکادیا کرو لیکن اپنی آمدنی الگ رکھ سکتے ہو۔ کھانا شرکت میں رکھو یہ نافرمانی نہیں ہے۔

ملفوظ (۵۹۰) طالب علموں کیلئے بیعت کے بارے میں احتیاط

فرمایا کہ اول میں طالب علموں کو بیعت ہی نہیں کرتا۔ اگر زیادہ اشتیاق دیکھا تو کر بھی لیتا ہوں لیکن ذکر و شغل نہیں بتلاتا۔ اتنا چاہیے کہ بیعت سے قبل بھی اور بعد بھی معاصی سے اجتناب رکھے اور معاصی کے متعلق مثلاً میلان وغیرہ ہو تو اطلاع کرتے رہیں اور ضروری اعمال کرتے رہیں۔

۱۱ شعبان ۳۴ھ

ملفوظ (۵۹۱) حضرت نانوتویؒ کی ذکاوت کے واقعات۔ نواب کلب کا اشتیاق ملاقات اور حضرت نانوتویؒ کا جواب۔ امراء کے بارے میں حضرۃ نانوتویؒ کی غیرت

فرمایا کہ ایک معقولی مولوی صاحب سے مناظرہ کرنے کی غرض سے مولانا محمد قاسم صاحبؒ رامپور تشریف لے گئے تھے۔ سنا تھا کہ وہ کچھ اکابر کی شان میں گستاخی کرتے ہیں۔ مثلاً شاہ عبدالعزیز صاحبؒ۔ مولانا کو ناگوار ہوا۔ گو نہایت متواضع تھے لیکن اکابر کے متعلق ایسے مضامین سن

کر فرمایا کہ مجھے چاہے گالیاں دے لیں لیکن جن کی جوتیاں سیدھی کر کے کچھ پڑھا پڑھایا ہے ان کی بات تو سنا نہیں جاتا۔ رامپور جانے کی اور بھی غرض تھی کہ ایک بہت بوڑھے شخص نے کہلا کر بھیجا تھا کہ مجھ سے تو آیا نہیں جاتا۔ سب تمہاری زیارت کو آتے ہیں تم مجھے اپنی زیارت کرا جاؤ۔

غرض جب مولانا پہنچے تو مولوی صاحب خود تو سامنے نہیں آئے لیکن اپنے آدمیوں کو بھیجنا شروع کیا۔ مولانا تھے بڑے دلیر۔ گو تواضع کی شان بھی نہایت بڑھی ہوئی تھی۔ مگر موقعہ پر بالکل بیباک ہو جاتے تھے۔ فرمایا کہ اپنے استاد کو لاؤ۔ چوڑیاں کیوں پہن لیں۔ پردہ سے باہر کیوں نہیں نکلتے۔ مگر وہ خود نہیں آئے۔ مولانا نے وعظ میں بھی کہا کہ خود پردہ میں بیٹھ کر اوروں کو بھیجتے ہیں یہ کیا زنانہ پن ہے ہمت ہے تو سامنے آئیں۔ لیکن اس پر بھی ان کی ہمت نہیں ہوئی۔

مولانا کی ذکاوت سے سب ڈرتے تھے۔ مولوی اسحاق صاحب کے ایک استاد عامل بالحدیث کہتے تھے۔ کہ میں مولانا کی مجلس میں پہنچا مولانا قرات فاتحہ خلف الامام کو عقلی دلائل سے ثابت کر رہے تھے کہتے تھے کہ مجھے کئی جگہ خدشہ ہوا لیکن چپ ہو گیا کہ ان سے گفتگو کرنا جھاڑا اپنے پیچھے لگا لینا ہے ان سے عہدہ برآ ہونا مشکل ہے۔ مولانا بے حد ذکی تھے۔ ایک مولوی صاحب غیر مقلد بہت تیز ہیں میں بھی ان سے ملا ہوں ان کے چہرہ اور لہجہ سے معلوم ہوتا تھا کہ بے حد ذکی ہیں انہوں نے مولانا سے کہا کہ مجھے امام صاحب کے بعض اقوال میں چند شبہے ہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ متاخرین کی تفریعات کو تو میں کہتا نہیں لیکن خاص امام صاحب کے جتنے اقوال ہیں ان میں دعویٰ کرتا ہوں کہ ان میں ایک بھی ایسا نہیں ہے۔ جو حدیث سے ثابت نہ ہو۔ میں دعویٰ کرتا ہوں کہ خود امام صاحب کے جس مسئلے کو چاہے پوچھ لیجئے حدیث سے ثابت کر دوں گا۔ حالانکہ مولانا کی کتابوں پر کچھ زیادہ نظر نہ تھی۔ ہے واقعی بہت بڑا دعویٰ۔ فرمایا کہ میں کہتا ہوں کہ خاص امام صاحب کا ایک قول بھی حدیث کے خلاف نہیں۔ وہ مولوی صاحب چند مسائل پوچھ کر چپ ہو گئے جانتے تھے کہ کیسے شخص ہیں۔ رام پور کے وعظ میں مولانا نے دعویٰ کیا تھا کہ لوگوں نے معقول معقول پکار کھا ہے لیکن جانتے بھی نہیں کہ معقول کیا چیز ہے۔ معقول کو بھی منقول کر رکھا ہے۔ پھر اصل علم قرآن وحدیث ہے۔ میں دعویٰ کرتا ہوں کہ جتنے مسائل فلسفہ ہیں نفیاً یا اثباتاً سب قرآن میں موجود ہیں۔

ایک صاحب نے اٹھ کر کہا کہ جزلایتجزیٰ کے مسئلہ میں متکلمین اور حکماء کا اختلاف ہے

بتلایئے قرآن سے کیا ثابت ہے۔ مولانا نے فوراً فرمایا کہ متکلمین کی رائے صحیح ہے قرآن سے ثابت ہے۔ پھر سورۂ واقعہ کی شروع کی آیتیں پڑھ کر کچھ مقدمات ملا کر فکانت ھباء منبثا سے ثابت کر دیا کہ یہ تجزیہ عدم تجزیہ تک واقع ہوگا۔ سب خاموش بیٹھے رہے کوئی کچھ نہ بول سکا۔

نواب کلب علی خاں کا زمانہ تھا نواب صاحب نے بلوا بھیجا کہ آپ کو تکلیف تو ہوگی لیکن مجھے زیارت کا بے حد اشتیاق ہے۔ مولانا نے اول تہذیب کا جواب کہلا بھیجا کہ میں ایک کاشتکار کا بیٹا ہوں۔ آداب دربار سے ناواقف ہوں کوئی بات آداب دربار کے خلاف ہوگی تو یہ نازیبا سا ہے نواب صاحب نے کہلا بھیجا کہ حضرت آپ کے لئے سب آداب معاف ہیں۔ پھر مولانا نے کہلا بھیجا کہ وہ جواب تو تہذیب کا تھا۔ اب ضابطہ کا جواب دینا پڑا۔ آپ فرماتے ہیں کہ مجھے ملاقات کا اشتیاق ہے۔ سبحان اللہ ! اشتیاق تو ہو آپ کو اور حاضر ہوں میں۔ یہ عجیب بے جوڑ بات ہے۔ پھر نواب صاحب کی ہمت نہ بلانے کی ہوئی نہ خود حاضر ہونے کی۔

پھر ہمارے حضرت نے فرمایا کہ مولانا واقعی بڑے تارک تھے۔ امراء کے معاملہ میں تو بہت ہی غیور تھے۔ میرے سامنے جامع مسجد دیوبند میں ایک تحصیلدار پیچھے بیٹھے تھے۔ ان کا خادم آیا تحصیلدار صاحب کو کچھ مشورہ کرنا ہے اس زمانہ میں قانون متعلق بہ نکاح خوانی آیا تھا۔ آپ کو بھی شریک کرنا چاہتے ہیں۔ ذرا تکلیف فرمائیں۔ مولانا نے جھڑک دیا کہ جاؤ۔ مولوی معین الدین صاحب کہتے تھے کہ مولانا کے والد کاشتکاری کرتے تھے۔ بروایت مولانا محمد یعقوب صاحب شاہنامہ تک فارسی پڑھی تھی۔ لیکن سب بھلا دیا تھا۔ مولانا سے فرمایا کرتے تھے۔ کہ بیٹا ذرا حقہ تو بھر دے مولانا فوراً حقہ بھر کر رکھ دیتے تھے۔ ایک بار ایک ولایتی عالم نے کہ درویش بھی تھے۔ ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ تم مولانا سے حقہ بھرواتے ہو خبر بھی ہے اس وقت حاملان عرش کانپ اٹھتے ہیں توبہ کرو۔ ورنہ عنقریب تمہارے اوپر کوئی بلا نازل ہونے والی ہے۔ مولانا کے والد یہ سن کر کانپ اٹھے اور توبہ کی۔

جلال آباد کے ایک خان صاحب تھے جو نہایت آزاد مزاج تھے رنڈی بھی رکھے ہوئے تھے اور کسی کے معتقد نہ تھے۔ کسی نے کہا کہ مولانا سے بھی مل لو۔ انہوں نے کہا کہ میاں بہت سے دیکھے ہیں انہوں نے کہا کہ نہیں ایک دن چل کر دیکھو تو! چنانچہ مولانا کے یہاں مہمان ہوئے۔ حقہ پیتے

تھے۔ خود تو حقہ کی بابت فرمائش کر نہ سکے۔ مولانا نے پہچان لیا۔ ایک حقہ کسی سے مانگ کر لائے اور بھر کر تازہ کر کے خاں صاحب کے پلنگ کے پاس پٹی تلے رکھ دیا۔ اور کہا کہ خاں صاحب لیجئے۔ خان صاحب حقہ تو کیا پیتے ان پر ایسی حالت طاری ہوئی کہ نیچے گر گئے۔ اور بہت روئے۔ پھر خود بھی تائب ہوئے۔ رنڈی کو بھی توبہ کرائی۔ پھر نکاح ہوا۔ مولانا پر تواضع کی شان ختم تھی۔

اور مولانا گنگوہیؒ کی شان ماشاء اللہ سلاطین اور منتظمین کی سی تھی۔ فرماتے تھے بہادر علی شاہ پیران کلیر سے لوٹے تو مولانا محمد قاسم صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے مہمان ہوئے مولانا نے ان کو ایک روپیہ نذر دیا۔ مولانا گنگوہیؒ نے سن کر فرمایا کہ اچھا نہیں کیا۔ اس قول کو کسی شخص نے مولانا کی خدمت میں نقل کیا۔ مولانا نے فرمایا کہ جناب رسول مقبول ﷺ نے کفار تک کی مدارۃ فرمائی ہے مولانا گنگوہیؒ کو اطلاع ہوئی تو فرمایا کہ کفار کی مدارۃ میں فتنہ کا اندیشہ نہ تھا۔ بدعتی کی توقیر میں دین کا فساد ہے اسلئے ناجائز ہے اس شخص نے یہی قول مولانا کے سامنے جاکر نقل کیا تو فرمایا کہ میاں کیا واہیات ہے۔ بیٹھو بھی اپنا کام کرو کیا ادھر کی ادھر ادھر کی ادھر لگا رکھی ہے۔

سیوہارہ کے ایک شخص کہتے تھے کہ وہاں مولود شریف کے متعلق مولانا سے پوچھا گیا تو فرمایا کہ بھائی نہ اتنا اچھا ہے جتنا کہ لوگ سمجھتے ہیں نہ اتنا برا ہے جتنا کہ لوگ سمجھتے ہیں۔ عجیب بات فرمائی لیکن عوام کے سمجھنے کے لائق نہیں ہے۔ ایک متن ہے جس کی شرح میں کتابیں لکھی جاتی ہیں۔ یہ دونوں قصے پیشتر بھی بہ تفصیل مذکور ہو چکے ہیں۔ یہاں یوں ہی سرسری طور سے اعادہ کر دیا گیا ہے تاکہ سلسلہ کلام محفوظ رہے۔

پھر ہمارے حضرت نے فرمایا کہ میں نے تو دونوں حضرات کی شانوں میں ایک فیصلہ کیا ہے کہ مولانا محمد قاسم صاحب تو مغلوب الاخلاق تھے اور مولانا گنگوہیؒ غالب علی الاخلاق تھے ان پر خود اخلاق غالب آجاتے تھے۔ اور مولانا گنگوہیؒ خود اخلاق پر غالب رہتے تھے جس خلق کو چاہتے تھے غالب کر لیتے تھے۔

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر ست

ایک جگہ مولانا محمد قاسم صاحب وعظ فرما رہے تھے۔ مولانا گنگوہیؒ بھی شریک تھے ایک صاحب بولے کہ خیر وعظ کی مجلس میں بیٹھنے کا ثواب تو ہو گیا باقی سمجھ میں تو کچھ آیا نہیں۔ اگر مولانا

عام فہم مضامین بیان فرما کریں تو کچھ نفع بھی ہو۔ مولانا گنگوہیؒ سن رہے تھے۔ فرمایا کہ افسوس ہے شہباز عرش سے درخواست کی جاتی ہے کہ زمین پر اڑا کرے۔ مولانا محمد قاسم صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میں وعظ میں جو کہیں کسی قدر رک جاتا ہوں تو سوچنے کی غرض سے نہیں بلکہ مضامین کا اس قدر ہجوم اور تواتر ہوتا ہے کہ پریشان ہو جاتا ہوں۔ سوچتا ہوں کہ کس کو مقدم کروں کس کو مؤخر کروں۔

حضرت حاجی صاحب یوں فرماتے تھے کہ حق تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو جو اصطلاحی عالم نہیں ہوتے۔ ایک لسان عطا فرماتے ہیں چنانچہ حضرت شمس تبریزی کو مولانا رومی لسان عطا ہوئے تھے۔ جنہوں نے حضرت شمس تبریزی کے علوم کو کھول کھول کر بیان فرمادیا۔ اسی طرح مجھ کو مولوی محمد قاسم صاحب لسان عطا ہوئے۔ مولانا قاسم صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میں جب اپنی تصنیف کو حضرت حاجی صاحب کو سنا دیتا ہوں تب مجھے اس کے مضامین پر اطمینان ہوتا ہے کہ ٹھیک ہیں بدوں سنائے اطمینان نہیں ہوتا۔ اور ایک بڑی لطیف بات فرماتے تھے کہ ہمارے ذہن میں مبادی پہلے آتے ہیں۔ یعنی مقدمات اول آتے ہیں ان کے تابع ہوتا ہے نتیجہ اور ان حضرات کے ذہن میں نتائج پہلے آتے ہیں اس لئے جب سنا لیتا ہوں تو اطمینان ہو جاتا ہے کہ مقاصد تو ٹھیک ہیں مقدمات چاہے غلط ہوں ان کی کیا ہے انہیں تو خود ٹھیک ٹھاک کر لیں گے۔ مقاصد تو صحیح ہیں جتنے وہبی علم بزرگوں کے ہیں وہ ایسے ہی ہوتے ہیں کہ بس ایک سچی بات قلب پر آگئی ان کے منتسبین میں جو اہل علم ہوتے ہیں وہ یہ کرتے ہیں کہ اس کی تقویت اور تائید دلائل سے بھی کر دیتے ہیں تو ان کے دلائل تابع مقاصد کے ہوتے ہیں بخلاف علماء رسوم کے کہ ان کے مقاصد تابع دلائل کے ہوتے ہیں۔

اور ظاہر ہے کہ اصل مقاصد ہی ہیں۔ اگر وہ صحیح ہیں اور کوئی دلیل اس کے خلاف کو مقتضی ہو تو وہ دلیل ہی غلط ہے خواہ موقع غلط کی تعیین نہ ہو سکے۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ مثلاً کسی کو سورج نظر آرہا ہے اگر ہزار گھڑیاں متفق ہیں کہ اس وقت سورج چھپ گیا ہے لیکن جو دیکھ رہا ہے کہ ابھی سورج موجود ہے وہ کہہ دے گا کہ سب گھڑیاں غلط ہیں۔ اگر اس سے دلیل پوچھی جائے گی تو کہہ دے گا کہ ہمیں خبر نہیں کہ کہاں اور کیا غلطی ہے مگر غلط ضرور ہے کیونکہ ہم تو سورج کا مشاہدہ

کر رہے ہیں۔

اسی طرح یہ حضرات گواس پر قادر نہ ہوں کہ مقدمات میں تعیین کر دیں کہ کون سے مقدمہ میں غلطی ہے مگر اتنا ضرور کہہ دیں گے کہ تمہاری دلیل میں غلطی ضرور ہے۔اور یہ سب علوم غیر منصوبہ میں ہے۔

پھر فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب کی وضع ایسی تھی کہ بالکل ایک ملکی شیخ زادے معلوم ہوتے تھے۔ گفتگو بھی سیدھی سادھی تھی فارسی بہت اچھی لکھتے تھے۔ ضیاء القلوب کی فارسی بہت فصیح ہے۔ پھر حاجی صاحب کا یہ مقولہ بیان فرمایا کہ دو ثلث ضیاء القلوب کے میں نے ضائع کر دیئے اس میں ثمرات اشغال کے درج تھے۔ الہام ہوا کہ ان کا ظاہر کرنا مناسب نہیں ایک وجہ یہ بھی فرماتے تھے کہ ثمرات ہر ایک مختلف طور سے پیش آتے ہیں ان کے ظاہر کرنے میں ضرر زیادہ ہے کیونکہ یہ ضرور نہیں کہ جو حالات ایک کو پیش آئیں وہی دوسرے کو بھی پیش آئیں۔ اگر کسی کو وہ خاص احوال پیش نہ آئے تو اس کو مایوسی ہوگی۔ اور وہ یہ سمجھے گا کہ میں نے ابھی راستہ ہی قطع نہیں کیا۔ اس لئے ایسے امور کا علم سینہ بہ سینہ ہی ٹھیک ہے جیسے احوال قبر کہ ہر ایک کے جدا ہوتے ہیں۔

متولی عبد الرحمٰن صاحب کہتے تھے کہ میں نے میاں مخدوم عرف دمڑے کو خواب میں دیکھا۔ پوچھا کہ کیا گزری انہوں نے کہا کہ یہاں تو کچھ بھی نہیں جسے کلمہ یاد نکلتا ہے اسے چھوڑ دیتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں تو بڑا ڈرار کھا ہے۔ اچھا تم مجھے یہ بات لکھدو۔ اس نے ان کے ہاتھ پر لکھدیا انہوں نے کہا کہ مہر بھی کر دو۔ اس نے مہر بھی کر دی۔ آنکھ کھلی تو ہاتھ پر کچھ لکھا ہوا تھوڑا ہی موجود تھا وہ مجھ سے پوچھنے لگے کہ بس اور کچھ نہیں ہوتا۔ میں نے کہا کہ یہ ہرگز نہ سمجھئے ہاں ان کے ساتھ یہی ہوا۔ وہ جلدی چھوٹ گئے ہر ایک کے ساتھ جدا معاملہ ہوتا ہے۔

ملفوظ (۵۹۲) الصوفی لامذہب لہ کے معنی

فرمایا کہ الصوفی لامذہب لہ کے معنی یہ ہیں کہ چاروں مذہبوں میں سے جس مذہب میں احتیاط دیکھتے ہیں اسی پر عمل کرتے ہیں۔ بخلاف ان کے جو کہ تارک تقلید ہیں۔ وہ تو اس کو کرتے ہیں۔ جس میں رخصت دیکھتے ہیں رعایت خلافیات کی اچھی ہے۔ بشرطیکہ اپنے مذہب کا مکروہ لازم نہ آئے مثلاً حنفی وضو میں فصد کے ذریعہ سے خون بھی نہ نکلوائے کیونکہ وہ حنفیہ کے نزدیک

ناقض وضو ہے اور مس مرأة سے بھی احتیاط رکھے اسی طرح مس ذکر سے۔ کیونکہ افضل یہی ہے کہ اختلاف سے بھی احتیاط رکھے۔ اور جس کے پیچھے مختلف مذاہب کے اشخاص نماز پڑھتے ہوں اس کو تو اس کی رعایت ضرور چاہیے۔

ملفوظ (۵۹۳) دین میں محنت کم، ثمرہ زیادہ کی مثال۔ ایک مردہ کی پورے ہندوستان پر حکومت۔ کسی چیز سے فائدہ ہونا اس کے صحیح ہونے کی دلیل نہیں

فرمایا کہ دین میں محنت تو کم ہے اور ثمرہ زیادہ۔ برخلاف اس کے دنیا میں محنت تو زیادہ ہے اور ثمرہ کم۔ اس کی میں یہ مثال دیا کرتا ہوں کہ کبوتر کے شکار میں بہت ہی کم مشقت ہے اگر ہوائی بندوق لے کر بھی کوئی چلا جائے تو دو چار کبوتر تو لے ہی آئے گا۔ کم از کم شام کے لئے سالن تو ہو ہی گیا۔ برخلاف اس کے سؤر کا شکار کیا۔ کارتوس کے کارتوس خراب کیے اور ملا کیا۔ سور تہ کھانے کا نہ پکانے کا۔ دین میں کسی حال میں نقصان نہیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے تعلق کی برکت ہے۔

سنا ہے ایک انگریز نے لکھا ہے کہ سب سے زیادہ حیرت انگیز بات میں نے ہندوستان میں یہ دیکھی کہ اجمیر میں ایک مردہ کو دیکھا کہ قبر میں پڑا ہوا سارے ہندوستان پر سلطنت کر رہا ہے واقعی خواجہ صاحب کے ساتھ لوگوں کو بالخصوص ریاست کے امراء کو بہت ہی عقیدت ہے۔

اجمیر میں ہندو خواجہ صاحب کی قسم کھاتے ہیں۔ ان حضرات نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی تھی پھر دیکھئے کیا رنگ ظاہر ہو رہا ہے۔ احقر نے عرض کیا کہ جب فائدہ ہوتا ہوگا۔ تب ہی تو اس قدر عقیدت ہے۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جیسا ظن ہو ویسا ہی معاملہ فرماتے ہیں اس طرح تو بت پرستوں کو بت پرستی میں بھی فائدہ ہوتا ہے۔ یہ کوئی دلیل تھوڑا ہی ہے دلیل ہے شریعت۔

ملفوظ (۵۹۴) جوابی لفافے کیساتھ ٹکٹ نہ بھیجنے کا نقصان

حضرت بلا جوابی ٹکٹ یا لفافہ کے جواب نہیں دیتے۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ وہ

داب کا منتظر رہتا ہر گا بیرنگ بھیج دیا کیجئے۔ فرمایا کہ میں پہلے ایسا ہی کرتا تھا لیکن بعضوں نے خط واپس کر دیا۔ پھر محصول مجھ کو اپنے پاس سے دینا پڑا۔ جب یہ احتمال ہے تو میں کیوں نقصان برداشت کروں۔ ان صاحب نے عرض کیا کہ اپنا نام نہ لکھا لیجئے۔ فرمایا کہ اس صورت میں اگر اس نے واپس کیا تو سرکار کا نقصان ہے سرکار کا نقصان کرنا کہاں جائز ہے۔ اس پر ان صاحب کو خاموش ہونا پڑا۔

ملفوظ (۵۹۵) ایک علی گڑھ کے طالب علم کے استفسار کا جواب اصلاح، اصلاح کے طریقہ سے ہوتی ہے ورنہ دل دکھانا ہے

فرمایا کہ حسن پور میں ایک علی گڑھ کالج کے طالب علم مجھ سے ملے مجھ سے پوچھا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ کو علی گڑھ کالج کے لڑکوں سے بہت نفرت ہے۔ میں نے کہا کہ ان کی ذات سے تو نفرت نہیں ان کے افعال سے نفرت ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ مثلاً میں مجھ میں کون سے افعال ہیں۔ میں نے کہا کہ مجمع میں بتلانا خلاف تہذیب ہے۔ آیئے کوٹھڑی میں آپ کو بتلاؤں گا اور وہ بھی ایک جلسہ میں نہیں۔ بلکہ اس کی صورت یہ ہے کہ تھانہ بھون آیئے وہاں دو تین مہینہ میں تو باہم مناسبت ہوگی اور دل ملے گا۔ اس کے بعد میں آپکے افعال سے مطلع کر دوں گا اس وقت چونکہ دل ملا ہوا ہوگا آپ سمجھیں گے کہ خیر خواہی سے کہہ رہے ہیں اس کا اثر بھی ہوگا۔

اس تقریر کا ان پر اثر ہوا وعظ میں بیٹھے رہے ان پر دھوپ بھی آگئی لوگوں نے ہٹانا بھی چاہا لیکن وہیں بیٹھے رہے۔ پھر ہمارے حضرت نے فرمایا کہ انہوں نے مجھ کو متعصبین میں داخل کیا۔ میں نے انکار بھی کیا اور اقرار بھی کیا۔ میں نے کہا کہ ذات سے تو نفرت نہیں افعال سے ہے پھر فرمایا کہ اصلاح کے طریقہ سے اصلاح کرنا تو نافع ہوتا ہے ورنہ محض دل دکھانا ہے اور کچھ بھی نہیں۔

ملفوظ (۵۹۶) محقق کی طبیعت میں تنگی نہیں ہوتی۔ حضرت حاجی صاحب کی طرف بدعتی ہونے کی نسبت صحیح نہیں۔ حضرت گنگوہیؒ کا اپنے پیر کے خلاف ہونے کا واویلا :

حضرت حاجی صاحب کا ذکر ہو رہا تھا فرمایا کہ محقق کی طبیعت میں تنگی نہیں ہوتی وہ

ہر شے کو اپنے مرتبہ پر سمجھتا ہے۔ حضرت حاجی صاحب کو بعضے نادان نعوذباللہ بدعت کی طرف نسبت کرتے ہیں جہاں مولود ہوتا تھا تشریف لے جاتے تھے لیکن وہ تشریف لے جانا بھی ایسا تھا کہ ایک مرتبہ مولود شریف میں بلاوا آیا۔ حضرت مولانا گنگوہیؒ بھی حاضر خدمت تھے۔ مولانا سے پوچھا چلو گے۔ مولانا نے عرض کیا نا صاحب میں نہیں جاؤں گا۔ میں ہندوستان میں اس کو منع کیا کرتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا مولوی صاحب! واللہ میں تمہارے جانے سے اتنا خوش نہ ہوتا۔ جتنا کہ نہ جانے سے خوش ہوا۔ جزاک اللہ۔ بارک اللہ!

دیکھئے کس قدر وسعت تھی کہیں بدعتی ایسا کہہ سکتا ہے۔ حضرت مولانا گنگوہیؒ کی بابت لوگ کہتے تھے کہ پیر کے خلاف کرتے ہیں ان کے معتقد نہیں ہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ دیوانے ہوئے ہیں۔ ہم نے جس مقصود کے لئے حضرت حاجی صاحب کا دامن پکڑا ہے اس کی تو ان لوگوں کو ہوا بھی نہیں لگی۔ حضرت جس فن کے امام ہیں اس میں ہم ان کے مقلد ہیں۔ باقی ان فروعیات میں ہم امام ہیں حضرت حاجی صاحب کو چاہیے کہ ہم سے پوچھ پوچھ کر عمل کیا کریں۔ حضرت مولانا فرمایا کرتے تھے۔ کہ ہمیں تو ہمیشہ یہ عادت رہی ہے کہ حضرت حاجی صاحب اور حضرت حافظ ضامن صاحب ہم سے مسئلے پوچھ پوچھ کر عمل کیا کرتے تھے۔ ہم حضرت حاجی صاحب کا فقہی مسائل میں کیسے اتباع کر لیں۔ یہاں تو حضرت ہمارا اتباع کریں۔ پھر ہمارے حضرت نے فرمایا کہ حضرت لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ حضرت مولانا کو حضرت حاجی صاحب سے محبت نہیں تھی عقیدت نہیں تھی۔ اللہ اکبر وہ کیا جانیں۔ حاجی محمد اعلیٰ انبہٹوی جب حج سے واپس آئے تو انہوں نے مشہور کیا کہ حضرت حاجی صاحب نے مجھے سماع کی اجازت دے دی ہے۔

کسی نے مولانا کی خدمت میں یہ حکایت بیان کی بڑا مجمع تھا۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ حاجی محمد اعلیٰ غلط کہتے ہیں۔ اور اگر یہ صحیح کہتے ہیں تو حاجی صاحب غلط کہتے ہیں۔ بڑی بدنامی ہوئی کہ پیر کے لئے ایسا کہا مگر محبت کی یہ کیفیت تھی کہ جب حضرت حاجی صاحب کا انتقال ہوا تو ہم نے تو ایک وقت کا بھی کھانا نہیں چھوڑا۔ مگر مولانا کو دست لگ گئے۔ کئی روز تک کھانا نہیں کھایا گیا۔ اس زمانہ میں لوگوں نے اکثر یہی کہتے سنا کہ ہائے رحمتہ العالمین ۔

واقعی حضرت کی شان رحمت ہی رحمت تھی۔ ایسا نفع عام اور تام تھا کہ کہیں دیکھنے میں

جواب کا منتظر رہتا ہوگا بیرنگ بھیج دیا کیجئے۔ فرمایا کہ میں پہلے ایسا ہی کرتا تھا لیکن بعضوں نے خط واپس کر دیا۔ پھر محصول مجھ کو اپنے پاس سے دینا پڑا۔ جب یہ احتمال ہے تو میں کیوں نقصان برداشت کروں۔ ان صاحب نے عرض کیا کہ اپنا نام نہ لکھا لیجئے۔ فرمایا کہ اس صورت میں اگر اس نے واپس کیا تو سرکار کا نقصان ہے سرکار کا نقصان کرنا کہاں جائز ہے۔ اس پر ان صاحب کو خاموش ہونا پڑا۔

ملفوظ (۵۹۵) ایک علی گڑھ کے طالب علم کے استفسار کا جواب اصلاح، اصلاح کے طریقہ سے ہوتی ہے ورنہ دل دکھانا ہے

فرمایا کہ حسن پور میں ایک علی گڑھ کالج کے طالب علم مجھ سے ملے مجھ سے پوچھا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ کو علی گڑھ کالج کے لڑکوں سے بہت نفرت ہے۔ میں نے کہا کہ ان کی ذات سے تو نفرت نہیں ان کے افعال سے نفرت ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ مثلاً میں مجھ میں کون سے افعال ہیں۔ میں نے کہا کہ مجمع میں بتلانا خلاف تہذیب ہے۔ آیئے کوٹھڑی میں آپ کو بتلاؤں گا اور وہ بھی ایک جلسہ میں نہیں۔ بلکہ اس کی صورت یہ ہے کہ تھانہ بھون آیئے وہاں دو تین مہینہ میں تو باہم مناسبت ہوگی اور دل ملے گا۔ اس کے بعد میں آپکے افعال سے مطلع کر دوں گا اس وقت چونکہ دل ملا ہوا ہوگا آپ سمجھیں گے کہ خیر خواہی سے کہہ رہے ہیں اس کا اثر بھی ہوگا۔

اس تقریر کا ان پر اثر ہوا وعظ میں بیٹھے رہے ان پر دھوپ بھی آگئی لوگوں نے ہٹانا بھی چاہا لیکن وہیں بیٹھے رہے۔ پھر ہمارے حضرت نے فرمایا کہ انہوں نے مجھ کو متعصبین میں داخل کیا۔ میں نے انکار بھی کیا اور اقرار بھی کیا۔ میں نے کہا کہ ذات سے تو نفرت نہیں افعال سے ہے پھر فرمایا کہ اصلاح کے طریقہ سے اصلاح کرنا تو نافع ہوتا ہے ورنہ محض دل دکھانا ہے اور کچھ بھی نہیں۔

ملفوظ (۵۹۶) محقق کی طبیعت میں تنگی نہیں ہوتی۔ حضرت حاجی صاحب کی طرف بدعتی ہونے کی نسبت صحیح نہیں۔ حضرت گنگوہیؒ کا اپنے پیر کے خلاف ہونے کا واویلا :

حضرت حاجی صاحب کا ذکر ہو رہا تھا فرمایا کہ محقق کی طبیعت میں تنگی نہیں ہوتی وہ

ہر شے کو اپنے مرتبہ پر سمجھتا ہے۔ حضرت حاجی صاحب کو بعضے نادان نعوذ باللہ بدعت کی طرف نسبت کرتے ہیں جہاں مولود ہوتا تھا تشریف لے جاتے تھے لیکن وہ تشریف لے جانا بھی ایسا تھا کہ ایک مرتبہ مولود شریف میں بلاوا آیا۔ حضرت مولانا گنگوہیؒ بھی حاضر خدمت تھے۔ مولانا سے پوچھا چلو گے۔ مولانا نے عرض کیا نا صاحب میں نہیں جاؤں گا۔ میں ہندوستان میں اس کو منع کیا کرتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا مولوی صاحب! واللہ میں تمہارے جانے سے اتنا خوش نہ ہوتا۔ جتنا کہ نہ جانے سے خوش ہوا۔ جزاک اللہ۔ بارک اللہ!

دیکھئے کس قدر وسعت تھی کہیں بدعتی ایسا کہہ سکتا ہے۔ حضرت مولانا گنگوہیؒ کی بابت لوگ کہتے تھے کہ پیر کے خلاف کرتے ہیں ان کے معتقد نہیں ہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ دیوانے ہوئے ہیں۔ ہم نے جس مقصود کے لئے حضرت حاجی صاحب کا دامن پکڑا ہے اس کی تو ان لوگوں کو ہوا بھی نہیں لگی۔ حضرت جس فن کے امام ہیں اس میں ہم ان کے مقلد ہیں۔ باقی ان فروعیات میں ہم امام ہیں حضرت حاجی صاحب کو چاہیے کہ ہم سے پوچھ پوچھ کر عمل کیا کریں۔ حضرت مولانا فرمایا کرتے تھے۔ کہ ہمیں تو ہمیشہ یہ عادت رہی ہے کہ حضرت حاجی صاحب اور حضرت حافظ ضامن صاحب ہم سے مسئلے پوچھ پوچھ کر عمل کیا کرتے تھے۔ ہم حضرت حاجی صاحب کا فقہی مسائل میں کیسے اتباع کرلیں۔ یہاں تو حضرت ہمارا اتباع کریں۔ پھر ہمارے حضرت نے فرمایا کہ حضرت لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ حضرت مولانا کو حضرت حاجی صاحب سے محبت نہیں تھی عقیدت نہیں تھی۔ اللہ اکبر وہ کیا جانیں۔ حاجی محمد اعلیٰ انبہٹوی جب حج سے واپس آئے تو انہوں نے مشہور کیا کہ حضرت حاجی صاحب نے مجھے سماع کی اجازت دے دی ہے۔

کسی نے مولاناؒ کی خدمت میں یہ حکایت بیان کی بڑا مجمع تھا۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ حاجی محمد اعلیٰ غلط کہتے ہیں۔ اور اگر یہ صحیح کہتے ہیں تو حاجی صاحب غلط کہتے ہیں۔ بڑی بدنامی ہوئی کہ پیر کے لئے ایسا کہا مگر محبت کی یہ کیفیت تھی کہ جب حضرت حاجی صاحب کا انتقال ہوا تو ہم نے تو ایک وقت کا بھی کھانا نہیں چھوڑا۔ مگر مولانا کو دست لگ گئے۔ کئی روز تک کھانا نہیں کھایا گیا۔ اس زمانہ میں لوگوں نے اکثر یہی کہتے سنا کہ ہائے رحمتہ اللعالمین۔

واقعی حضرت کی شان رحمت ہی رحمت تھی۔ ایسا نفع عام اور تام تھا کہ کہیں دیکھنے میں

نہیں آیا۔ بگڑنا خفا ہونا تو جانتے ہی نہیں تھے۔ ایک دفعہ میری کتاب کرامات امدادیہ سے حضرت مولانا حضرت حاجی صاحب کی کرامتیں سن رہے تھے۔ ایک مولوی صاحب جو مولانا کے خادم بھی ہیں بولے کہ حضرت کیا یہ سب صحیح ہیں حضرت کو غصہ آگیا فرمایا کہ نہیں سب غلط ہیں۔ پھر فرمایا کہ تعجب کی بات ایک شخص ثقہ۔ ثقہ لوگوں سے روایت کرے اور وہ روایت بھی شریعت کے قواعد اور عقل کے موافق ہو خلاف نہ ہو۔ پھر بھی ایک پڑھا لکھا شخص اس میں شبہ کرے تم نے مجھے بڑی تکلیف دی اس میں تو کچھ بھی نہیں لکھا ہم تو حضرت حاجی صاحب کو ایسا سمجھتے ہیں کہ اگر کوئی یوں کہے کہ حضرت حاجی صاحب کی پیدائش سے پہلے اور آسمان زمین تھے۔ خدا تعالیٰ نے حاجی صاحب کی خاطر سے نیا آسمان اور نئی زمین پیدا فرمادی تو ہم اس کا بھی یقین کرلیں۔ ہم تو حاجی صاحب کو ایسا سمجھتے ہیں۔ اللہ اکبر بڑی دور کی بات کہی۔

دوسرا وقت ہوا تو ان مولوی صاحب سے فرمایا کہ بھائی تمہارا دل دکھا ہوگا معاف کردو۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت میری ہی حماقت تھی۔ فرمایا مجھے واقعی رنج ہوا تم ایسے فہیم آدمی سے ایسی بات بعید تھی۔

ایک دفعہ میں نے مولانا سے پوچھا کہ توسل میں کچھ برکت ہوتی ہے۔ فرمایا کہ پوچھنے والا کون ہے میں نے اپنا نام لیا۔ فرمایا تم پوچھتے ہو یہ بات! تعجب ہے۔ بس اتنا جواب دیا اور کچھ نہیں فرمایا۔ بس اسی سے سب کچھ سمجھ میں آگیا۔ اس موقعہ پر احقر نے عرض کیا کہ حضور کی کیا سمجھ میں آیا۔ فرمایا کہ یہ جلسہ اس کے جواب کا نہیں ہے کبھی آپ مجھ سے پوچھیں گے تب بتلاؤں گا۔ اس وقت تو مولانا کے اقوال نقل ہو رہے ہیں۔ میں ریشم میں کمبل کا پیوند کیوں لگاؤں۔

پھر فرمایا کہ میں نے مولانا سے عمر بھر میں دو تین باتیں پوچھیں ارادہ تو تھا کہ پوچھا کرونگا مگر انہیں دو تین باتوں سے سب کچھ سمجھ میں آگیا۔ کچھ اور پوچھنے کی ضرورت ہی نہ پڑی۔ بڑا فیض تھا۔ بہت برکت تھی۔ خلیفہ ارشد خلیفہ رشید جس کو کہتے ہیں بس وہ تھے حضرت حاجی صاحب کو تو کمال دیکھئے کہ اتنے بڑے بڑے لوگ مستفیض ہوتے تھے اس میں حضرت حاجی صاحب کا ایک خواب ہے۔

حضرت نے خواب دیکھا تھا کہ حضور ﷺ تشریف لائے ہیں حضرت کی ایک بھاوج

تھیں وہ کھانے پکانے کا انتظام کیا کرتی تھیں۔ حضور ﷺ نے ان سے ارشاد فرمایا کہ تم ہتوان کے مہمان علماء ہیں اور ان کی میزبانی ہمارے ذمہ ہے ہم انتظار کریں گے حضرت حاجی صاحب اس کے قبل علماء کو بیعت نہ کرتے تھے انکار فرما دیتے تھے خواب کے بعد پھر انکار نہیں کیا سمجھ گئے کہ حکم ہے پھر کیسے کیسے علماء بیعت ہوئے جو کہ اپنے وقت کے امام ہیں۔

حضرتؒ حاجی صاحب میں توحید اور فنا کا غلبہ تھا۔ عارف اور پھر عاشق۔ ایسے بہت کم ہوئے ہیں۔ حضرت حاجی صاحب میں دونوں شانیں جمع تھیں۔ اہل عشق میں تربیت کی شان کم ہوتی ہے کیونکہ ان پر سکر غالب رہتا ہے اور عارفین پر صحو غالب ہوتا ہے اور افاقہ کی حالت رہتی ہے اس لئے ارشاد کرتے ہیں اور دونوں جمع کم ہوتے ہیں حضرت کی شان عشق یہ ہے کہ بڑھاپے میں کمر باندھ کر رمضان شریف میں تمام رات کلام مجید سنا کرتے تھے محبت کے بغیر یہ ہو نہیں ہو سکتا۔ ہم لوگ باتیں تو بہت بنا لیتے ہیں لیکن چونکہ کچھ پڑھ لکھ لیا ہے اس لئے رات کو دس نفلیں بھی نہ پڑھی جائیں۔

ایک بار فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب مجھے اپنا کتب خانہ دینے لگے میں نے عرض کیا کہ حق تعالیٰ حضرت کو ابھی ہمارے سروں پر سلامت رکھے۔ کتابیں اپنے ہی پاس رکھئے۔ اور میں نے عرض کیا کہ حضرت کتابوں میں کیا رکھا ہے کچھ سینہ سے عطا فرمائیے یہ سن کر حضرت خوشی کے مارے کھل گئے اور فرمایا ہاں بھائی ہاں! سچ تو یہ ہے کتابوں میں کیا رکھا ہے۔ پھر ہمارے حضرت مولانا نے ہنس کر فرمایا کہ میں تو حضرت حاجی صاحب کو باتوں ہی میں خوش رکھا کرتا تھا۔ میں نے اور خدمت کبھی نہیں کی۔ ایک موقعہ پر اس مضمون پر کہ کتابوں میں کیا رکھا ہے یہ شعر پڑھا ؎

صد کتاب و صد ورق در نار کن سینہ را از نور حق گلزار کن

ملفوظ (۵۹۷) بعض دفعہ احوال باطنیہ طبیعت بن جاتے ہیں۔ بیعت غیر بیعت کے آثار میں خود فرق نہیں۔ عامی اور عالم کی نسبت میں بھی کچھ فرق نہیں۔ استعداد کے تفاوت۔ نسبتوں میں تفاوت۔ پچاس کو مسلمان کر لینا دو کو کامل کر لینے سے اچھا ہے

ایک خادم نے کچھ اپنے انکشافات بیان کر کے عرض کیا کہ یہ کیابات ہے کہ انکشافات پر یقین نہیں ہوتا۔ فرمایا کہ یہ تو عین مطلوب ہے۔ یہ حالت نسبت کے موافق ہے کیونکہ انکشاف قطعی نہیں ہوتا جی تو لگ جاتا ہے لیکن ایسا یقینی نہیں ہوتا کہ احتمال ہی خلاف کا نہ ہو۔ یہ تو عقیدہ ہے کہ کشف یقینی صحیح نہیں ہوتا۔ اس میں احتمال غلط ہونے کا بھی ہوتا ہے۔ مجملہ ان انکشافات کے یہ واقعہ بھی تھا کہ ایک گائے محبت سے دیکھ رہی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دعا دے رہی ہے فرمایا کہ حدیثوں میں ہے کہ عالم اور نیک بندوں کے حق میں جانور بھی دعا کرتے ہیں۔

مجملہ انہیں انکشافات کے یہ بھی تھا کہ بعضے کھانوں کی بابت دل میں شبہ پڑ جاتا ہے پھر بعد کو بعض کا واقعی مشتبہ ہونا ثابت ہوتا ہے اس کی بابت دریافت کیا کہ آیا ایسے انکشاف پر عمل کرنا چاہیے یا نہیں۔ فرمایا کہ ضرور عمل کرنا چاہیے جس کھانے کی بابت شبہ پڑ جائے اس سے احتیاط رکھے۔ کیونکہ یہ انکشاف حکم میں الہام کے ہے الہام گو قطعی نہیں ہوتا۔ لیکن اس پر صاحب الہام کو عمل کرنا چاہیے۔ مجملہ انہیں انکشافات کے یہ بھی بیان کیا کہ حضرت کے سفر میں تشریف لے جانے پر جب میں غمگین ہوا تو ایسا معلوم ہوا گویا زمین کہہ رہی ہے کہ ہم بھی تو غمگین ہیں۔ جب مولانا کے قدم پڑتے ہیں تو نورانیت رہتی ہے اب تاریکی چھا رہی ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ کیا تعجب ہے اگر سب واقعات ٹھیک ہوں۔ پھر ان صاحب کے استفسار پر فرمایا کہ مقامات صفات حمیدہ راسخہ کو کہتے ہیں۔ ان کے واسطے سے جو نسبت حاصل ہوتی ہے۔ وہ مفصل ہوتی ہے۔ اور جو نسبت ابتدا کشش سے بلاواسطہ اعمال کے حاصل ہوتی ہے اس میں اجمال ہوتا ہے مقامات کے واسطہ سے نسبت حاصل ہونے کو سلوک کہتے ہیں اور بلاواسطہ مقامات کے حاصل ہونے کو جذب کہتے ہیں۔ پہلی صورت میں اول اعمال کے ذریعہ سے صفات حمیدہ میں رسوخ پیدا ہوتا ہے اس کے بعد کشش ہوتی ہے اس سے نسبت حاصل ہوتی ہے دوسری صورت میں اعمال پہلے نہیں ہوتے بلکہ پہلے کشش ہوئی پھر اعمال کی توفیق ہوگئی۔ کشش بھی دونوں صورتوں میں ہوتی ہے۔ جس کو جذب کہتے ہیں اور اعمال یعنی سلوک بھی دونوں صورتوں میں ہوتا ہے لیکن ایک میں سلوک مقدم اور جذب مؤخر اور دوسرے میں جذب مقدم اور سلوک مؤخر۔

اہل نسبت جامع ہوتے ہیں۔ دونوں کے مگر اول کو سالک مجذوب اور دوسرے

کو مجذوب سالک کہتے ہیں کسی خاص صورت کو افضل نہیں کہہ سکتے۔ استعدادیں مختلف ہوتی ہیں۔ صرف تقدیم و تاخیر کا فرق ہے۔ باقی جامع ہوتے ہیں۔ دونوں کے۔ جیسے بعضوں کی عادت ہوتی ہے کہ پہلے کھانا کھاتے ہیں پھر پانی پیتے ہیں اور میری یہ عادت ہے کہ پہلے پانی پی لیتا ہوں پھر کھانا کھاتا ہوں۔ پیٹ میں جاکر دونوں حالتوں میں دونوں چیزیں جمع ہو جاتی ہیں۔ باقی کسی خاص ایک صورت کو افضل نہیں کہہ سکتے۔ انہیں صاحب نے عرض کیا کہ مجھے اللہ میاں سے ڈر معلوم نہیں ہوتا۔ فرمایا کہ عقلاً تو ڈر ہی ہے لیکن بات یہ ہے کہ احوال باطنیہ بعض دفعہ طبیعیہ بن جاتے ہیں مثلاً کسی پر کیفیت رجا اور امید کی غالب ہوتی ہے اس پر ذوق و شوق غالب رہتا ہے اور خوف بھی ہوتا تو ہے لیکن محسوس نہیں ہوتا۔

کبھی عبدیت کا غلبہ ہوتا ہے تو خوف محسوس ہونے لگتا ہے کبھی خوف و خشیت کے آثار محبت کے غلبہ سے مغلوب ہو جاتے ہیں۔ یہ کوئی فکر کی بات نہیں۔

پھر عرض کیا کہ مجھے خوف میں رونا کم آتا ہے محبت میں زیادہ آتا ہے فرمایا کہ مجھے بھی خوف میں رونا کم آتا ہے۔ محبت میں زیادہ آتا ہے یہ میرا خاص مذاق ہے۔ بعض طبیعتیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کو خوف سے انقباض پیدا ہو جاتا ہے۔ اور رونا آتا ہے انبساط سے اس لئے خوف میں رونا نہیں آتا۔ بلکہ گرفتگی سی قلب میں ہو جاتی ہے اور محبت میں جوش ہوتا ہے۔ بعضوں کو خوف میں بھی جوش ہوتا ہے اس لئے انہیں خوف میں بھی رونا آتا ہے۔

استفسار پر فرمایا کہ اگر محبت اور تعلق جانبین کو ہو تو بیعت کی ضرورت نہیں اگر بلا بیعت کے تعلق ہو جائے تو وہی کافی ہے لیکن اکثر بیعت ہی سے تعلق ہوتا ہے۔ بیعت سے مرید کی تسلی ہو جاتی ہے اور شیخ کو بھی زیادہ توجہ ہوتی ہے کہ اب یہ اور کہیں نہیں جائے گا ہمارا ہی ہو گیا غرض بیعت غیر بیعت کے آثار میں خود فرق نہیں۔ بلکہ تسلی و عدم تسلی اور توجہ و عدم توجہ میں فرق ہے محبت بڑی چیز ہے یہ اگر بلا بیعت بھی تعلق ہو جائے تو پھر بیعت یا بلا بیعت میں کچھ بھی فرق نہیں۔

استفسار فرمایا کہ عامی اور عالم کی نسبت میں کچھ بھی فرق نہیں ہوتا۔ گو ایک کو دوسرے سے جلدی حاصل ہو جائے لیکن حاصل ہونے کے بعد پھر کچھ فرق نہیں رہتا۔ جیسا کہ ایک کھیت

میں پہلے کھیتی جم آئی دوسرے میں بعد کو۔ لیکن دونوں میں غلبہ ایک سا ہوگا ہاں! استعداد کے تفاوت سے نسبتوں میں تفاوت ہو سکتا ہے۔ لیکن عامی اور عالم کے فرق سے کچھ تفاوت نہیں ہوتا۔ بلکہ عامی کو زیادہ مشغولی ہو سکتی ہے باطن کے ساتھ۔ کیونکہ عالم کی طبیعت چلبلی ہوتی ہے کبھی ادھر کبھی ادھر۔ عامی کی نسبت اس طور سے زیادہ قوی ہو سکتی ہے عالم کی نسبت سے لیکن تبلیغ کا نفع عالم سے زیادہ ہوتا ہے اور تبلیغ شارع کے نزدیک زیادہ نافع ہے۔ پچاس کو مسلمان کر لینا اچھا ہے دو کامل بنانے سے۔ استفسار پر فرمایا کہ رضا کے غلبہ میں بعض بزرگ دعا کو زائد سمجھنے لگے ہیں لیکن یہ حالت کمال کی نہیں۔

ملفوظ (۵۹۸) مشورہ کے وقت اس کی عملی صورت کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیے

فرمایا کہ اکثر عقلاء کے مشوروں میں شریک ہونے کا اتفاق ہوا۔ دور دور کے احتمالات نکال نکال کر قواعد مقرر کرتے ہیں۔ تمام صور ممکنہ کو پیش کرتے ہیں لیکن یہ نہیں سوچتے کہ وقوع کے وقت کیا اثر ہوگا۔ اور کیا کیا باتیں پیش آئیں گی۔ بس قانون بنانا جانتے ہیں۔ لیکن یہ نہیں دیکھتے کہ عملی صورت کیا ہوگی۔ مثلاً بعض دفعہ یہ رائے دیتے ہیں کہ فی آدمی ایک ایک آنہ جمع کیا جائے یہ کیا جائے وہ کیا جائے۔ مجہول کے صیغے بہت ہوتے ہیں۔ کوئی ان سے پوچھے کہ یہ تو سب کچھ ہے مگر کرے کون۔ ذاکرین نے پرچے دینے کی بابت کچھ قواعد بنانا چاہے تھے جس سے سب کو نوبت عرض حال کی آجایا کرے۔ اس پر بہت سی دشواریاں پیش کر کے فرمایا کہ قواعد تو سب کچھ بن جائیں گے۔ لیکن ان کو نفاذ کس طرح ہوگا۔ جس وقت آپ لوگ قواعد بنانے کا مشورہ کر رہے تھے میں یہی سوچ رہا تھا کہ ان قواعد کو جاری کون کریگا۔

جیسا کہ ایک مرتبہ چوہوں نے مشورہ کیا کہ بلی کو پکڑنا چاہیے کوئی کہہ رہا تھا کہ میں ٹانگ پکڑوں گا۔ کوئی کہہ رہا تھا کہ میں کان پکڑوں گا۔ غرض سب نے ایک ایک عضو پکڑنا تجویز کر لیا۔ ایک بوڑھا چوہا خاموش بیٹھا تھا۔ اس سے اور چوہوں نے کہا کہ تم کیسے خاموش بیٹھے ہو تم کیوں ایک مشورہ میں شریک نہیں ہوتے وہ بولا میں یہ سوچ رہا ہوں کہ جس وقت بلی میاؤں کرے گی اس وقت اس میاؤں کو کون روکے گا۔ سب چھوڑ چھاڑ کر بھاگ جاؤ گے۔ پھر وہ ارشاد فرمایا جو اوپر مذکور ہوا۔

ملفوظ (۵۹۹) کھڑاؤں کی کھٹ کھٹ سے قلب کا جاری ہونا۔ نسبت امدادی کے وقت نزع میں برکت۔ حق تعالیٰ شانہ کے نام کی تعظیم کی وجہ سے مبارک خاتمہ۔

فرمایا کہ انبہٹہ کے ایک صاحب منشی تجمل حسین حضرت حاجی صاحب سے بیعت تھے ان کی عادت تھی کہ درویشوں سے بہت ملتے تھے ادھر ادھر مارے مارے پھرتے تھے انکی بی بی نے ایک دفعہ حضرت مولانا گنگوہیؒ سے شکایت کی۔ مولانا نے فرمایا کہ کیوں ادھر ادھر پھرتے ہو۔ عرض کیا کہ اس میں شک نہیں کہ ہمارے حضرات کے برابر کوئی کامل نہیں اللہ کے فضل سے سب کچھ موجود ہے لیکن میرا جی چاہتا ہے کہ میرا قلب جاری ہو جائے اس کی فکر میں ادھر ادھر پھرتا ہوں۔ مولانا نے فرمایا کہ میاں اسمیں کیا رکھا ہے۔

عرض کیا کہ یہ میں خوب جانتا ہوں کہ اس میں واقعی کچھ نہیں رکھا لیکن میں اس کو کیا کر لوں کہ جی چاہتا ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ اچھا جاؤ مسجد میں جا بیٹھو۔ وہ مسجد میں جا بیٹھے۔ ادھر مولانا وضو کر کے کھڑاؤں پہن کر مسجد کی طرف چلے۔ کھڑاؤں کی کھٹ کھٹ سنی تھی کہ ادھر ان کا قلب جاری ہو گیا۔ دوڑ کر مولانا کے قدم پکڑ لیے کہ میں جو چاہتا تھا وہ حاصل ہو گیا۔ اب میں کسی سے نہ ملوں گا۔ چنانچہ اس کے بعد انہوں نے ادھر ادھر پھرنا چھوڑ دیا انہیں تجمل حسین کے ایک بھائی منشی باسط علی نقشبندی طریق کے شیخ تھے۔ مولوی صدیق صاحب جو گڑھی میں تھے۔ وہ اپنا چشم دید واقعہ بیان کرتے تھے کہ وہی نقشبندی شیخ اپنے بھائی تجمل حسین صاحب سے کہا کرتے تھے کہ مجھ سے تم کچھ حاصل کر لو۔ وہ کہہ دیتے کہ ہمیں اپنے حضرت حاجی صاحب ہی کی نسبت ہے۔ وہ کہتے کہ میں نے تمہیں بھائی ہونے کی حیثیت سے مشورہ دیا ہے آگے تمہیں اختیار ہے مرنے سے پہلے کچھ حاصل کر لو۔ ورنہ پچھتاؤ گے جب تجمل حسین صاحب کا وقت اخیر ہوا تو ان سے کلمہ پڑھنے کے لیے کہا جاتا لیکن ان کے منہ سے نہیں نکلتا تھا۔ ان کے بھائی نے آکر جب یہ حالت دیکھی تو کہا کہ دیکھا میں نہ کہتا تھا کہ کچھ مجھ سے حاصل کر لو ورنہ پچھتاؤ گے اب کہاں گئی وہ حضرت حاجی صاحب کی نسبت کلمہ بھی منہ سے نہیں نکلتا۔ نزع کے وقت تھا یہ سنتے ہی انہوں نے فوراً آنکھ کھول دی

اور گو عربی پڑھے ہوئے نہ تھے مگر یہ آیت بڑے جوش سے پڑھی یالیت قومی یعلمون بماغفرلی ربی وجعلنی من المکرمین اور ذکر کرتے کرتے روح نکل گئی وہ بے چارے بماغفرلی ربی وجعلنی من المکرمین کے معنی بھی نہ جانتے تھے۔

مولوی صدیق احمد صاحب اس وقت موجود تھے ان کی بن پڑی۔ انہوں نے انہیں نقشبندی شیخ سے کہا دیکھا تم نے حضرت حاجی صاحب کی نسبت کو۔ پیری مریدی کو دم بھرتے ہو اور اتنا بھی نہیں معلوم کہ یہ کس حالت میں ہے۔

پھر ہمارے حضرت نے فرمایا کہ وہ اس وقت حق تعالیٰ کے ساتھ مشغول تھے اس وجہ سے کلمہ کی طرف توجہ نہ تھی لیکن جب اپنے بھائی کا طعن سنا تو جوش میں آکر آنکھیں کھولدیں اللہ تعالیٰ نے حضرت حاجی صاحب کی نسبت کا اثر دکھلا دیا۔

پھر حضرت نے ایک تیلن کا واقعہ بروایت قاضی محمد منعم صاحب بیان فرمایا کہ جو نہ کبھی نماز پڑھتی تھی نہ روزہ رکھتی تھی لیکن نزع کے وقت باوجود بالکل ان پڑھ ہونے کے یوں کہہ رہی تھی ھذان رجلان یقولان ادخلی الجنۃ۔ اس کے گھر والے ایک صاحب کو جو پٹواری تھے اور عربی داں بھی تھے بلا کر لے گئے کہ نہ معلوم وہ کیا ہذیان بک رہی ہے وہ صاحب پہنچے تو انہیں حیرت ہوئی کہ وہ یہ کہہ رہی ہے ھذا ن رجلان یقولان ادخلی الجنۃ۔ یہی کہتے کہتے اس کی جان نکل گئی۔ انہوں نے پوچھا کہ یہ کیا عمل کرتی تھی عورتوں نے کہا کہ اجی نہ نماز پڑھتی تھی نہ روزہ رکھتی تھی نہ اور کوئی عمل کرتی تھی۔ بلکہ بہت ہی بری تھی۔ معمولی معمولی باتوں پر لڑا کرتی تھی۔ خصوص جب اذان ہوتی تو کسی کو نہ بولنے دیتی نہ چرخہ کاتنے دیتی نہ کچھ کام کرنے دیتی اور اگر اذان ہوتے میں کوئی کچھ بول اٹھی یا کچھ کام کرنے لگی تو آفت مچا دیتی تھی خوب لڑتی تھی انہوں نے اس کی برائی بیان کی لیکن اسی میں وہ عمل بھی معلوم ہو گیا جس کی برکت سے اس کا خاتمہ ایسا اچھا ہوا۔ اور وہ عمل محض خدا تعالیٰ کے نام کی تعظیم تھی جس کی وجہ سے وہ بخش دی گئی۔ حالانکہ نہ نماز نہ روزہ۔

پھر فرمایا کہ یقین تو یہ ہے کہ بہت ہی کم مسلمان ایسے ہوں گے جن کو عذاب ہوگا۔ ورنہ قریب قریب سب ہی بغیر عذاب بخش دیئے جائیں گے۔ کوئی بہت ہی مارد متمرد ہوگا اسی کو تھوڑا بہت عذاب دیا جائے گا کیا ٹھکانہ ہے حق تعالیٰ کی رحمت کا۔

۱۲ شعبان ۴۳ھ

ملفوظ (۶۰۰) لڑکیوں کے رشتہ نہ ملنے کی وجہ

اس کا ذکر تھا کہ لڑکیوں کے لئے اچھے لڑکے بہت ہی کم ملتے ہیں فرمایا کہ میں نے تو اپنے خاندان کی عورتوں کے سامنے ایک مرتبہ یہ کہا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ لڑکیوں میں تو صرف لڑکی ہونا دیکھا جاتا ہے اس لیے یہ معلوم ہوتا ہے کہ لڑکوں کے لئے لڑکیاں بہت اور لڑکوں میں سینکڑوں باتیں دیکھی جاتی ہیں کہ خوب صورت بھی ہو وجاہت بھی ہو۔ کھاتا پیتا بھی ہو۔ عزت بھی ہو۔ خاندان بھی ہو۔ عمدہ بھی ہو۔ میں نے کہا کہ اگر اتنی شرطیں جتنی کہ تم لڑکون میں لگاتی بھی ہو لڑکیوں میں بھی دیکھی جائیں توان شاء اللہ ایک لڑکی بھی شادی کے قابل نہ نکلے۔ اکثر بے سلیقہ اور نالائق ہوتی ہیں۔ غرض لڑکوں میں بھی غالب نالائق ہی ہیں۔ اور لڑکیوں میں بھی۔

ملفوظ (۶۰۱) ہندوستان میں غیر مسلم سے سود لینے کا مسئلہ

فرمایا کہ ہندوستان میں غیر مسلم سے سود لینا میں ناجائز سمجھتا ہوں لیکن بعضے اجازت دیتے ہیں۔ تحذیر الاخوان میں یہ مسئلہ میں نے شائع کیا تو بہت لوگوں نے برا سمجھا کہ فلاں فلاں بزرگوں کے خلاف کیا۔ لیکن میں تو خلاف اس کو سمجھتا ہوں جس میں اور تو ناجائز کہتے ہوں اور میں جائز بتلاتا ہوں اور اس میں خلاف کیا ہے کہ ایک فعل کو اور حضرات تو جائز بتاتے ہیں اور میں ناجائز بتاتا ہوں۔ کیونکہ یہ تو لوگوں کو تقویٰ سے اور قریب کرتا ہے۔ میں انہیں تقویٰ سے بعید تو نہیں کرتا۔ احوط میں کیا خرابی ہے۔ میں تو احتیاط سکھلاتا ہوں وہ بھی تو اس جائز کے ترک کی اجازت دیتے ہیں۔ میں نے اس اجازت دیتے ہوئے فعل کو موکد ہ واجب کہہ دیا۔ اس میں کیا ہو گیا۔ پھر فرمایا کہ سود کا جائز ہونا جی کو نہیں لگتا۔ دوسرے اگر ہو بھی سہی تو اجازت میں فتنہ بہت بڑا ہے عوام کے لئے کیونکہ ان میں قیاس فاسد کا مادہ بہت ہوتا ہے کیا عجب ہے۔ کہ تھوڑے دنوں میں یہ قیاس کرنے لگیں کہ زنا بھی کافر سے جائز ہے اس طرح اسے کہ اول مقدمہ تو یہ ہو کہ سود اور زنا میں فرق نہیں دوسرا مقدمہ یہ کہ سود کافر سے حلال بس ان دونوں مقدمہ کا نتیجہ یہ ہے کہ زنا بھی کافر سے حلال۔

ملفوظ (۶۰۲) کالج والوں کی معقولیت

فرمایا کہ کالج والے معقول بات کو مان جلدی لیتے ہیں اگر سمجھ میں آجائے تو فوراً کہہ دیتے ہیں کہ میں اپنی رائے کو واپس لیتا ہوں گو بعد کو چاہے پھر اس واپسی کو بھی واپس لے لیں۔

میرٹھ میں ایک چندہ عام کی ترغیب کا میں نے بیان کیا تھا۔ اس میں اصل میں یہ بیان کرنا تھا کہ اکثر خلاف شرع چندہ جمع کیا جاتا ہے۔ سو اس پر متنبہ کرنا منظور تھا۔ اور کالج والوں نے اس چندہ کے وصول کرنے میں زیادہ گڑبڑ کی تھی کہ جائز ناجائز کو بھی نہ دیکھا تھا۔ پہلے تو میں نے تالیف قلب کی غرض سے کہا کہ سچ یہ ہے کہ علی گڑھ کے لوگ اس کام میں ہمارے امام ہیں۔ علماء کو اس تحریک کی باحتمال خلاف قانون ہونے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ علی گڑھ والوں کو دیکھ کر انہیں بھی جرأت ہوئی اور معلوم ہوا کہ یہ تحریک خلاف قانون نہیں ہے۔ پھر اسکے بعد میں نے کہا کہ گو ہیں تو یہ ہمارے امام مگر بعض وقت امام کوئی ایسی غلطی کرتا ہے کہ جس سے امام اور مقتدی دونوں کی نماز فاسد ہو جاتی ہے اس وقت مقتدی کو چاہیے کہ امام کو غلطی پر متنبہ کرے اس لئے ہم بھی اپنے اماموں کی غلطیاں بیان کرتے ہیں۔ اس کے بعد پھر میں نے غلطیوں کا خوب اظہار کیا۔

وعظ کے بعد ایک صاحب نے تنہائی میں کہا کہ آپ سے تو توقع سرپرستی کی تھی نہ کہ طعن اور اعتراض کی۔ اس کا تو ہم لوگوں کو کسی قدر خیال ہے۔ ایسا اختلاف کرنا غالباً مناسب نہ ہوگا۔ میں نے کہا کہ آپ نے غور نہیں کیا۔ میں نے اصلاح کی ہے کیا اصلاح کا نام اعتراض ہے اگر ہے تو جتنے باپ ہیں اور جتنے استاد ہیں وہ سارے دشمن ہیں آپ کی روشن دماغی اور بیدار مغزی سے حیرت ہے کہ آپ اصلاح کو اعتراض سمجھے۔ وہ بولے کہ اگر اصلاح ہے تو بہت اچھا۔ پھر فرمایا کہ یہ لوگ زیادہ قیل و قال نہیں کرتے۔ مہذب ہوتے ہیں جھاڑ کی طرح پیچھے نہیں پڑتے۔ بعض احباب کہنے لگے کہ خوب ہی دل لگی سے خبر لی۔ کہ امام تو ہیں لیکن قرآن غلط پڑھتے ہیں۔

ایک بار فرمایا کہ ان لوگوں کو وعظ میں سب کچھ کہہ لیتا ہوں لیکن ہنستے رہتے ہیں۔ کیونکہ میرا عنوان خشن نہیں ہوتا۔ نرم عنوان ہوتا ہے اس لئے ذرا ناگوار نہیں ہوتا۔ گو کہنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتا۔ میرٹھ میں ایک صاحب نے ان لوگوں کو صاف صاف کافر کہہ دیا۔ جو ان کو سخت ناگوار ہوا۔ میں نے خوب صورت پیرایہ میں اول ان کے عقائد کی فہرست بیان کی۔ پھر ان

عقائد کا خلاف اسلام ہونا ثابت کیا۔ اس کے بعد یہ کہا کہ اب میں خود کچھ نہیں کہتا۔ آپ ہی صاحبان پر چھوڑتا ہوں۔ آپ خود فیصلہ فرمالیں کہ آیا ایسا شخص جس کے یہ عقائد ہوں دائرہ اسلام میں رہ سکتا ہے کسی کو ذرا ناگوار نہیں ہوا۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا تسلیم کرتے جاتے ہیں پھر فرمایا کہ میں کریلہ تو کھلاتا ہوں لیکن خوب مصالحہ ملا کر اور مزیدار بنا کر اور یہی حکم بھی ہے۔ وعظهم وقل لهم في انفسهم قولاً بليغا وقال تعالى ادع الى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتي هي احسن: ورنہ محض دل آزادی سے کچھ فائدہ نہیں نکلتا۔ بجز اس کے کہ اور توحش ہو جائے اور راہ پر آتا بھی ہو تو نہ آئے۔

ملفوظ (۶۰۳) رمضان میں قرآن سنانے کی برکت

ایک اہل کار حافظ صاحب سے فرمایا کہ بڑی برکت کی چیز ہے رمضان میں قرآن سنانا تجربہ کی بات ہے کہ سال بھر کا بھولا ہوا اس سے پھر یاد ہو جاتا ہے۔

۲۴ شعبان المعظم ۴۳ھ

ملفوظ (۶۰۴) الفاظ القرآن کی مقصودیت۔ پختہ مزار بنانے سے بزرگوں کی ارواح کو تکلیف۔ بزرگوں کو قیمتی چیزوں سے نفرت۔ سہ دری سے نفیس قالین کا اٹھوانا۔ زھد عن الدنیا۔ صفائی معاملات

سفر کرانہ سے آج واپسی ہوئی ہے۔ فرمایا کہ بڑی مشکل سے آنے دیا ہے کوئی امید نہیں تھی۔ پھر فرمایا کہ دو دن اور دو رات ہو گئے نہ نیند آئی نہ کھانا کھایا گیا۔ بہت ہی خستگی ہے اب تو تحمل سفر کا بالکل نہیں ہوتا۔ احقر نے کھانے کے لئے پوچھا تو فرمایا کہ بھوک نہیں ہے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد فرمایا کہ میں سوچ رہا ہوں کہ مجھے بھوک ہے یا نہیں۔ یہی خبر نہیں کہ بھوک ہے یا نہیں۔ نیند نہ آنے کی وجہ سے حس بھی باطل ہو گئی ہے۔ اب تو سفر سے بہت ہی جی گھبراتا ہے دہلی کے سفر کا تکان ابھی رفع بھی نہیں ہوا تھا کہ یہ سفر کرنا پڑا اس لئے اور بھی طبیعت پر اس سفر کا زیادہ تکان محسوس ہوا یہ بھی فرمایا کہ اب تو سوائے تھانہ بھون کے کسی جگہ ہی جی نہیں لگتا۔ یہ حالت معلوم ہوتی ہے۔

تولائے مرداں ایں پاک بوم برانگیخم خاطر از شام و روم

پھر فرمایا کہ کیرانہ میں پانچ گھنٹہ وعظ ہوا الفاظ قرآن اس وعظ کا نام رکھا ہے۔ اس میں یہ ثابت کیا تھا کہ خود الفاظ قرآن بھی مقصود ہیں قطع نظر معنی کے۔ بلکہ الفاظ سے گزر کر میں نے یہ ثابت کیا کہ نقوش بھی مقصود ہیں الفاظ اور نقوش دونوں کے مقصود ہونے کو ایک ہی آیت سے ثابت کیا تھا تلک الکتاب و قران مبین ۔ میں نے کہا کہ کتاب کے معنی ہیں لکھی ہوئی چیز اور قرآن کے معنی ہیں پڑھنے کی چیز۔ کتاب کے لفظ سے نقوش کا مقصود ہونا اور قرآن کے لفظ سے الفاظ کا مقصود ہونا ثابت کیا تھا اس کے سمجھانے میں کسی قدر دیر لگی تھی کہ جو چیز لکھی ہوئی ہوتی ہے وہ الفاظ نہیں ہوتے بلکہ نقوش ہوتے ہیں۔ اہل علم تو اس کو خوب سمجھتے ہیں لیکن عوام سمجھتے ہیں کہ الفاظ ہی لکھے جاتے ہیں اس لئے اس کی تقریر کرنے میں کچھ دیر لگی تھی۔ وعظ میں بہت مجمع تھا اور نہایت اشتیاق کے ساتھ پانچ گھنٹے تک بیٹھے ہوئے وعظ سنتے رہے۔

الفاظ قرآن کے مقصود ہونے کا بیان اس لئے کیا تھا کہ آج کل جدید تعلیم یافتہ لوگ الفاظ کو مقصود نہیں سمجھتے۔ محض معنی کو مقصود سمجھتے ہیں۔ بعد وعظ کے لوگ پوچھتے تھے کہ شام کو کہاں ہوگا کیا مجھے بالکل لوہے کا سمجھ لیا۔ لیکن اس سے ان کا اشتیاق ضرور ظاہر ہوتا ہے یہ بات قدر کرنے کے قابل ہے۔ پھر فرمایا کہ ایک مرتبہ میں نے وہاں وعظ کیا تھا جس میں بدعات ہی کا ذکر تھا۔ گوارادہ نہیں تھا لیکن میں کیا کرتا کچھ خود بخود یہی مضمون چل پڑا۔ نہایت اچھا بیان تھا لیکن افسوس کوئی قلم بند کرنے والا نہیں تھا۔ اگر وہ قلم بند ہو جاتا تو بہت نافع ہوتا۔ تمام پیر جی صاحبان بھی شریک تھے۔ سب بیٹھے سنتے رہے۔

اخیر میں انہوں نے کہا کہ بیان تو ایسا تھا کہ بے نظیر لیکن ہماری تو ریڑھ ہی مار دی جڑ ہی کاٹ دی۔ لیکن پھر بھی خوش تھے۔ حالانکہ میں نے بہت کھری کھری سنائیں کیونکہ میرے یہاں کوئی لاگ لپیٹ تو ہے ہی نہیں نہ تقیہ نہ تو یہ صاف صاف کہتا ہوں۔ اور اب بھی میں نے قبروں کے پختہ بنانے کی مذمت انہیں کے مذاق بیان کی۔ میں نے کہا یہ جو تم بزرگوں کے بڑے بڑے پختہ مزارات بناتے ہو تو یہ دیکھو کہ ان کے ساتھ زندگی میں کیا برتاؤ کرتے تھے۔ جسد ظاہری کے متعلق ان کی زندگی میں ایک لباس تھا اسی کو دیکھ لو کہ آیا کس قسم کا ان کی خدمت میں پیش کرتے

تھے۔آیاوہ ایسا ہی قیمتی ہو تا تھا یا معمولی۔اگر کبھی کوئی نہایت قیمتی لباس پیش بھی کیا ہو گا تو وہ ان بزرگ نے خود ہی استعمال بھی نہ کیا ہو گا۔

حضرت مولانا گنگوہیؒ کی خدمت میں ایک پوستین ڈیڑھ سو روپیہ کا ہدیہ آیا۔انہوں نے فرمایا کہ اگر اسی کے مناسب پاجامہ بھی ہو۔ عمامہ بھی ہو تو تب تو زیبا بھی ہے میں اسے پہن کر کیا کروں گا۔نواب یوسف علی رئیس چھتاری کو دیدیا کہ تمہارے پاس اس کے مناسب پورا لباس ہے تم رکھو۔

تو دیکھئے جب کوئی جوڑا دیا ہو گا تو معمولی دیا ہو گا تاکہ خود تو استعمال میں لاسکیں کیونکہ قیمتی لباس سے بزرگوں کو بے رغبتی ہوتی ہے۔ پھر یہ تعجب ہے کہ ان کی حیات میں ان کے بدن ڈھانکنے کے لئے تو ڈیڑھ سو کا بھی جوڑا کبھی نہ پیش کیا کہ تکلیف ہو گی اور مرنے کے بعد قبر اور گنبد ڈیڑھ ہزار کا بنادیا۔

یادرکھو تم ان حرکتوں سے بزرگوں کی روح کو تکلیف پہنچاتے ہو۔پھر فرمایا کہ اس مضمون کا لوگوں پر بہت اثر ہو تا ہے کہ روح کو تکلیف پہنچاتے ہو کیونکہ یہ لوگ بزرگوں کی روح کی تصرفات کے بہت ہی زیادہ معتقد ہوتے ہیں میں ان کے اس خیال کو مان کر اس سے کام نکالتا ہوں۔بزرگوں کو قیمتی چیزوں سے نفرت ہونے کے متعلق یاد آیا کہ احقر نے ایک بار عرض کیا کہ خود مجھے اچھی اچھی چیزوں کے رکھنے کا شوق نہیں۔بلکہ بار معلوم ہو تا ہے لیکن جو اچھی چیز دیکھتا ہوں جی چاہتا ہے کہ یہ حضور کے لئے لے لوں۔ فرمایا کہ جو چیز آپ اپنے لئے پسند نہیں کرتے وہ میرے لئے کیوں پسند کرتے ہیں۔ مجھے دنیا میں آلودہ کرنا کیوں پسند کرتے ہیں۔ جبکہ آپ کو اپنے لئے یہ حالت گوارا نہیں۔

ایک نفیس قالین سہ دری میں نشست کی جگہ بچھانے کے لئے احقر نے پیش کی تو میری خوشی کے لئے بچھالیا۔ خطوط تحریر فرمارہے تھے۔ فرمایا کہ دیکھئے جب قلم کو دوات میں ڈال کر اٹھاتا ہوں۔خیال ہو تا ہے کہ کہیں سیاہی گر کر دھبہ نہ پڑ جائے الجھن ہونے لگی یکسوئی جاتی رہی۔ مضامین کی آمد میں فرق آگیا۔اگر معمولی گدا ہو تا تو دھبہ پڑنے کا خیال بھی نہ آتا احقر نے عرض کیا کہ حضور اس کو معمولی ہی سمجھیں۔ دھبہ پڑنے کا کچھ خیال نہ فرمائیں فرمایا کہ طبیعت اس کو گوارا ہی نہیں کر سکتی کیونکہ ہر چیز کے ساتھ اس کی حیثیت کے موافق برتاؤ کرنا چاہتا ہوں۔ پھر دوسرے

دن وہ اٹھادیا اور فرمایا کہ اصل وجہ یہ ہے کہ ایسی چیز پر بیٹھنے سے مجلس خواہ مخواہ بارعب ہو جاتی ہے۔ پاس بیٹھنے والوں پر رعب پڑتا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ کسی کے قلب پر میری ذرا ہیبت نہ ہو۔ لوگ مجھ سے بالکل بے تکلف رہیں تاکہ جو کچھ جس کے جی میں آئے پوچھ سکے۔

ہمیشہ حضرت جائزہ لے کر زائد از ضرورت چیزوں کو فروخت کر دیتے ہیں اکثر مدرسہ سہارن پور میں فروخت کے لئے بھیجتے ہیں اور چوتھائی قیمت مدرسہ میں دیدیتے ہیں فرمایا کرتے ہیں کہ چاہے سابقہ کبھی نہ پڑے لیکن مجھے اس علم ہونے سے بھی وحشت ہوتی ہے کہ میری ملک میں اتنی چیزیں ہیں سبحان اللہ! زہد عن الدنیا اس کو کہتے ہیں اور فروخت کردہ چیزوں کے متعلق کبھی یہ تفتیش نہیں فرماتے کہ کون سی چیز کتنے میں بکی۔ فرماتے ہیں کہ اگر اعتبار نہیں ہے تو وہاں بھیجنا ہی نہ چاہیے۔ اور اگر اعتبار ہے تو پھر شبہ نہ کرنا چاہیے۔ جتنے میں چاہیں بیچیں یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ میں مدرسین کے سلام کی کبھی جانچ نہیں کرتا۔ کیونکہ میں غیر معتبر مدرسین کو رکھتا ہی نہیں۔ پھر جب معتبر سمجھ کر رکھ لیا پھر روز روز کی جانچ کیسی اس میں ان کی بڑی ذلت ہے۔

اسی طرح اگر کسی طبیب سے علاج کراتے ہیں تو بالکل اپنے آپ کو سپرد کر دیتے ہیں۔ بلا اس کے دریافت کئے نہ کوئی چیز کھاتے ہیں نہ کچھ ردوبدل کرتے ہیں ذرا ذرا سی بات کو پوچھا کرتے ہیں۔ غرض پورا پورا اتباع نہایت سختی کے ساتھ کرتے ہیں۔ ہاں اگر مناسب سمجھا گیا تو طبیب ہی کو بدل دیتے ہیں۔ اگر جس طبیب کا علاج ہوتا ہے اس کے علاج کے دوران میں اسی کا اتباع کرتے ہیں۔ کوئی دوسرا طبیب بھی اگر کوئی مشورہ دیتا ہے تو اسی طبیب سے اس مشورہ کو پیش کر کے اس کی رائے کے مطابق عمل فرماتے ہیں۔

غرض جو بات ہے نہایت درجہ اصل اور قاعدہ کے موافق اشیاء فروخت کرنے کے متعلق یاد آیا کہ ایک بار احقر نے حضرت کی چیزیں خریدنے کی خواہش کی۔ فرمایا کہ اس شرط پر کہ بالکل آزادی کے ساتھ معاملہ کریں۔ میری خاطر سے نہ خریدیں اور قیمت تیسرے شخص سے تشخیص کرائی جائے یا بازار سے اندازہ قیمتوں کا کرا کر منگایا جائے اور مجھ کو قیمتوں کی اطلاع کی ضرورت نہیں جو مجموعی قیمت طے پائے وہ دی جائے۔ بشرطیکہ اس پر آپ بھی نہایت آزادی اور خوشی کے ساتھ لینے پر تیار ہوں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ صفائی معاملات تو حضرت پر ختم ہے۔

بلکہ سچ یہ ہے کہ حسن معاشرت علم معرفت زہد و تقویٰ شفقت وایثار وغیرہ وغیرہ من الاوصاف کثیرہ سبھی باتوں میں ہمارے حضرت بفضلہ تعالیٰ یگانہ روزگار ہیں ۔

زفرق تابقدم ہر کجا کہ مے نگرم　　کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجاست

انچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری　　بسیار خوباں دیدہ ام تو چیزے دیگری

اللہ تعالیٰ حضور کے وجود باجود کا بایں فیوض وبرکات روز افزوں مدت مدید تک بعافیت تمام سلامت باکرامت رکھے۔ اور ہم لوگوں کو اخذ فیوض کی توفیق دے آمین ثم آمین۔

ملفوظ (۲۰۵) ایک طبیب کا خواب جو توبہ کا ذریعہ بنا۔ اللہ میاں کیساتھ قانونی حساب کتاب سے کام نہیں چلتا۔ مرض کے منشاء کا انسداد کرنا چاہیے۔

کاندھلہ کے ایک طبیب صاحب نے اپنا ایک خواب بیان کیا کہ شب کو یکا یک سوتے سوتے خود بخود نہ معلوم کس طرح میں مصلے پر پہنچا اور ہوش آیا تو اپنے آپ کو میں نے مصلے پر پایا وہاں میں لیٹ گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ تشریف لائے اور فرمایا کہ تو جو بزرگوں کی طرف سے فاسد خیالات رکھتا ہے ان سے جلد توبہ کرو ورنہ (نتیجہ یاد سے اتر گیا) میں واقعی بزرگوں کی طرف سے بہت فاسد خیالات رکھتا تھا اور برا بھلا کہا کرتا تھا۔ یہ اس طبابت کے پیشہ کی نحوست تھی ۔ میں نے صبح اپنی نبض دیکھی طبیعت کا اندازہ کیا کہ خراب تو نہیں ۔ مگر کوئی بیماری کا اثر محسوس نہ ہوا۔ میں سوچتا تھا کہ یہ خواب کسی بیماری کی وجہ سے تو نہیں دکھلائی دیا۔ لیکن میں اپنے اندر کسی قسم کی بیماری کا اثر نہ پاتا تھا۔ میرے اوپر اس خواب کا اثر یہاں تک غالب رہا کہ میں دوپہر کو مولوی حکیم صدیق احمد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور ان سے میں نے معافی مانگی کہ جو کچھ میں نے آپ کی شان میں برا بھلا کہا ہو وہ معاف فرمادیجئے کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ محض خدا تعالیٰ سے توبہ اس کے لئے کافی نہیں۔ بلکہ صاحب حق سے معافی مانگنا بھی ضروری ہے ۔ مگر لوگ کہتے ہیں کہ تو باؤلا ہو گیا ہے۔

ہمارے حضرت نے فرمایا کہ اس میں باؤلے پن کی کیا بات ہے آپ کا خیال ٹھیک ہے اہل

حقوق سے معافی کرانا بھی ضروری ہے محض توبہ کافی نہیں۔ یہ سن کر ان صاحب نے ہاتھ جوڑ کر حضرت سے عرض کی کہ میں جناب سے معافی چاہتا ہوں۔ حضرت نے فوراً ہاتھ پکڑ کر علیحدہ کر دیئے اور فرمایا کہ اجی حضرت یہ آپ کیا کرتے ہیں مجھ سے معافی مانگنے کی کیا ضرورت ہے مجھے آپ اس خواب میں کیوں داخل کرتے ہیں اس میں تو بزرگوں کا ذکر تھا۔ بزرگوں سے ضرور معافی چاہئے میں تو بقسم کہتا ہوں کہ میں اپنے اندر کوئی کمال نہیں پاتا۔ نہ علمی نہ عملی نہ حالی نہ قالی۔ بلکہ مجھ میں تو سراسر عیوب ہی عیوب بھرے پڑے ہیں۔ میری اگر کوئی برائی کرتا ہے تو یقین جانیئے مجھے کبھی وسوسہ بھی نہیں ہوتا کہ میں برائی کا مستحق نہیں بلکہ اگر کوئی تعریف کرتا ہے تو واللہ تعجب ہوتا ہے کہ مجھ میں بھلا کون سی تعریف کے قابل بات ہے جو اس کا یہ خیال ہے اس کو دھوکہ ہوا ہے۔ حق تعالٰی کی ستاری ہے کہ میرے عیوب کو پوشیدہ کر رکھا ہے اس لیے مجھے کسی کا برا بھلا کہنا مطلق ناگوار نہیں ہوتا۔

اور اگر کوئی میری تعریف ایک کرتا ہے تو اسی وقت اپنے دس عیب مجھے پیش نظر ہو جاتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ آپ نے جو کچھ میرے بارہ میں برا بھلا کہا ہوگا تو عدم واقفیت کی وجہ سے کہا ہوگا۔ اسلئے آپ معذور ہیں۔ تیسرے یہ کہ میں مدت سے یہ دعا مانگ رہا ہوں اور اب بھی تازہ کر لیا کرتا ہوں کہ اے اللہ! میری وجہ سے اپنی کسی مخلوق پر مواخذہ نہ کیجیو۔ جو کچھ کسی نے میرے ساتھ برائی کی ہو یا آئندہ کرے وہ سب میں نے دل سے معاف کی۔ اس لیے مخلوق خدا کو میری طرف سے بالکل بے فکر رہنے۔ میں پیشتر ہی سب کو دل سے معاف کر چکا ہوں آپ بھی اس عموم میں آگئے۔ بلکہ اگر کبھی ضرورت ہو تو میری طرف سے پوری اجازت ہے کہ جو کچھ آپ چاہیں مجھ سے کہہ سن سکتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ اگر میں نہ معاف کر دیا کروں۔ اور دوسرے کو عذاب بھی ہوا تو مجھے کیا نفع حاصل ہوا۔ احقر نے عرض کیا کہ اسکی نیکیاں جو ملیں گی۔ فرمایا کہ ایسی قانونی نیکیاں لے کر میرا کیا بھلا ہو سکتا ہے۔ اگر یہ فعل میرا مقبول ہو گیا تو اس کی بدولت ان شاء اللہ مجھے بے (یعنی نیکی کا نذ کر) ملیں گے۔ میں قانون کی نیکیاں لے کر کیا کرونگا۔ اللہ میاں کے ساتھ قانونی نیکیاں لے کر کیا کرونگا۔ اللہ میاں کے ساتھ قانونی حساب کتاب کرنے سے کہیں کام چل سکتا ہے۔ کیا اس کو یہ

اختیار نہیں ہے کہ ایک شخص کو بلا کسی استحقاق کے نیکیاں دیدے کیا اس کے یہاں نیکیوں کی کمی ہے یہی خیال کیوں نہ رکھے۔

نانوتہ میں ایک صاحب نے یہی کہا تھا کہ ہم تو اسی لئے اپنے حقوق معاف نہیں کرتے کہ ان کے عوض میں ہم کو دوسروں کی نیکیاں ملیں گی اور دوسروں کے جو حقوق ہم نے ضائع کئے ہیں ان میں وہ نیکیاں مجرا ہو کر حساب ٹھیک ہو جائے گا۔ لاحول ولا قوۃ۔ اللہ میاں سے حساب کتاب قانونی کرنا بڑی سخت گستاخی اور جہالت ہے بلکہ میں کہوں گا کہ خباثت ہے کیا اللہ تعالیٰ کو اتنی بھی قدرت نہیں کہ ایک شخص کو بلا کسی استحقاق کے نیکیاں دے دے۔ میں تو اس لئے سب کے حقوق معاف کر دیتا ہوں کہ اگر یہ فعل مقبول ہو گیا تو حق تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ اوروں سے ان حقوق کو جو میرے ذمہ ہیں خود ہی معاف کرا لیں گے۔

پھر انہیں طبیب صاحب کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ ایک بات میں آپ سے خیر خواہانہ کہتا ہوں کہ یہ آپ نے بزرگوں سے معافی چاہنے کا ارادہ کیا ہے یہ بہت اچھی بات ہے لیکن فقط یہ تدبیر کافی نہیں بلکہ یہ دیکھنا چاہئے کہ یہ مرض کہاں سے پیدا ہوا ہے۔ اس مرض کا منشا کیا ہے اس منشا اور مبنی کا انسداد کرنا چاہیے۔ کیونکہ ایک تو عرض ہوتا ہے اور ایک مرض۔ گو بعضا عرض بھی ایسا ہوتا ہے کہ اس کا فوری دفعیہ قابل اہتمام ہوتا ہے لیکن اصل توجہ تو مرض کے ازالہ کی طرف ہونی چاہیے۔ جو منشا تھا اس عرض کا محض عرض کا دفعیہ کر کے بے فکر نہیں ہو جانا چاہیے کیونکہ ابھی اس کا منشا موجود ہے۔ وہ پھر عود کریگا۔ اگر آپ نے اس وقت بزرگوں سے اپنا کہہ سنا معاف بھی کرا لیا تو کیا ہوتا ہے اگر اس کا منشاء موجود رہا تو پھر آپ سے یہی فعل صادر ہوگا۔ لہذا اس کے منشاء اور مبنی کو تلاش کر کے اس انسداد کرنا چاہیے۔ خواب کا تو خیر کیا اعتبار ہے یہ کوئی چیز قابل اعتبار نہیں۔ اصل معیار تو شریعت ہے۔ اگر آپ خوابوں ہی کے بھروسہ رہے تو جس جگہ گناہ کی بابت آپ خواب میں دیکھیں گے۔ اسی سے توبہ کریں گے۔ اور اگر نیک کام کے اوپر خواب میں لتاڑ پڑگئی۔ تو اس کو چھوڑ دیں گے۔ بڑی چیز تو یہ ہے کہ شریعت پر منطبق کر لیجئے کہ کون سا فعل میرا شریعت کے موافق ہے اور کونسا خلاف۔ اور کسی کے ساتھ اعتقاد رکھنا تو ضروری نہیں ہاں بدگمانی اور بدزبانی بلاضرورت کسی کے ساتھ جائز۔ نہیں۔ اس واسطے کسی پر بدگمانی نہ کرے۔

اگر بدگمانی نہ کی تو کیا نقصان ہوا۔ پھر فرمایا کہ اس کا منشاء بہت سی چیزیں ہیں اور ان سب کا منشاء کبر ہے۔ اگر سب سے کمتر آپ کو سمجھے گا تو جس وقت بدگمانی ہونے لگے گی فوراً اپنا عیب پیش نظر ہو جائے گا۔ اور سوچے گا کہ ہم تو اس سے بھی زیادہ نالائق ہیں۔ پھر کبھی اس کی نوبت نہ آئے گی۔ لہٰذا کبر کا علاج کسی کامل شخص کے پاس رہ کر کرانا ضروری ہے۔

ملفوظ (۶۰۶) تلقین ذکر اور تبدیلی نام

ایک دیہاتی ذاکر صاحب نے علاوہ نفی اثبات کے اور کچھ پڑھنے کو پوچھا۔ فرمایا کہ اسم ذات اللہ اللہ ایک ہزار سے شروع کرو اگر وقت بچے تو ایک تسبیح روز بڑھاتے جاؤ ایک ایک تسبیح بڑھا بڑھا کر جہاں تک گنجائش ہو ٹھہرا دی جائے اور اگر زیادہ گنجائش ہوتی جائے تو تین ہزار تک بڑھایا جائے۔ اور چلتے پھرتے جب دھیان آجائے۔ استغفار یعنی استغفر الله ربی من کل ذنب واتوب الیہ۔ انہیں صاحب نے غالباً بیوی کی شکایت کی کہ نماز کی طرف سے غفلت کرتی ہے اور دعا کی درخواست کی۔ فرمایا کہ سمجھاتے رہو۔ سختی نہ کرو۔ اللہ اس کی اصلاح فرمادے۔ یہ بھی ان صاحب نے عرض کیا کہ میرا نام پیر بخش ہے جو اچھا نہیں ہے کیونکہ ایسا نام رکھنا جائز نہیں ہے کوئی اور نام رکھ دیا جائے فرمایا کہ واقعی یہ نام اچھا نہیں ہے پھر دریافت فرمایا کہ اگر کوئی دوسرا نام رکھ دیا جائے تو کیا وہ مشہور ہو جائے گا۔ انہوں نے عرض کیا کہ لوگوں سے کہہ کر کوشش کروں گا۔ فرمایا کہ تمہیں کون سا نام پسند ہے وہ ہی رکھدوں۔ عرض کیا کہ جو حضور رکھ دیں گے۔ وہی پسند ہوگا۔ حضرت نے فرمایا کہ کبیر بخش اچھا معلوم ہوتا ہے۔ کبیر اللہ تعالیٰ کا نام ہے اور پیر بخش جو پہلا نام ہے اس میں تھوڑا سا تصرف کرنے سے کبیر بخش ہو جاتا ہے زیادہ فرق بھی نہیں ہوا۔ ان صاحب نے سب باتیں سیدھی سیدھی طرح کہہ ڈالی تھیں اس کی تعریف فرماتے رہے کہ میرا بڑا جی خوش ہوا۔ سب باتیں صاف صاف کہہ ڈالیں کہیں الجھن نہیں ہوتی۔ سیدھی سیدھی مسلمانوں والی بات۔

ملفوظ (۶۰۷) بعد از اصرار قبولیت ہدیہ

ایک صاحب نے کچھ روپیہ اور چھپے ہوئے دستر خوان اور توشک نذر کئے۔ فرمایا کہ آپ تو ہمیشہ دیتے رہتے ہیں۔ پہلی چیزیں بھی رکھی ہوئی ہیں۔ بہت شرمندہ کرتے ہیں۔ روپیہ بھی دستر خوان بھی توشک بھی۔ یہ زیادتی ہے مجھے بڑی شرم آتی ہے۔ ایسا کیجئے گا کہ روپیہ تو مجھے دید یجئے۔

اور ان چیزوں کو آپ رکھ لیجئے۔ فروخت کر لیجئے گا۔ یہ اچھا ہے یا روپیہ واپس لے لیجئے۔ یہ چیزیں مجھے دیدیجئے۔ ان صاحب نے بہت اصرار کیا تو قبول فرمالیا۔ چونکہ بعد مغرب یہ ہدیہ پیش کیا گیا تھا۔ اسلئے شب کے وقت سہ دری ہی میں وہ چیزیں رکھی رہیں۔ بعد عشاء مکان جاتے وقت احقر کے عرض کرنے پر کہ چیزیں تو یہیں رکھی ہوئی ہیں۔ فرمایا کہ کیا حرج ہے انہوں نے پیش ہی ایسے وقت کیں۔ جب میں دوپہر کو سفر سے واپس آیا تھا اسی وقت پیش کر دینا چاہیے تھا۔

ملفوظ (۶۰۸) بچے بچیوں کا ننگے ہونا

ایک چھوٹا بچہ ننگا کھڑا ہوا تھا حضرت نے اس سے مزاج کی باتیں کیں۔ پھر فرمایا کہ فطری بات ہے کہ لڑکوں کا ننگا ہونا برا نہیں معلوم ہوتا۔ لیکن لڑکیاں ننگی بہت ہی بری معلوم ہوتی ہیں۔ مجھے تو لڑکیوں کا ننگا دیکھ کر بہت ہی برا معلوم ہوتا ہے۔

ایک بار فرمایا کہ لڑکیوں میں فطری طور سے لڑکوں سے زیادہ حیا ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ نے بچپن ہی سے ان کی حفاظت کا سامان فرمادیا ہے۔

ملفوظ (۶۰۹) دال ماش سے رغبت۔ دور جدید کے ملفوظات۔ طرز سیاست سے طرز موعظت کی طرف تبدیلی

چونکہ ماش کی دال سے حضرت کو بہت رغبت ہے۔ احقر گھر آکر کھانا کھانے لگا تو دال گرم گرم کچھ اچھی معلوم ہوئی جی چاہا کہ حضرت تناول فرمائیں دوڑا ہوا گیا۔ چونکہ حضرت پیرانی صاحبہ ابھی کیرانہ سے واپس تشریف نہیں لائیں حضرت تنہا واپس تشریف لے آئے اسلئے اور بھی خیال ہوا کہ احقر ہی کے یہاں شام کا کھانا کھالیں تو بہت اچھا ہو حضرت سے حضرت کے بھتیجے مولوی شبیر علی صاحب پیشتر کھانے کے لئے عرض کر چکے تھے احقر کے عرض کرنے پر فرمایا کہ مجھے اس وقت بھوک نہیں ہے لیکن آپ مکان پر بھیج دیئے میں کھانے کے وقت کھالوں گا۔ احقر نے عرض کیا کہ پھر تو ٹھنڈی ہو جائے گی۔ وہ لطف نہ رہے گا۔ حضرت اس وقت مولوی شبیر علی صاحب کے مکان تشریف لے گئے۔ احقر نے گرم گرم دال بھیجی۔ گھر میں فرمایا کہ بھوک نہیں ہے لیکن چمچی لاؤ روکھی دال کھالوں گا۔ چنانچہ محض احقر کی دلجوئی کے لئے روکھی دال چمچی سے تناول

فرمائی جس کا احقر کو خیال بھی رہا کہ ناحق میں نے اصرار کیا۔ اس کی خبر مجھ کو میرے لڑکے نے دی جس کے ہاتھ دال بھیجی گئی تھی کھانا غالباً بعد مغرب کھایا۔

غرہ رمضان المبارک ۱۳۳۴ھ

دور جدید

جامع ملفوظات عرض کرتا ہے کہ عبارت ذیل خود صاحب ملفوظات نے لکھ کر غرۂ رمضان المبارک ۱۳۳۴ھ کو احقر کو حوالہ فرمائی (وھوھذا) احقر اشرف علی مظہر ہے کہ یہ تو ظاہر ہے کہ جس طرح اصل طاعت دینی اپنی اصلاح ہے اسی طرح اصل خدمت دینی دوسروں کی اصلاح ہے اور اس کے دو طریقے ہیں ایک موعظت غیر طالبین کے لئے یا طالبین قلیل الفہم کے لئے۔ دوسرا سیاست محکومین کے لئے بعد موعظت کے۔ یا طالبین اہل فہم کے لئے۔ چنانچہ اسی بناء پر اب تک طالبین اہل فہم کے ساتھ یہی معاملہ کیا جاتا ہے۔ اور نفع بھی اس کا مشاہدہ ہوا۔ بلکہ تجربہ نے یہ بھی ثابت کر دیا کہ بعض طبائع کو بدوں اس کے نفع ہی نہیں ہوتا۔ نہ از خود تنبیہ ہوئی ہے نہ نرمی سے اثر ہوتا ہے مگر ساتھ ہی اس کے یہ بھی مشاہدہ ہوا کہ بعض اصحاب کو قلت تدبیر کے سبب اس طرز سے کسی قدر گرانی بھی ہوتی تھی جس کو ان کی ہی مصلحت کے لئے گوارا کیا جاتا تھا۔ لیکن چند روز سے یہ خیال پیدا ہوا کہ غالباً اب میری تحریرات و تقریرات اس باب میں اس قدر مدون و ظاہر ہو چکی ہیں کہ طالب تنبیہ کے متنبہ ہونے کے لئے کافی وافی ہیں۔ اور جس کو طلب ہی نہ ہو اس کو کون ذمہ دار ہو سکتا ہے۔ ادھر اس طرز کا استعمال ایسے لوگوں کے لئے واجب بھی نہ تھا اور ضعف فہم یا ضعف طلب کے سبب ان میں سے بعض کو ناگواری ہوتی تھی۔ اور اس وجہ سے اپنی طبیعت کو بھی پریشانی زیادہ ہوتی تھی۔ اس لئے بار بار ذہن یہ تجویز کرتا تھا کہ ایک امر غیر واجب کے لئے تکدر و تکدیر کی کیا ضرورت ہے ان لوگوں کے ساتھ بھی موعظت ہی کا طریق استعمال کرنا کافی ہے جس کو طلب ہوگی اس کے ذمہ خود ہے کہ طریق اصلاح دریافت کر کے عمل کرے۔ یا دریافت نہ کرنے کی حالت میں اگر کسی وقت ابتداءً بھی بتلایا جائے تو صرف تبلیغ کی شکل میں بتلا دینا بس ہے تسلط و نگرانی کی کیا ضرورت ہے۔ البتہ جو محض محکوم ہیں غالباً سیاست ان کے حقوق واجبہ سے ہے وہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اسی طرح جو از خود طرز سیاست سے اپنی تربیت کی خود درخواست کریگا بعد

اپنی طمانیت کے اس کی درخواست بھی منظور ہو سکے گی۔

اسی اثناء میں رمضان المبارک کا مہینہ ہزاروں خیروبرکت کے ساتھ رونق افروز ہوا۔ چونکہ اس ماہ میں عموماً تعلقات کی تقلیل ہو جاتی ہے۔ بالخصوص امسال کہ بوجہ خستگی طبیعت کے مہینہ بھر کے جمعوں کا وعظ بھی دوسرے احباب کے سپرد کر دیا گیا۔ تراویح میں ختم قرآن کے لئے بھی دوسرے صاحب تجویز کر لئے گئے۔ پہلے کی طرح کوئی سبق بھی شروع نہیں کرایا گیا۔ تعلیم ذکر و شغل کی بھی تعطیل رہی۔ جو پار سال بھی رہی تھی۔ تو اس طرح اب کا رمضان بہت ہی زیادہ بے تعلقی پر مشتمل تھا۔ اس وجہ سے اس تجویز کے آغاز نفاذ کیلئے یہ ماہ زیادہ مناسب معلوم ہوا۔ پس بنام خدا آج سے طرز سیاست کو طرز موعظت سے بدلتا ہوں اور حق تعالیٰ سے مدد چاہتا ہوں اور چونکہ دونوں طرز کے آثار بھی مثل دونوں کے ماہیات کے صریح متفاوت ہیں۔ اس لئے اس طرز حادث کے ملفوظات و مکتوبات کا رنگ بھی دوسری قسم کا ہوگا۔ اس لئے اس اطلاع کا ملحق کرنا آئندہ کے ملفوظات کی ابتداء میں مناسب معلوم ہوا۔ کہ ناظرین کو زیارت بصیرت ہو اور حسن اتفاق سے اس کے ساتھ ہی یہ ایک عجیب امر واقع ہوا کہ جامع ملفوظات مجھی خواجہ عزیز الحسن صاحب نے مدت سے محض اپنے دین کی حفاظت کے لئے اپنے کو محکمہ تعلیم میں لیے جانے کی تحریک کر رکھی تھی۔ چنانچہ یہی زمانہ اس تحریک کی منظوری کا بھی ہے۔ پس یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ جو وقت صاحب ملفوظات کے طرز سیاست کے طرز موعظت میں متبدل ہونے کا ہے وہی وقت جامع ملفوظات کے محکمہ سیاست کے محکمہ تعلیم میں کہ مناسب سے موعظت کے متبدل ہونے کا ہے (اس حسن اقتران پر جامع یہ شعر عرض کرتا ہے ؎

فی الجملہ نسبتے بتو کافی بود مرا ‏ ‏ بلبل ہمیں کہ قافیہ گل شود بس ست

اب اللہ تعالیٰ سے یہ دعا ہے کہ جس طرح اس طرز سے بہتوں کو نفع ہوا تھا اس طرز سے سب کو نفع ملا ہوا اور طالبین ہی کے ساتھ جامع ملفوظات کے لئے دعا ہے کہ انہوں نے جس غرض سے اپنے اس محکمہ کو تبدیل کیا ہے۔ یعنی حفاظت دین وہ غرض اس جدید صورت میں بوجہ احسن حاصل ہو۔ ختم ہوا کلام صاحب ملفوظات کا۔ اب جامع دور جدید کے ملفوظات کو پیش کرتا ہے۔

ملفوظ (۶۱۰) باپ سے شکر رنجی اور بچے سے پیار

فرمایا کہ بہت بچپن میں مولانا شیخ محمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے میرا رکوع سن کر فرمایا کہ میرے بعد یہ لڑکا ہوگا۔ مجھ سے انہیں محبت تھی۔ حالانکہ والد صاحب سے احیاناً مقدمے بھی رہا کرتے تھے۔ اور باوجود یہ کہ دونوں صاحبوں میں کچھ شکر رنجی بھی تھی۔ والد صاحب مولانا کیلئے ایک مرتبہ میرٹھ سے پان لائے اور مجھ سے کہا کہ تم جاکر دے آؤ۔ میرے دینے سے نہ لیں گے۔ چنانچہ میں لے گیا۔ پہلے بہت دیر تک سوچتے رہے۔ اور پھر لے لئے کہ میرا دل برا ہوگا۔ اب یہ باتیں کہاں۔ اب اگر کسی سے رنج ہو تو اس کی اولاد سے بھی رنج رکھتے ہیں انہوں نے والد صاحب کے بارہ میں بھی رنج کا جاری نہیں کیا۔ پہلے سے اخلاق اب کہاں ہیں۔ الاماشاءاللہ

ملفوظ (۶۱۱) سادگی کی حلاوت

فرمایا کہ سادگی میں بڑی حلاوت ہے جی سب کا چاہتا ہے کہ سادہ معاشرت رکھیں۔ لیکن تکبر کی وجہ سے اور ذلت کے خیال سے نہیں رکھ سکتے۔

ملفوظ (۶۱۲) رغبت سے کچھ بھی کھالو خدا کے فضل سے نقصان نہیں ہوتا

فرمایا کہ میں نے تجربہ کیا ہے کہ رغبت سے جو کچھ بھی کھالو خدا کے فضل سے کچھ نقصان نہیں ہوتا بے رغبت اگر ایک لقمہ بھی کھایا جائے تو وہ نقصان کریگا۔ اور جو صادق رغبت ہو تو کچھ ہی کھالو سب ہضم یہ بھی فرمایا کہ افطار کے بعد کسی قدر کم کھائے تو سحری رغبت کے ساتھ کھائی جائے۔ یہ بھی فرمایا کہ میں زائد چیزیں مثلاً آم وغیرہ بعد تراویح کے کھاتا ہوں تاکہ نماز میں گرانی نہ رہے۔ اور رمضان المبارک میں کچھ نہ کچھ زائد چیزیں ہوتی ہی ہیں۔ کسی نے آم بھیج دیئے۔ کسی نے پھلوریاں بھیجدیں۔ اور خود گھر میں بھی نئی چیزیں پکتی رہتی ہیں۔ آخر حدیث شریف میں ہے کہ شہر یزاد فیہ رزق المومن۔ یعنی مومن کا رزق رمضان میں بڑھ جاتا ہے۔

ملفوظ (۶۱۳) تعداد وظائف کے بارے میں اصول

عرض کیا گیا کہ ورد وظائف زیادہ تعداد میں رکھنا اور تعب برداشت کرنا اچھا ہے یا کم

تعداور کھنااور جمعیت کے ساتھ پورا کرنا۔ فرمایا کہ تھوڑا تعب ہو تو برداشت کرنا چاہیے زیادہ نہیں۔ میری رائے میں اپنے ذمہ تواسی قدر رکھے جس میں تعب نہ ہو پھر نشاط دیکھے تو زیادہ کرے۔ اس میں خواہ تھوڑا تعب بھی برداشت کرلے یہ اچھا معلوم ہوتا ہے۔ اس میں طبیعت پر بار نہیں رہتا۔ اور اگر کبھی زیادہ نہ کر سکا۔ تو غم نہیں ہوتا کیونکہ سمجھے گا۔ کہ میرے ذمہ اس قدر تھوڑا ہی تھا۔ اور اگر زیادہ کر لیا تو فرحت ہوگی۔ اپنے ذمہ اسی قدر رکھے جس کو آسانی کے ساتھ نباہ سکے۔ اگر اپنے ذمہ زیادہ رکھا تو ناغہ میں بے برکتی ہوگی اور جو اپنے ذمہ سے زیادہ پڑھتا ہے وہ اگر ناغہ ہو جائے تو اس میں بے برکتی نہیں ہوتی۔

ملفوظ (۶۱۴) رمضان المبارک کی کھلی ہوئی برکات

فرمایا کہ رمضان المبارک کا تو ہے صرف ایک ہی مہینہ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمام امکنہ اور ازمنہ کو محیط ہے واقعی گیارہ مہینے ایک طرف معلوم ہوتے ہیں اور یہ ایک مہینہ ایک طرف۔ اس مہینہ کی کھلی ہوئی برکت ہے جس کا انکار نہیں ہو سکتا۔ روزہ میں صریح سہولت ہوتی ہے۔ مشاہدہ کا کیا انکار ہو سکتا ہے۔ غیر رمضان میں نفل روزے گراں ہوتے ہیں۔ واقعی آدمی خود کھپا جاتا ہے۔ ورنہ حق تعالیٰ کی طرف سے مدد ہوتی ہے میں نے ایک (ریل کے) ڈرائیور کو دیکھا کہ دن بھر آگ کے سامنے رہتا تھا اور پھر بھی روزے رکھتا تھا۔

ملفوظ (۶۱۵) ظلم گوارا کر لیا انکار ملکیت کو گوارا نہ کیا۔ عزیزوں کو بیعت نہ کرنے میں حکمت

حضرت اپنی ایک عزیزہ کے معاملہ کے فیصلہ کے لئے دوسری عزیزہ کے یہاں تشریف لے گئے۔ معاملہ جہیز اور بری کا تھا۔ ملکیت کا دوسری قابض۔ عزیزہ کو اقرار تھا لیکن پھر بھی بری دینے سے انکار کر دیا۔

حضرت نے فرمایا کہ گو بری کے متعلق ان سے صاف طور سے کہہ دیا گیا تھا کہ اگر تم نے بطور ملکیت کے دینے کی نیت نہ کی ہو تو وہ تمہارا ہے اور اس کا فیصلہ محض تمہارے قول پر ہے۔ لیکن تعجب ہے کہ ہر مرتبہ یہی کہا کہ میں نے ملکیت ہی کے طور پر دینے کی نیت کی تھی۔ مگر باوجود اس

اقرا کے پھر بھی دینے سے انکار کیا حالانکہ جب دینا نہ تھا تو وہ ملکیت کا بھی انکار کر سکتی تھی۔ لیکن عرفاً ظلم میں بدنامی نہیں ہوتی لیکن بری ملکیت کے طور پر نہ دینے سے بدنامی ہوتی تھی۔ اسلئے ظلم کو گوارا کیا انکار ملکیت کو گوارا نہ کیا۔

پھر فرمایا کہ میں نے اصل معاملہ میں مطلق دخل نہیں دیا۔ صرف یہ بتلا دیا کہ حکم شرعی یہ ہے آگے عمل کرنا نہ کرنا تمہارے اختیار میں ہے اس کو تم جانو یا وہ جانیں۔ میں اس کے متعلق کچھ نہیں کہتا۔ میں نے کہا کہ یہ مسائل ہیں اور اس میں بھی اگر تم کو اطمینان نہ ہو اور علماء سے پوچھ لو مگر مسائل میں انہوں نے مجھ کو غلط گو نہیں سمجھا۔ حالانکہ بعضے مسائل نازک بھی تھے کہا کہ خدا نا خواستہ تم غلط تھوڑا ہی کہتے ہو۔ یہ بی بی وہ ہیں جنہوں نے مجھ سے بیعت کی درخواست کی تھی۔ لیکن میں نے کہہ دیا تھا کہ میں عزیزوں کو بیعت نہیں کرتا۔ اگر یہ مجھ سے بیعت ہوتیں تو خواہ مخواہ ان کی آزادی میں فرق آتا۔ اب انہوں نے آزادی کے ساتھ انکار کر دیا۔ اور جو کچھ چاہا برا بھلا کہہ لیا۔ کہتی تھیں کہ یہ طرفداری کرتے ہیں اگر بیعت کی حالت میں ایسا کہتیں تو ان کیلئے زیادہ برا تھا۔

ایک صاحب نے عرض کیا کہ اگر بیعت ہوتیں تو اچھا تھا۔ ظلم سے تو بچتیں۔ فرمایا کہ اس صورت میں مجبور ہو کر عمل کرتیں۔ اور تنگی ہوتی قلب پر زیادہ تو شریعت میں وسوسے ہونے لگتے دوسرے یہ کہ نیت تو خراب ہوتی ہی اس لئے معصیت سے بھی نہ بچ سکتیں۔ میں ارادت سے کسی کو دبانا پسند نہیں کرتا۔ حکومت ہو وہ اور بات ہے۔ قہر سے دبانے میں کوئی احسان نہیں۔ ارادت سے دبانے میں یہ ہوتا کہ ہم نے تمہارے معتقد ہونے کی وجہ سے ایسا کیا اس میں غیرت آتی ہے جب احسان کی وہ کوئی چیز نہیں پھر ہم پر کیوں احسان رکھے عاقبت تو اپنی سنوارے۔ اور احسان ہم پر رکھے۔ مگر میرا جی ہوا بہت تنگ۔ جیسا کہ ان کا برتاؤ تھا اس سے واللہ یہ گمان تھا کہ جس وقت حکم شرعی بتلاؤں گا بے چون و چرا عمل ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ مسئلے بہت بگھارا کرتی تھیں۔ اگر میرا یہ گمان نہ ہوتا تو میں اپنی عزیزہ کی دل شکنی کو گوارا کر لیتا۔ لیکن اس معاملہ میں اتنا بھی دخل نہ دیتا۔

ملفوظ (۶۱۶) درد دل کا اثر۔ مجاہدہ کا ثمرہ اونچا اور ناز و نعم کا نیچا رہتا ہے۔ محض گمان کا اثر

ایک صاحب کی باتوں کے متعلق حضرت نے فرمایا کہ دل کو نہیں لگتیں۔ حضرت کے

ملازم میاں نیاز نے عرض کیا کہ باتیں دل کو کیسے لگ جایا کرتی ہیں۔ فرمایا کہ کوئی سوئیاں چبھودے تو کیسے معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ یہ سوئیاں ہیں۔ میاں نیاز بولے کہ وہ تو چبھتی ہیں حضرت نے فرمایا کہ اسی طرح باتیں بھی دل میں چبھتی ہیں۔

پھر فرمایا کہ حضرت غوث پاکؒ (ایک صاحب سے معلوم ہوا کہ یہ واقعہ حضرت شاہ عبدالقدوس صاحب گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ کا ہے۔ حضرت کے صاحبزادہ مولانا رکن الدین صاحب دہلی سے فارغ التحصیل ہو کر تشریف لائے تو شاہ صاحب نے وعظ کہلوایا لیکن ان کے وعظ سے کوئی متاثر نہ ہوا پھر شاہ صاحب نے اپنی سحری کا واقعہ بیان فرمایا اس پر تمام مجلس تڑپ گئی پھر مولانا رکن الدین شاہ صاحب نے فرمایا کہ تم جو علم پڑھ کر آئے ہو وہ ابھی کافی نہیں ہے۔) کے صاحب زادے نے ایک مرتبہ پہلے وعظ فرمایا بہت زور لگا لگا کر مضامین عالیہ بیان کئے لیکن لوگوں پر کچھ بھی اثر نہ ہوا۔ پھر حضرت غوث پاکؒ نے اٹھ کر ایک معمولی سا واقعہ بیان کیا کہ رات میں نے نفل روزہ رکھنے کا ارادہ کیا سحری کیلئے کچھ کھانے کو رکھا لیکن ایک بلی آئی اور سب اٹھا کر لے گئی۔ اٹھ کر دیکھتے ہیں تو کچھ بھی نہیں بس یہ سن کر تمام مجلس تڑپ گئی۔ ایک دوسرے پر لوگ گرتے تھے عجیب حالت تھی۔ حیرت تھی کہ یہ بھی کوئی مضمون ہے جس پر ایسی حالت طاری ہو گئی۔

معلوم ہوا کہ دل میں جب درد ہوتا ہے تو منہ سے معمولی بات بھی نکلتی ہے تو اس کا بھی اثر ہوتا ہے۔ مسلمان پر موقوف نہیں درد مند کافر بھی اگر روتا ہے تو چاہے رونا زیادہ اچھا نہ جانتا ہو رونے میں دوسرے سے زیادہ مشاق بھی نہ ہو لیکن اس کو سن کر کلیجہ نکلا جاتا ہے اور دوسرا اچھا ہے جیسی مشاقی کے ساتھ رو رہا ہو لیکن دل میں درد نہ ہو تو اس کے رونے کا ذرا بھی اثر نہیں ہوتا کیا بات ہے ایک دل میں درد ہے اور ایک کے دل میں درد نہیں ؎

از دل خیزد بر دل ریزد

ایک بزرگ درویش تھے یعنی عالم پورے نہ تھے گو بے علم بھی نہ تھے۔ وعظ میں سیدھی سیدھی باتیں فرما رہے تھے اور لوگ تڑپ رہے تھے۔ اسی مجلس میں ایک علامہ بھی حاضر تھے انکے دل میں خیال گذرا کہ یہ عجیب بات ہے ہم اتنے بڑے عالم لیکن ہمارے وعظ میں اثر نہیں اور یہ کم علم۔ مضامین بھی عالی اور دقیق نہیں لیکن ان کے وعظ میں لوگوں کی یہ حالت ہے۔ ان بزرگ کو ان

کا یہ خیال مکشوف ہو گیا۔ فرمایا کہ ہمیں ایک حکایت یاد آئی۔ یہ گویا ان کا جواب دیا۔ حکایت یہ بیان کی کہ ایک گلاس میں تیل پانی اور بتی تھی ایسی صورت میں تیل اوپر رہتا ہے اور پانی نیچے۔ کیونکہ پانی وزنی زیادہ ہوتا ہے پانی نے تیل سے شکایت کی اور پوچھا کہ یہ کیا بات ہے۔ میں نیچے رہتا ہوں اور تو اوپر۔ حالانکہ میں پانی ہوں۔ اور پانی کی یہ صفت ہے کہ وہ صاف شفاف خود طاہر و مطہر روشن خوب صورت خوب سیرت ہے۔ غرض ساری صفتیں موجود ہیں اور تو (یعنی تیل) خود بھی میلا اور جس پر گرے اسے بھی میلا کر دے۔ کوئی چیز تجھ سے دھوئی نہیں جاسکتی۔ چاہیے یہ تھا کہ تو نیچے ہوتا اور میں اوپر۔ مگر معاملہ برعکس ہے کہ میں نیچے ہوں اور تو اوپر۔ تیل نے جواب دیا۔ کہ ہاں یہ سب کچھ ہے لیکن تم نے کوئی مجاہدہ نہیں کیا ہمیشہ ناز و نعم ہی میں رہے بچپن سے اب تک۔ بچپن میں فرشتے آسمان سے اتار کر بڑے اکرام سے تم کو لائے ہیں پھر جس نے دیکھا عزت کے ساتھ برتنوں میں لیا بڑی رغبت سے نوش کیا۔ غرض ہمیشہ عزت ہی عزت اور ناز ہی ناز دیکھا۔ تمہاری دھوپ سے حفاظت کی جاتی ہے۔ میل کچیل اور غبار سے حفاظت کی جاتی ہے گو کہ اسے مطلب کو سہی اور ہم نے جب سے ہماری ابتداء ہوئی ہے ہمیشہ مصیبتیں ہی مصیبتیں جھیلی ہیں۔ سب سے اول تخم سرسوں یا تل کا۔ سب سے اول مصیبت کا یہ سامنا ہوا کہ سینکڑوں من مٹی ہمارے اوپر ڈال دی گئی۔ سینہ پر پتھر رکھا۔ پھر جگر شق ہوا۔ یہ دوسری بڑی مصیبت پڑی۔ تیسری مصیبت یہ پڑی کہ زمین کو توڑ کر باہر نکلے۔ چوتھی یہ کہ جب باہر نکلے تو آفتاب کی تمازت نے جگر بھون دیا۔ پانچویں مصیبت یہ جھیلنی پڑی کہ جب کچھ بڑے ہو گئے تو درانتی سے کاٹا گیا۔ چھٹی مصیبت یہ کہ زیروزبر کیا گیا۔ اور بیلوں کے کھروں میں روندا گیا۔ اخیر میں ساتویں مصیبت تو غضب کی تھی کہ کولہو میں ڈال کر جو کچلا ہے تو جگر پاش پاش کر دیا۔ اس طرح ہماری ہستی ہوئی۔ عمر بھر مجاہدوں میں گذری۔ سو مجاہدہ کا ثمرہ یہ اونچا رہنا ہے۔ اور ناز و نعم کا ثمرہ یہ نیچا رہنا ہے۔

مولانا سمجھ گئے کہ یہ میرے خطرہ کا جواب ہے کہ آپ کے تو ہمیشہ ہاتھ چومے گئے جب ملے اول سلام کیا گیا۔ کیونکہ مولانا کو کبھی توفیق ہی نہیں ہوتی کہ پہلے سلام کریں اور ہم بیچارے خستہ حال شکستہ بال خصوصاً اس زمانہ میں درویشوں کو کوئی پوچھتا بھی نہ تھا وہ تو اب یہ وقت ہوا ہے کہ درویشوں کی قدر ہوئی ہے ورنہ جب تک اسلامی اثر غالب تھا علم ہی کا اثر عام ہے۔ درویشوں کے

خاص خاص لوگ معتقد ہوتے تھے۔ ورنہ عام اثر علماء کا ہی تھا۔ جیسے اب عام اثر درویشوں کا ہے خصوص خلاف شرع فقیروں کا اور بھنگڑوں کا کیونکہ جو شرع کے خلاف نہ ہو وہ تو ناپا ہیں۔ وہابی ہیں اور جو جتنا شریعت کے خلاف ہے بس قطب الا قطاب ہیں غوث ہیں۔

پھر نیاز سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ یہ بات ہے بھائی۔ میاں نیاز ان باتوں سے اثر ہوتا ہے پھر دوسرے کو بھی وہ اثر لگنے لگتا ہے۔ پھر فرمایا کہ اجی واقعیت کا تو کیوں اثر نہ ہوتا اگر محض گمان ہو کہ یہ اچھا ہے اس کا اثر ہونے لگتا ہے اس گمان پر یاد آیا کانپور کا ذکر ہے ایک صاحب میرے پاس آئے میرا معمول تھا کہ جیسا وقت ہوتا تھا اس کے مناسب وعظ میں احکام بیان کیا کرتا تھا۔ چنانچہ محرم میں بدعات وغیرہ کا بیان کیا ان میں یہ بھی تھا غالبًا کہ شہادت نامہ محرم میں پڑھنا بدعت ہے۔ وہاں تھوڑا زمانہ ہوا ایک بزرگ تھے ان کا معمول تھا کہ وہ محرم میں شہادت نامہ پڑھا کرتے تھے وعظ کے بعد ایک گاؤں کے رئیس آئے اور بطور مشورہ مجھ سے کہا کہ عوام میں زیادہ تذکرہ تھا۔ خصوص شہادت نامہ کا۔ یہ عوام ایسے ہوتے ہیں کہ اگر پیشتر ان کی تالیف قلب کی جائے پھر منکرات پر انکار کیا جائے تو ان کو وحشت نہیں ہوتی۔ ورنہ اس طرح یہ لوگ متوحش ہو جاتے ہیں۔ مجھے ان کا یہ مشورہ دینا برا معلوم ہوا۔ میں نے انہیں اس قسم کا جواب دیا کہ افسوس غیر اہل علم اہل علم کو امور علمیہ میں مشورہ دیں۔ پھر میں نے کہا کہ آپ یوں سمجھتے ہوں گے کہ ہم لوگوں کا عوام پر دارومدار ہے میں نے ذرا تند لہجہ میں کہا وہ بھی منقبض ہو گئے اور ناخوش ہو کر چلے معذرت نہیں کی تھوڑی دور چلے تھے کہ پھر لوٹ کر آئے اور کہا کہ آپ نے کیا کر دیا مجھ کو۔ میرا قدم نہیں اٹھتا تھا۔ واقعی آپ کی بات مجھ کو گراں گزری تھی۔ مگر میں جو اٹھ کر چلا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ کسی نے سینکڑوں من کا لوہا پیروں میں باندھ دیا ہے۔ قدم نہیں اٹھتا تھا بے شک معلوم ہوا کہ ہے کچھ بات۔ اللہ کے واسطے رسول کے واسطے مجھے معاف کر دیجئے۔ میں نے کہا کہ خان صاحب آپ کس خیال میں ہیں لاحول ولا قوۃ۔ میں نے بہت تسلی دی کہ کوئی بات نہیں لیکن انہوں نے کہا کہ بس آپ کچھ ہی کہیں میں نے تو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اب کیا گنجائش انکار باقی ہے۔

آج معلوم ہوا کہ ہیبت کیا چیز ہوتی ہے رعب کیا چیز ہوتا ہے خوف کیا چیز ہوتا ہے میں نے ہر چند کہا کہ یہ آپ کا گمان ہے لیکن انہوں نے کہا کہ آخر گمان اوروں کے ساتھ بھی تو ہے

وہاں ایسا کیوں نہ ہوا۔ تو میں کہتا ہوں کہ جب خیال سے ایسا اثر ہوتا ہے تو واقعیت کا اثر کیوں نہ ہوگا۔

بعض بزرگوں کے سامنے بادشاہوں کو بھی ہمت نہیں ہوئی۔ کیا بات ہے کون سا لاؤ لشکر ہوتا تھا انکے پاس۔ ایک شخص کہتے تھے کہ گلاؤ ٹھی کا قصہ۔ وہاں ایک نقشبندی بزرگ تھے۔ میں نے بھی زیارت کی ہے بہت ہی سادگی کے ساتھ رہتے تھے۔ ان کے ایک دوست بیان کرتے تھے۔ کہ وہ ایک مرتبہ چلے جاتے تھے۔ ایک غریب سا معتقد ان کے ساتھ تھا کسی امیر کی سواری نکلی اس نے ہنٹر سے اشارہ کر کے اس کو معتقد کو ہٹایا ہنٹر زیادہ بھی نہیں لگا۔ دوڑ کر وہ بزرگ چلتی ہوئی گاڑی کے پائیدان پر جا کھڑے ہوئے اور یہ کہا کہ خدا کے یہاں اس کا مزا چکھنا ہوگا۔ صاحب وہ شخص ہیبت کے مارے کانپنے لگا تھرا کر پیروں پر گر پڑا۔ وہ یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ یہ کون ہیں۔ وہ کہتا تھا کہ جس وقت انہوں نے یہ الفاظ کہے ہیں کہ خدا کے یہاں اس کا مزا چکھنا ہوگا میرے تمام بدن میں لرزہ پیدا ہو گیا حالانکہ وہ بیچارے مشہور مشائخ میں سے بھی نہیں تھے لیکن اس قدر اثر ہوا کہ حضرت وہ گاڑی بڑھا نہیں سکا۔ فوراً پیروں پر گر گیا۔

پھر ہمارے حضرت نے کچھ دیر کے سکوت کے بعد فرمایا کہ دل پیدا کر لے وے آدمی۔

ملفوظ (۶۱۷) روزے میں گرمی کا اثر نہ ہونا

فرمایا کہ خدا کی قدرت ہے کیسی سخت گرمی تھی۔ مگر معلوم ہی نہیں ہوتی۔ ماشاء اللہ رمضان میں کھلی برکت ہوتی ہے۔

۲ رمضان المبارک ۱۳۵۰ھ

ملفوظ (۶۱۸) کثرت کلام کا قلب پر اثر۔ مبتدی و منتہی کے لحاظ سے درجات کلام

فرمایا کہ واقعی کثرت کلام اور بک بک سے قلب میں ظلمت پیدا ہوتی ہے ۔

دل زپر گفتن بمیرد در بدن ۔۔۔ گرچہ گفتارش بود در عدن

ایسا ہے جیسا ہنڈیا میں ابال آیا کرے اور ہر وقت مصالحہ ہی نکلا کرے تو پھیکی رہ جائے گی بیچاری۔ استفسار پر فرمایا کہ پند و نصیحت فی نفسہ مضر نہیں مگر اکثر اس میں بھی ضرورت سے زیادتی

ہو جاتی ہے مثلاً غیر ضروری متعلقات وواقعات وغیرہ بیان کرنے لگتا ہے۔ پھر وہ کلام پند و نصیحت کی حد میں نہیں رہتا۔ عرض کیا گیا کہ تفصیل اور تشریح بھی تو ضروری ہوتی ہے فرمایا کہ تمام کلام تفصیل ہی تھوڑا ہی ہوتا ہے۔ غیر ضروری باتوں کی بھی آمیزش ہو جاتی ہے۔ اسی واسطے مبتدی کو پند و نصیحت سے بھی منع کیا گیا۔ کیونکہ اس کو ضروری اور غیر ضروری میں تمیز نہیں ہوتی۔ منتہی کو تمیز ہو جاتی ہے کیونکہ اس کے اندر وجدان پیدا ہو جاتا ہے غیر ضروری کا صدور تو منتہی سے بھی ہوتا ہے۔ مگر متنبہ ہو کر فوراً توبہ کر لیتا ہے ان حضرات (یعنی مبتدی) کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ اس کے (یعنی منتہی) قلب) پر فوراً ظلمت محسوس ہو جاتی ہے ایک کلمہ بھی اگر بڑھ جاتا ہے۔ فوراً محسوس ہو جاتا ہے۔ جیسے لقمہ میں اگر بال آ جائے تو بال کی کیا حقیقت ہے لیکن فوراً معلوم ہو جاتا ہے کہ بال ہے۔

پھر ایک صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اس لئے وعظ کہنے کے بھروسہ نہ رہے مولانا پھر بھی مضر ہے مبتدی کو۔ عرض کیا گیا کہ جو چیز مضر ہے وہ مبتدی اور منتہی دونوں کا مضر ہے یا کوئی ایسی چیز بھی ہے کہ صرف مبتدی کو تو مضر ہو اور منتہی کو مضر نہ ہو۔ فرمایا کہ دونوں باتیں ہیں مثلاً بعض کلام ایسا ہوتا ہے جو منتہی کو مضر نہیں لیکن مبتدی کو مضر ہوتا ہے کیونکہ بعض اوقات اس سے اعجاب نفس بھی ہوتا ہے اور مثلاً لذیذ کھانے مبتدی کو مضر ہیں۔ لیکن منتہی کو بالکل بھی مضر نہیں۔ کیونکہ مبتدی میں لذیذ کھانوں سے قوت بہیمیہ غلبہ ہوتا ہے۔ اور منتہی چونکہ مجاہدوں سے اپنی قوت بہیمیہ کو مغلوب کر چکا ہے۔ اس لئے اس کو لذیذ کھانوں سے کچھ بھی ضرر نہیں ہوتا۔ کیونکہ منشاء ضرر تو قوت بہیمیہ کا غلبہ ہے۔ جو اسکے اندر رہا ہی نہیں۔ اور بعض ایسی چیزیں ہیں کہ مضر تو دونوں کو ہیں۔ لیکن جو مبتدی ہے اسے ضرر کا احساس نہیں ہوتا۔ اور اس لئے امتداد بھی ہو جاتا ہے تدارک بھی نہیں کرتا۔ منتہی کو احساس بھی ہوتا ہے امتداد بھی نہیں ہونے پاتا اور تدارک بھی کر لیتا ہے۔ غرض مختلف حالتیں ہیں۔

پھر فرمایا کہ یہ بڑا مشکل کام ہے کہ کلام ہو اور اعتدال سے ہو۔ سکوت تو آسان ہے اور مطلق العنان ہونا بھی آسان مگر بولے اور اعتدال کے ساتھ یہ ہے بڑا مشکل کام۔ عرض کیا گیا کہ مطلق غیر ضروری کلام تو مبتدی اور منتہی دونوں کو مضر ہوتا ہو گا۔ فرمایا کہ ہاں دونوں کو مضر

ہوتا ہے کیونکہ کلام غیر ضروری میں ہے۔

پھر فرمایا کہ منتہی کو غیر ضروری کلام سے صدمہ بھی بہت ہوتا ہے ایک کلمہ بعض دفعہ ایسا نکل جاتا ہے کہ کئی کئی دن رنج رہتا ہے کہ کیوں ہم نے کہی تھی یہ بات ؎

بر دل سالک ہزاراں غم بود گر زباغ دل خلالے کم بود

مبتدی کو چونکہ احساس کم ہوتا ہے اس لئے اس کو اتنا گراں بھی نہیں معلوم ہوتا۔

ملفوظ (۶۱۹) رمضان میں نیند کا غلبہ ہو تو کس نیت سے سوئے؟

آج کل رمضان المبارک میں شب کو سونے کے لئے بہت کم وقت ملتا ہے عرض کیا گیا کہ صبح کو بہت غلبہ نیند کا ہوتا ہے نیند پوری نہیں ہوتی فرمایا کہ صبح کے وقت خوب سویا کیجئے پھر فرمایا کہ ہمارا تو سونا ہی اچھا ہے ورنہ بیداری میں معصیت ہی کرتے رہتے ہیں اور کچھ نہیں تو وسوسے ہی معصیت کے آتے رہتے ہیں ہمارا سونا تو ویسا ہے جیسا ؎

ظالمے را خفتہ دیدم نیم روز گفتم ایں مردہ خواہش بردہ بہ

ہمارے حضرت حاجی صاحب فرماتے تھے کہ ایک بزرگ کو کوئی تجلی خواب میں ہوگئی تھی اس کی تمنا میں ہمیشہ سویا ہی کرتے تھے جہاں نماز وغیرہ سے فارغ ہوئے بس لاؤ تکیہ سوئیں گے۔ ایک وہ تھے جو طلب میں سورہتے تھے ہم معصیت سے بچنے کے لئے سو جائیں تو کیا مضائقہ ہے۔

ملفوظ (۶۲۰) الو کی آنکھ کا اثر یا خیال کا اثر

فرمایا کہ مولوی صادق الیقین صاحب کو نیند بہت آتی تھی انہوں نے کسی کتاب میں عمل دیکھا کہ اگر الو ذبح کیا جائے تو اس کی خاصیت ہے کہ ذبح کے وقت اس کی ایک آنکھ تو بند ہو جاتی ہے اور ایک آنکھ کھلی رہتی ہے ان دونوں آنکھوں کی مختلف خاصیتیں ہیں کھلی آنکھ جس کے پاس رہے گی اس کو نیند کم آئے گی اور بند آنکھ جو کوئی اپنے پاس رکھے گا اس کو نیند بہت آئے گی۔ چنانچہ انہوں نے الو کو ذبح کیا تو واقعی اس کی ایک آنکھ بند ہوگئی اور ایک کھلی رہ گئی۔ چونکہ وہ بہت لطیف المزاج تھے انہوں نے ان دونوں آنکھوں کو چاندی کی انگوٹھی میں رکھ کر نگینے جڑوا دیئے۔ کھلی آنکھ انہوں نے اپنے پاس رکھی اور کہتے تھے کہ مجھ کو اس سے نفع ہوا۔ دوسری آنکھ جو نیند لانے والی تھی اس کے لئے میں نے

انہیں لکھا کہ وہ میرے کام کی ہے اسے ضائع مت کرنا میرے پاس بھیج دو۔ چنانچہ انہوں نے بھیج دی لیکن مجھے تو اس کا کچھ بھی اثر محسوس نہیں ہوا۔ ان کو جو اثر محسوس ہوا وہ میری رائے میں ان کا خیال تھا۔ ہم نے تو اس کا اثر مشاہدہ نہیں کیا۔ اگر کوئی کہے کہ تم کو جو اثر محسوس نہیں ہوا تو یہ بھی تمہارے خیال کا اثر تھا تو یہ غلط ہے کیونکہ میں اس سے بد اعتقاد نہیں تھا بلکہ اپنے پاس جو اس کو رکھا تھا تو اسی اعتقاد سے کہ اس میں اثر ہوگا پھر بھی اثر نہ ہوا تو معلوم ہوا کہ اس میں در اصل یہ خاصیت نہیں ہے البتہ ان کو جو اثر محسوس ہوا وہ ان کا خیال تھا۔

ملفوظ (۶۲۱) خانہ کعبہ کی ہیبت

فرمایا کہ صاحب خانہ کعبہ میں پہنچ کر اس قدر ہیبت ہوتی ہے جیسے کوئی چیز نظر آتی ہو اور آدمی اس سے مغلوب ہو جاتا ہے بالکل ایسا وجدان معلوم ہوتا ہے کہ خانہ کعبہ ایک تخت کے مثل ہے اور اس پر کوئی سلطان جلوہ افروز ہے۔ ہم اس کے گرد گھوم رہے ہیں اور نثار ہو رہے ہیں۔

ملفوظ (۶۲۲) طالب کو اپنی رائے فنا کر دینی چاہئے۔ اس نیت سے سلوک سیکھنا کہ دوسروں کو نفع پہنچاؤں شرک ہے۔ مقتدائیت کا ناسور۔ بیعت کو ضروری قرار دینا بدعت ہے۔ بیعت کے منافع بلا بیعت بھی حاصل ہو سکتے ہیں۔ بیعت مستحب ہے۔ بیعت کے سلسلے میں حضرتؒ کا تجدیدی کارنامہ۔ غیر مقلد اور بدعتی کا ذکر و شغل سے نفع۔ پیروں کا بیعت کو ضروری قرار دینے کی وجہ۔ بیعت کی آڑ میں چار سو بیسی۔ فساد عملی کیلئے اصلاح عملی کی ضرورت۔ جس مستحب میں مفسدے پیدا ہو جائیں اس کا چھوڑنا واجب ہے۔ مولویوں نے پیر والا جال لگا لیا۔ وہابی کہے جانے کی وجہ۔ مشائخ کا رنگ نہیں یہ مزے اور لی

کی چیز ہے۔ شان وہا بیت۔ حقیقت تصوف۔ بیعت کے وقت نذرانہ نہ لینے کی حکمت۔ ہر حاضری میں ہدیہ دینے کی ممانعت۔ مقدار ہدیہ میں بے احتیاطی :

فرمایا ایک پیرزادے صاحب دور کے رہنے والے حاضر خدمت ہوئے۔ دوسرے روز عرض کیا کہ ہم لوگوں کے بزرگوں سے پیری مریدی ہوتی چلی آرہی ہے اور ہر قسم کی بدعات ورسوم اور شرک وکفر ہوتے تھے۔ میں نے حضور کی کتابیں دیکھ کر ان سب خرافات کو موقوف کر دیا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ جزاک اللہ! بارک اللہ! پھر انہوں نے عرض کیا کہ ہم کو وہاں کے لوگ مقتدا مانتے ہیں میں یہ چاہتا ہوں کہ ضروری ضروری مراقبات کی مجھ کو اطلاع ہو جائے تاکہ جو چیز ہمارے اکابر کے اندر تھی۔ وہ ہم میں بھی پیدا ہو جائے اور ہماری اصلاح ہو۔ یہ صاحب حضرت سے اکثر خط وکتابت رکھتے تھے۔

حضرت نے فرمایا کہ چونکہ آپ طالب حق ہیں اس لئے آپ کو یہ نیت بھی دل سے نکالنا چاہیے۔ یہ مربی کے اختیار میں ہے کہ جس طریق سے مناسب سمجھے تربیت کرے۔ اور طریقے تربیت کے مختلف ہیں جیسے کہ یہ ایک طریق ہے کہ اشغال ومراقبات ہوں ویسے ہی یہ بھی طریق ہے کہ نوافل ہوں اور تلاوت قرآن ہو۔

اور بعضوں کو محض اہل اللہ کی خدمت سپرد کی جاتی ہے کہ بس خدمت کرتے رہو باقی کو ذکر شغل بتلایا جاتا۔ تو غرض اس کی تخصیص طالب کا حق نہیں۔ کہ مراقبات ہی کے طریق سے اس کی تربیت کی جائے۔ طالب کو تو اپنی رائے بالکل فنا کر دینی چاہیے یعنی جیسے کہ یہ قصد مذموم ہے کہ ہم مرجع خلائق نہیں یہ قصد بھی مذموم ہے کہ ہم کو وہی بات حاصل ہو جائے جو ہمارے اکابر کو حاصل تھی۔ کیا خبر کہ اکابر کی استعداد کیسی تھی اور آپ کی استعداد کیسی ہے۔ بس یہاں تو ارادوں کا فنا کرنے سے کام نکلتا ہے۔ حتیٰ کہ ناکامی پر بھی راضی رہے یعنی اگر ہمیں کچھ بھی حاصل نہ ہو تب بھی راضی ہیں۔

دیکھئے اکامیابی کسی کے قبضہ کی بات نہیں۔ اگر کوئی کسی عورت سے کہے کہ میں تجھ سے

جب نکاح کرونگا جب تو مجھ کو یقین دلائے کہ نکاح کے بعد ایک حسین بچہ پیدا ہوگا تو وہ عورت یہی کہہ دیگی کہ بچہ ہونا نہ ہونا میرے قبضہ میں نہیں۔ یا اگر عورت کسی مرد سے نکاح کے قبل یہ وعدہ لے کہ تم مجھے بچہ بھی جنوادوگے۔ تو یہ اس کی نادانی ہے۔ اسی طرح پیر کے قبضہ میں یہ ہرگز نہیں کہ وہ کوئی خاص چیز حاصل کرادے اس میں نہ مرید کا کچھ اختیار نہ شیوخ کا۔ سینکڑوں لوگ ایک ہی طریق میں لگتے ہیں لیکن کسی کو کچھ حاصل ہوتا ہے کسی کو کچھ۔ تو جس کو اصطلاح میں شیخ ہونا کہتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ سبھی کو حاصل ہوجایا کرے۔ کمال کے درپے نہ ہونا چاہیے۔ خواہ وہ فی نفسہ کمال ہو یا شیخ ہونے کے لحاظ سے کمال ہو۔ اس پر ان صاحب نے عرض کیا کہ مجھے کسی کمال کی خواہش نہیں۔ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ میری اصلاح ہوجائے اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی نصیب ہو۔

حضرت نے فرمایا کہ میں نے یہ اس وجہ سے عرض کیا کہ گو نیک نیتی ہی کی وجہ سے ہے لیکن آپ کا یہ خیال ہے کہ جو چیز ہم میں سے گم ہوگئی ہے وہ عود کرنا چاہیے یہ میراث نہیں کہ جس کا ترکہ میں پہنچنا ضروری ہو۔ چونکہ یہ بہت بڑا مانع تھا اس لئے میں نے اس کو مرتفع کرنا چاہا۔ ایک بزرگ کے یہاں ایک خادم تھے۔ وہ بہت دن سے ذکر شغل کرتے تھے لیکن کوئی نفع نہیں ہوتا تھا۔ آخر ان بزرگ نے ایک دفعہ پوچھا کہ تمہاری نیت اس ذکر شغل سے کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ میری یہ نیت ہے کہ میں اوروں کو نفع پہنچاؤں۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ یہ شرک ہے اس سے توبہ کرنا چاہیے۔ بس اس نیت سے توبہ کرنا تھا کہ خدا نے فضل کرنا شروع کردیا۔ پھر ہمارے حضرت نے فرمایا کہ اس کا نہ زبان پر تذکرہ آنا چاہیے نہ دل میں خیال رکھنا چاہیے کہ جو بات ہمارے اکابر کو حاصل تھی وہی ہمیں بھی حاصل ہوجائے یہ کیا ضرور ہے کہ بادشاہ کا بیٹا بھی بادشاہ ہی ہو۔ اور کامل کا بیٹا بھی کامل ہو بڑی چیز تو یہ ہے کہ عذاب سے نجات ہوجائے۔ کمال کو لے کر کیا چاٹیں گے۔

پھر فرمایا کہ نفس کے کید بہت خفی ہیں۔ آدمی کو اپنے نفس کا کید مشکل سے نظر آتا ہے جو مجھے آپ کے نفس کا کید اس گفتگو سے معلوم ہوا وہ یہ ہے کہ ہم مرجع ہیں ہم میں کوئی کمال ہونا چاہیے تاکہ لوگ دھوکہ میں نہ رہیں۔ ہم واقعی مقتداء ہوجائیں لوگوں کو دھوکہ سے بچانے کی یہ بھی تو صورت ہے کہ اعلان کردیا جائے کہ ہم میں کچھ نہیں ہے ہم رہبر نہیں ہیں یہ کیا ضرور ہے کہ

رہبر تو رہیں لیکن رہبری کے لائق ہو جائیں۔ یہی صاف کیوں نہ کہہ دیا جائے کہ بھائی ہم رہبری کے لائق نہیں ہیں جو رہبری کے لائق ہوں ان سے رجوع کرو۔ اول اس نسبت ہی کو قطع کرنا چاہیے۔ کہ ہم بچ بچ لوگوں کو بڑے ہو جائیں یہ بھی ممکن ہے کہ صاف کہہ دیا جائے کہ بھائی ہم بڑے نہیں ہیں جو بڑے ہوں ان کے پاس جائیں یہ ضرورت نہیں کہ اپنے مجمع کو دوسری طرف نہ ہونے دیا جائے۔ یہ تو کار خود ہوا کا بیگانہ ہوا۔ ~

کار خود کن کار بے گانہ مکن

یہ تو اوروں کے واسطے ساری کوشش ہوئی۔ تو اس طریق میں تو یہ بھی شرک ہے پھر فرمایا کہ ممکن ہے ثمرہ خاصہ دو مہینے میں حاصل ہو جائے اور ممکن ہے جناب کہ پچاس برس میں جا کر حاصل ہو اس کا کون ذمہ دار ہو سکتا ہے بہت سوں کے اول ہی شب میں علوق نطفہ ہو کر نویں مہینہ بچہ پیدا ہو جاتا ہے اور بہت سے ہم سوال ہیں کہ اتنی عمر ہو گئی صرف ایک دفعہ جھوٹ سے امید ہوئی تھی سو وہ بھی غلط ثابت ہوئی۔ بالکل بعینہ یہی حالت یہاں ہے دیکھئے شفا ہے مریض کا طبیب علاج کرتا ہے اپنی طرف سے کوتاہی نہیں کرتا۔ لیکن کبھی تو فوراً فائدہ ہونے لگتا ہے۔ کبھی مدتوں کے بعد شفا ہوتی ہے کبھی اسی مرض میں ختم ہو جاتا ہے۔ نہیں شفا ہوتی مر جاتا ہے۔ ان صاحب نے عرض کیا کہ میرا یہ مطلب نہیں تھا۔

حضرت نے فرمایا کہ آپ نے یہ جو کہا کہ ہم کو وہاں کے لوگ مقتداء مانتے ہیں پھر یہ کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ ہمارے بزرگوں کے ضروری ضروری مراقبات معلوم ہو جائیں۔ ان دونوں جملوں کو جوڑیئے تو اس سے کیا نکلتا ہے۔ یہ جو دونوں کو مقترن کیا ہے تو ان دونوں میں ضرور کوئی ربط ہے۔ اگر ربط ہی نہیں تو ان دونوں کا اقتران کیوں ہوا یوں تو صادقہ مضامین ہزاروں ہیں اور کسی مضمون کے ساتھ کیوں نہ ملایا۔ آدمی اگر اپنے عیوب کو سمجھنا ہی نہ چاہیے تو وہ تو دوسری بات ہے ورنہ اگر غور کرے تو صاف سمجھ میں آ سکتا ہے کہ ان دونوں جملوں کے ربط کی تو یہی صورت ہے کہ ہمارے بزرگوں میں ایک بات تھی وہ ہم سے جاتی رہی ہے۔ گو ہم اہل نہیں ہیں لیکن لوگ ہم کو مقتداء سمجھتے ہیں تو ہم چاہتے ہیں کہ ہمیں ضروری ضروری مراقبات معلوم ہو جائیں تاکہ واقعی مقتداء ہوں مکار اور مخادع نہ ہوں۔ اگر کوئی اور صورت ربط کی آپ کے ذہن میں ہو تو اچھا ہے

معلوم ہو جائے اس کی آپ تقریر فرما دیجئے۔

اس پر ان صاحب نے عرض کیا کہ یہ میری کم فہمی ہے کہ میں نے اس عنوان سے اپنا مقصود ظاہر کیا۔ ورنہ میرا مقصود تو صرف یہ ہے کہ میری اصلاح ہو جائے اور مجھے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہو جائے۔

حضرت نے فرمایا کہ نہیں فقط کم فہمی نہیں بلکہ قلب میں دونوں جملوں میں باہم ارتباط تھا۔ یہ ربط جو میں نے بیان کیا۔ آپ کے ذہن میں بھی ہے۔ اس پر یہ تقریر مبنی ہوئی ہے۔ جو حالت مطلوب ہے وہ بیان کرنی چاہیے تھی۔ آپ کی حالت اور آپ کے بزرگوں کی حالت میں جو تفاوت ہے اس کو ذکر میں لانے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر آپ کے مدعا میں اس تفاوت کو دخل نہیں ہے تو وہ تقریر میں کیوں آیا۔ آپ نے جو کہا کہ ہم نے بدعات ور سوم کو چھوڑ دیا یہاں تک تو ٹھیک آئے۔ آگے جو کہا کہ لوگ ہم کو مقتداء مانتے ہیں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ ضروری ضروری مراقبات کی اطلاع ہو جائے۔ اس کا مطلب تو یہی ہے جو میں سمجھا۔ کیونکہ جب تک ربط کی اور کوئی تقریر معلوم نہ ہو میں اپنی رائے کو کیسے غلط سمجھ لوں۔ میں تو یہ سمجھا کہ نیک نیتی سے آپ نے یہ درخواست کی لیکن حسنات الابرار سیئات المقربین ابرار کے حسنات بھی مقربین کے سیئات ہوتے ہیں۔ آپ کی نیت یہی تھی جو میں سمجھا کہ ہم اب مقتدائیت کے اہل نہیں۔ ہمیں ضروری مراقبات کی اطلاع ہو جائے تاکہ ہم میں وہی بات پیدا ہو جائے جو ہمارے بزرگوں میں تھی۔ اور واقعی ہماری مقتدائیت صحیح ہو۔ اس پر ان صاحب نے اقرار کر لیا۔ پھر حضرت نے فرمایا کہ اسی کو میں کہہ رہا ہوں کہ یہ نیت اس طریق میں شرک ہے آپ ضرور یہ چاہتے ہیں کہ ہم مقتدا تو رہیں لیکن ہم میں جو کمی ہے وہ پوری ہو جائے۔ قبل اس کے کہ کمی پوری ہو یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ متعلقین سے کہہ دیجئے کہ چھوڑ دو۔ ہم مقتدا بننے کے اہل نہیں ہیں۔ تو یہ نفس کیوں تجویز نہیں کرتا۔ نفس کا یہ تجویز نہ کرنا اور وہ کرنا۔ یہی تو مرض ہے تو یہ ہے۔ مولانا اس کا علاج کہ صاف صاف سب کو اطلاع کر دیجئے۔ اس واسطے کہ یہ خدا کا راستہ ہے۔ اس میں کوئی بات لگی لپٹی نہ رہنی چاہیے صاف لکھ بھیجئے۔ کہ ہم کو بزرگوں کی کتابوں سے معلوم ہوا کہ ہم مقتدائیت کے قابل نہیں ہیں۔ اس لئے ہم کو چھوڑ دو۔ اور اپنا کہیں اور ٹھکانہ کر لو۔ اللہ والوں سے رجوع کرو۔ جب آپ یہ اعلان کر چکیں تب مجھ کو پھر اطلاع کریں۔ کم

از کم پندرہ خاص خاص شخصوں کو اسکی اطلاع کر دینی چاہیے۔ تاکہ سب میں اچھی طرح شہرت ہو جائے۔ پرانے بزرگوں کے واسطہ کی نسبت کو بالکل قطع کر دینا چاہیے۔ چاہے پھر خود حق تعالیٰ عطا فرمادیں۔

غرض صاف اعلان کر دیجئے۔ کہ ہم پر نظر نہ کردنہ حالاًنہ قالاً۔ اہل کمال کو ڈھونڈو۔ ہم تمہاری خدمت کے لائق نہیں ہیں۔ یہ ذہن میں بھی وعدہ نہیں رہنا چاہیے۔ کہ بعد اہل ہو جانے کے ہم خدمت کریں گے۔ بغیر اس طرح کئے مفتاح طریق نہیں مل سکتا۔ ان صاحب نے عرض کیا کہ جو کچھ حضور کا ارشاد ہوگا میں اس کے مطابق عمل کرنے کے لئے تیار ہوں میرے امراض کا علاج کیا جائے۔ حضرت نے فرمایا کہ میں نے تو عملی علاج بتلایا ہے اس کو کر کے جب مجھے اطلاع دیجئے گا تب میں آگے بتلاؤں گا۔ انہیں پیرزادہ صاحب نے خطوط کے ذریعہ سے اعلان کر دینے کے بعد تاریخ ۹ رمضان المبارک ۴۳ھ بیعت کی درخواست کی حضرت نے فرمایا کہ بیعت تو خیر ایک رسم ہے بزرگوں کی۔ بڑا نفع تو پاس رہنے میں ہے۔ خواہ بیعت نہ بھی ہو۔ یہ تو ایک رسم ہی ہو گئی ہے آج کل جس کی ضرورت کو میں نے عملاً بھی مٹا دیا ہے ان صاحب نے عرض کیا کہ بیعت میں برکت بھی تو ہوتی ہے فرمایا کہ اس کو میں زیادہ جانتا ہوں۔ یا آپ اس کے مصالح کو جو میرے سامنے بیان کر رہے ہیں اس کے معنی تو صاف یہی ہیں کہ آپ زیادہ جانتے ہیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں حضور سے سمجھنا چاہتا تھا کہ بیعت کیوں ضروری نہیں۔

فرمایا کہ آپ نے استفسار کے طور پر نہیں پوچھا۔ آپ نے فرمایا کہ بیعت میں برکت ہوتی ہے۔ یہ تو دعویٰ ہے سوال نہیں۔ سوال کا دوسرا رنگ ہوتا ہے۔ اس لئے سوال کا اور جواب ہے دعویٰ کا اور جواب ہے اگر آپ سوال کے رنگ سے پوچھیں گے میں جواب دوں گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ آپ نے تو دعویٰ کے طور پر کہا تھا کہ بیعت میں برکت ہوتی ہے اس کا میں نے جواب دیا کہ آپ کیا جانیں برکت کیسی ہوتی ہے کیونکہ آپ نے برکت دیکھی ہی نہیں انہوں نے عرض کیا کہ مجھے سمجھا دیا جائے کہ بیعت کیوں ضروری نہیں۔

فرمایا کہ آپ کوئی شبہ پیش کیجئے۔ انہوں نے عرض کیا کہ جب سے میں خط کے ذریعہ سے حضور سے بیعت ہوا ہوں تب سے مجھے بہت نفع محسوس ہو رہا ہے۔ حضرت نے پوچھا کہ آیا آپ

صرف بیعت ہوئے ہیں یا میں نے کچھ پڑھنے کو بھی بتلایا تھا۔ عرض کیا کہ ذکر بھی بتلایا تھا جس کو میں کرتا ہوں۔ فرمایا کہ ایک شخص نے دو دوائیں استعمال کیں۔ ان کے استعمال کے بعد اسے نفع محسوس ہوا۔ اس میں دونوں احتمال ہیں کہ شاید اس دوا سے نفع ہوا ہو یا شاید اس دوا سے نفع ہوا ہو۔ یہ کیسے مریض تجویز کر سکتا ہے۔ کہ فلاں دوا سے نفع ہوا۔ یہ تو طبیب ہی متعین کر سکتا ہے آپ نے دو کام کئے بیعت بھی ہوئے اور اللہ کا نام بھی لیا اور کتابیں بھی پڑھیں مثلاً آپ کو جو نفع ہوا تو کیا خبر یہ کس کا اثر ہے۔ یہ آپ نے کیسے تشخیص کر لیا کہ بیعت ہی کا یہ نفع۔ یہ تو آپ کا تجزیہ غلط ہے۔ اس پر تو حکم لگانا محض آپ کا خیال ہے۔ میں ایسے لوگ آپ کو دکھلا دوں۔ جو بیعت نہیں لیکن اچھی حالت میں ہیں۔ اسی طرح بہت سے ایسے ہیں جو بیعت ہیں لیکن جن کی حالت نہایت بری ہے۔ آپ اس کی وجہ بتلایئے کہ بیعت ہونے والے کی حالت تو بری ہے اور بیعت نہ ہونے والے کی حالت اچھی ہے یہ کیوں ہے۔ اس میں آپ غور کریں کہ اگر صرف بیعت کوئی چیز ہے تو اس شخص کی حالت جو بیعت ہے اس سے جو بیعت نہیں اچھی ہونی چاہیے تھی۔

بس معلوم ہوا کہ بیعت میں زیادہ برکت نہیں بلکہ کام ہے مبارک۔ جو بیعت ہیں ان کی حالت اچھی ہے تو یہ بھی کام ہی کی برکت ہے۔ جس درجہ کا لوگ سمجھے ہوئے ہیں بیعت کا ہرگز اس درجہ کی چیز نہیں۔ اسی بدگمانی کی وجہ سے ہزاروں لوگ غلطی میں مبتلا ہیں۔ یہ جو آپ کی بیعت کا اصرار ہے یہی ظاہر کر رہا ہے کہ آپ اس کو ضروری سمجھتے ہیں۔ آپ نے میری کتابیں دیکھی ہیں۔ آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ غیر ضروری بات کا اہتمام اور اس کو ضروری قرار دینا بدعت ہے۔ ان صاحب نے اس بات کو تسلیم کیا۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ جب بیعت شریعت سے ضروری نہیں تو پھر اس پر اصرار کرنا اور اس کو ضروری سمجھنا بھی بدعت ہے اور یہ میرا تجربہ ہے اور میں تو کوئی چیز نہیں۔ گو آپ پر تو میرا تجربہ بھی حجت ہو سکتا ہے خیر میرا تجربہ کہیے یا اکابر محققین کا قول سمجھئے۔

یہ بات یقیناً ثابت ہو گئی ہے کہ بیعت کوئی ضروری چیز موقوف علیہ نفع کی نہیں پھر اس کو ضروری یا مہتم بالشان سمجھنا بدعت ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ ہم نے بدعات کو چھوڑا ہے میں کہتا ہوں کہ سب بدعات کو ابھی کہاں چھوڑا ہے۔ پوری توبہ تو جب ہے جب اس بدعت کو بھی چھوڑیئے

یہ پکا اعتقاد کیجئے کہ بیعت ضروری نہیں نہ کسی نفع کی شرط۔ اس کا اچھی طرح تجربہ ہو چکا ہے۔ بہت لوگوں نے مجھ سے شغل پوچھ کر شروع کیا مگر بیعت نہیں ہوئے برابر کام میں لگے رہے یہاں تک کہ میرے نزدیک وہ اس قابل ہو گئے کہ ان کو خود بیعت و تلقین کی میں نے اجازت دی۔ جس وقت میں نے اجازت دی اس وقت انہوں نے کہا کہ ابھی ہم خود تو بیعت ہوئے ہی نہیں میں ہنسا میں نے کہا تو خیر لاؤ۔ اب کر لوں۔ تو اجازت تو دی پہلے۔ اور بیعت کیا پیچھے کیا وجہ! اب سمجھ لیجئے کہ بیعت کو نفع میں کچھ بھی دخل نہیں جو شبہ ہو پیش کیجئے۔ مگر اب اتنے بڑے تجربہ کے بعد شبہ رہ سکتا ہے۔ میرا تو خود اتنا بڑا تجربہ ہے یا تو میری نسبت یوں کہیے کہ میں نے اس شخص کو یوں ہی خلافت دیدی دراصل وہ خلافت کا اہل نہیں تھا۔ اور اگر یہ آپ نہیں کہتے تو طے ہو چکا تجربہ سے کہ بیعت کوئی ضروری چیز نہیں۔ پھر حضرت نے مکرر استفسار فرمایا کہ شبہ پیش کیجئے تاکہ شبہ صاف ہو جائے؟

ان صاحب نے عرض کیا کہ اس تجربہ کا جواب میرے پاس کچھ نہیں۔ پھر حضرت نے فرمایا کہ بس اس تجربہ کا جواب آپ کے پاس کچھ نہیں اور تجربہ حجت ہے تو ایسی حجت سے بیعت کا غیر ضروری ہونا ثابت ہو گیا۔ جس کا آپ کے پاس جواب نہیں۔ پھر فرمایا کہ اب آپ اور شبہات پیش کیجئے۔ انہوں نے عرض کیا کہ جب بیعت ضروری نہیں تو پھر مشائخ کیوں بیعت لیا کرتے ہیں۔ فرمایا کہ میں نے یہ کب کہا ہے کہ بیعت مضر ہے۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ بیعت کے بعد جو نفع ہوتا ہے وہی بلا بیعت کے بھی حاصل ہو سکتا ہے اگر کام کرتا رہے نفع کا دار مدار بیعت پر نہیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ جب بیعت بدعت ہے تو اس کو قطعاً ترک کر دینا چاہیے۔ فرمایا کہ بیعت بدعت نہیں بیعت کو ضروری سمجھنا بدعت ہے۔ میں نے یہ نہیں کہا کہ بیعت بدعت ہے۔ میں تو یہ کہہ رہا ہوں کہ بیعت کو ضروری سمجھنا بدعت ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہم لوگ تو بیعت کو ابھی تک ضروری ہی سمجھتے رہے ہیں۔ فرمایا تو کیا علماء عوام کی رعایت سے احکام بدل ڈالیں۔ انہوں نے غالباً پھر اس کے بدعت ہونے کی بابت کچھ پوچھا۔ حضرت نے استفسار فرمایا کہ بدعت کس کو کہتے ہیں انہوں نے عرض کیا کہ اسی کو جو حضور نے فرمایا یعنی غیر ضروری کو ضروری سمجھنا۔ فرمایا اور غیر ضروری ہونا ثابت کر دیا گیا حجت سے اور بیعت کو ضروری سمجھنا آپ

خود تسلیم کر چکے ہیں جب سارے جزو صحیح ہیں پھر رواں کیسے غلط ہے انہوں نے عرض کیا کہ بیعت کا مسنون ہونا بھی ثابت ہے فرمایا کہ مسنون کی کئی قسمیں ہیں۔ کتنے درجے ہیں انہوں نے عرض کیا مؤکد اور غیر مؤکد۔ فرمایا کہ مؤکد کو سنت کہتے ہیں اور غیر مؤکد کو مستحب۔ بس تو سنت تو ایک درجہ میں ضروری ہے لیکن مستحب تو ضروری نہیں۔ بیعت جو مسنون ہے تو یہ بتلایئے کہ سنت کی کون سی قسم ہے مؤکد یا غیر مؤکد۔ انہوں نے عرض کیا کہ غیر مؤکد۔ فرمایا تو آپ نے خود تسلیم کر لیا اس کا غیر ضروری ہونا۔ آپ نے بیعت کے ضروری ہونے کی دلیل وہ بیان کی جس سے غیر ضروری ہونا ثابت ہوتا ہے۔ یہ دلیل تو آپ نے مضر بیان کی۔ اب آپ اور شبہات پیش کیجئے۔ تاکہ بالکل صاف ہو جائے یا یوں کہئے کہ کوئی شبہ نہیں رہا۔

انہوں نے عرض کیا کہ سب شبہات رفع ہو گئے فرمایا الحمد للہ پھر فرمایا کہ حضرت ایک جہالت میں مبتلا ہیں عالم کا عالم!

میں شکر کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ نے اس مسئلہ کا انکشاف بھی میرے حصہ میں رکھا تھا الحمد للہ مدت کے بعد میرے ہاتھوں یہ مسئلہ کھلا ہے۔ پیروں نے عالم کا راہ مار رکھا ہے۔ بفضلہ میرے ہاتھوں آج یہ کھلا ہے۔ پیرزادوں نے یہ سب قیدیں لگا رکھی تھیں یہ سب دکانداری کی باتیں تھیں۔ آج اللہ کے فضل سے یہ عقدہ حل ہوا۔ چاہے ہم سے کوئی بیعت ہو یا کسی سے بھی نہ ہو ہم سے خدمت لے ہم حاضر ہیں۔

بہت عرصہ کے بعد یہ رسم مٹی ہے۔ پیر لوگ اپنا بناتے تھے خدا کا نہ بناتے تھے ہمارے حاجی صاحب فرماتے تھے کہ میں اپنا بندہ نہیں چاہتا خدا کا بندہ چاہتا ہوں علی الاعلان فرمایا کرتے تھے کہ جو میرے پاس تھا۔ وہ میں نے حاضر کر دیا۔ میری طرف سے اب عام اجازت ہے کہ جس کو جہاں سے مقصود حاصل ہو وہ وہیں جا کر حاصل کر لے میں اپنا مقید نہیں بناتا۔ مطلب تو مقصود حاصل ہونے سے ہے جس جگہ سے بھی حاصل ہو میرے ہی اوپر منحصر نہیں۔ میں اپنا بندہ نہیں بنانا چاہتا۔ خدا کا بندہ بنانا چاہتا ہوں۔

ایک دفعہ حضرت حاجی صاحب نے یوں فرمایا کہ میں لوگوں کے معتقد ہونے سے تنگ ہو گیا خدا کی قسم دل سے چاہتا ہوں کہ لوگ مجھے ملحد اور زندیق سمجھ کر چھوڑ دیں تاکہ میں فارغ

ہو کر محبوب میں مشغول ہوں اور تمہارے اعتقاد نے میرے اوقات کو خراب کر رکھا ہے۔ جناب یہ ہیں خدا کے بندے اس شان کے ہوتے ہیں خدا کے بندے۔

حضرت میں یوں کہتا ہوں کہ خدا کا نام بتلانے میں کسی شرط لگانے کے کیا معنی۔ میرے یہاں اسلام تو شرط ہے۔ کوئی ہندو مجھ سے کچھ پوچھے تو اسے تو میں ہرگز نہ بتلاؤں۔ جب تک کہ مسلمان نہ ہو جائے۔ باقی چاہے جبری ہو چاہے قدری ہو۔ چاہے فلاں خانی ہو چاہے سماع سنتا ہو چاہے غیر مقلد ہو چاہے رافضی ہو کوئی ہو لیکن ہو مسلمان ہم سے ذکر و شغل پوچھو اور کرو ہم بتلا دیں گے۔ چاہے نفع نہ ہو لیکن ہم اپنی طرف سے بتلانے کیلئے تیار ہیں۔ بیعت کا اشتراط تو کیا معنی اہل سنت والجماعت ہونے کی بھی میرے یہاں شرط نہیں لیکن ہم یہ اطلاع کر دیں گے۔ کہ بدون تصحیح عقائد کے کچھ نفع نہیں ہوئے گا۔

میں اس لئے اللہ کا نام سب کا بتلا دیتا ہوں کہ اس کی برکت سے کبھی نفع ہو جاتا ہے یعنی عقائد درست ہو جاتے ہیں۔ بعضے غیر مقلد اور بدعتی بھی مجھ سے پوچھ پوچھ کر ذکر و شغل کرتے ہیں۔ ان کو بفضلہ نفع ہو رہا ہے بعضوں کو یہی حیرت ہے کہ میں ہوں دکن میں کانپور میں ایک صاحب نے مجھ سے کہا کہ یہی پتہ نہیں چلتا کہ تم ہو کدھر۔

ہم دیکھتے ہیں کہ تمہارے سب معتقد ہیں اور تم سے سب رجوع کرتے ہیں۔ تم کسی کو برا نہیں کہتے۔ سو واقعی جو کسی کا زیادتی کے ساتھ برا ہو نا بیان کرتا ہے میں روکتا ہوں۔ چاہے وہ غیر مقلد ہوں یا بدعتی ہوں۔ یا شیعہ ہوں اگر فلاں کو کوئی کافر کہتا ہے تو میں اسے روکتا ہوں گو وہ خود ہمیں کافر کہتا ہے۔ انصاف کی تو یہی بات ہے کہ جو جتنا برا ہو اتنا ہی اس کو برا کہنا چاہیے زیادتی کرنا نفسانیت ہے۔ یہ ہونی چاہیے شان خادمان اسلام کی یہ نہیں کہ بیعنامہ لکھو ہمارے نام کہ ہم نے آپ کو فروخت کیا تب قبضہ دیں گے۔ پھر انہیں پیرزادے صاحب کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ حضرت اب فرمایئے کہ بیعت کی ضرورت رہی یا نہیں۔ اپنے شبہے رفع کر لیجئے۔ انہوں نے عرض کیا کہ شبہے تو سارے رفع ہو گئے فرمایا الحمد للہ۔ پھر غالباً انہیں کے کسی سوال پر فرمایا کہ میں مستحب کو تو بدعت نہیں کہتا اس کو ضروری سمجھنے کو بدعت کہتا ہوں اگر مستحب کو کوئی واجب سمجھ جائے تو کیا یہ بدعت نہیں ہے بیعت کو لازم اور ضروری سمجھا جاتا ہے اور لازم۔ ضروری

امر۔

اور واجب کے ایک ہی معنی ہیں۔ بس یوں کہنا چاہیے کہ بیعت سنت مستحبہ غیر ضروریہ ہے اگر کوئی فعل مستحب ہے مگر اس کو ضروری سمجھنے لگیں تو بدعت ہے ہم بیعت کے استحباب کا تو انکار نہیں کرتے۔

اب سنئے دوسرا قاعدہ فقہا نے لکھا ہے کہ مستحب فعل سے اگر فساد پیدا ہو جائے عقیدہ میں تو اس مستحب کو چھوڑ دینا ضروری ہے اب اس تقریر کے بعد بیعت کو چھوڑنا ضروری ثابت ہوا۔ اصل قانون تو یہ ہے لیکن ہم نے محض عوام کی رعایت سے بیعت کرنا چھوڑا نہیں ہے۔ بلکہ یہ کیا ہے کہ کسی کو کر لیا کسی کو نہ کیا۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ کرنا بھی جائز ہے اور نہ کرنا بھی جائز ہے۔

یہ سب پیروں کو چاہیے کہ بیعت کا سلسلہ کم کر دیں تاکہ یہ غلط عقیدہ لوگوں کے دل سے نکلے کہ بدوں بیعت کے کچھ نفع ہو ہی نہیں سکتا جس کے یہ معنی ہیں کہ بدوں ہمارے غلام ہوئے خدا کے غلام ہو ہی نہیں سکتے۔ یہ سب جاہ اور دکانداری کی بات ہے بھلا بیعت کرنا کیسے چھوڑ دیں کیونکہ بلابیعت کے کوئی ٹکا بھی نہیں دیتا۔ لیکن یہ خیال بھی غلط ہے اگر بیعت کرنا چھوڑ دیں گے تو پھر کوئی کچھ نہ دیگا کیونکہ دینے والوں میں ایسے بھی ہیں جو مرید نہیں لیکن پھر بھی دیتے ہیں۔

میرے بہت سے برا کہنے والے ہیں جو پیٹھ پیچھے تو برا کہتے ہیں۔ لیکن جب سامنے آتے ہیں تو سو سو روپیہ دے جاتے ہیں۔ اور ایسوں کا ہدیہ میں بہت خوشی سے لے لیتا ہوں کیونکہ ان کے اوپر کچھ دباؤ تو ہے نہیں۔ پھر باوجود اس کے جو دیتے ہیں تو معلوم ہوا کہ بالکل مخلص ہیں۔ جناب جو ملنے والا ہے وہ تو مل ہی جاتا ہے۔ پھر فرمایا کہ اگر نہ ملے تو کیا ہے اگر آمدنی ہی کی غرض سے بیعت ہے تو نفریں ہے اس بیعت پر جس میں یہ نیت ہو۔

اب دوسری بات کہتا ہوں کہ اگر پیروں کی آمدنی بالکل بند ہو جائے تو یہ سوچئے کہ پھر بھی یہ بیعت کریں یا نہیں دل گواہی دے دیگا کہ پھر وہ خود یہی کہنے لگیں کہ بیعت کوئی ایسی ضروری چیز نہیں۔ دل سے ٹٹول کر دیکھئے۔ جیسے مروجہ فاتحہ کو پیر جی ملانے وغیرہ نہایت ضروری قرار دیتے ہیں۔

میں کہا کرتا ہوں کہ ان کو طعام فاتحہ میں سے حصہ دینا چھوڑ دو۔ پھر دیکھئے یہی یوں کہیں کہ فاتحہ دلانا ضروری نہیں۔ جیسی تاویلیں اب کرتے ہیں کہ فاتحہ میں کیا خرابی ہے۔ دو ثواب پہنچ جاتے ہیں کھانے کا بھی اور جو آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں ان کا بھی۔ واللہ! یہ تاویلیں جبھی تک ہیں جب تک کہ پلاؤمیں سے پلاؤ اور بریانی میں سے بریانی ان کو ملتی ہے اگر سب اتفاق کرلیں کہ ہر مردہ کی علیحدہ علیحدہ تو فاتحہ دلایا کریں لیکن ملاجی کو اسمیں سے کچھ نہ دیا کریں۔ لایا تو کریں پچاس ودنے کہ اس میں چھوٹے پیر کی فاتحہ اس میں بڑے پیر کی۔ اس میں میرے فلانے کی اس میں فلانے کی اور فاتحہ دلا کر ساری مٹھائی لے کر چلدیا کریں تو یہی ملانے کہیں گے کہ فاتحہ بدعت ہے کیونکہ مولوی لوگ منع کرتے ہیں۔

مطلب تو ثواب پہنچانے سے ہے یوں ہی خیرات کر کے ثواب پہنچادیا کرو۔ مولوی لوگ کہتے ہیں کہ فاتحہ دلانا بدعت ہے۔ غرض یہی پیر علماء کا فتویٰ نقل کرنے لگیں۔ حضرت اسی طرح پیروں کی آمدنی اگر بند ہو جائے تو باستثناء ہمارے مجمع کے حضرات کے کہ ان کی تو وہ شان ہے کہ ان کی تو پھر بھی یہی حالت رہے۔ باقی اور پیروں کی حالت میں ضرور فرق آجائے ایک شخص جاکر مرید ہو جائے لیکن دے کچھ بھی نہیں۔ پھر دوسرا بھی درخواست کرے کہ حضرت میں بھی۔ تیسرا کہے میں بھی۔ غرض پیر صاحب کو تنگ کردیں اور روپیہ نہ دے کوئی۔ پھر دیکھئے کہ یہی بات پیر جی کہنے لگیں جو میں کہہ رہا ہوں۔ کہ بیعت ضروری نہیں۔ پھر انہیں پیرزادہ صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ جناب اب دل کو ٹٹولیے کہ بیعت کی کیا حقیقت ہے۔ فقط جلب زر اور جلب مال۔ یہ حقیقت ہے آج کل بیعت کی۔

اب فرمایئے اصلاح امت کی ضرورت ہے یا نہیں۔ اور محض قولی اصلاح کافی نہیں عملی اصلاح کی ضرورت ہے مجھے نکاح بیوگان کے متعلق پہلے بڑا شبہ تھا کہ علماء اس کی اس قدر کوشش کیوں کرتے ہیں نکاح ثانی کوئی واجب نہیں۔ فرض نہیں۔ صرف سنت ہے علماء یہی کہہ دیں کہ سنت ہی سمجھنا اور عیب نہ سمجھنا واجب ہے۔ باقی عملاً اس کے اس قدر درپے کیوں ہوتے ہیں۔ کئی سال تک مجھے یہ شبہ رہا۔ بچپن کا زمانہ تھا پھر الحمد للہ سمجھ میں آگیا کہ چونکہ یہ فساد عملی ہے اس لئے اصلاح بھی عملی ہونی چاہیے۔ اسی طرح بیعت میں فساد عملی ہے اس کے لیے بھی اصلاح

عملی کی ضرورت ہے اور اصلاح عملی کیا ہے۔ یہی کہ اس بیعت کے قصہ کو کم کیا جائے۔ خاص کر جہاں توقع ہو آمدنی کی وہاں تو نہ ہی کیا کریں اور جہاں توقع نہ ہو وہاں کر لیا کریں آمدنی کے موقعوں پر تو صاف انکار کر دیا کریں اور جہاں کچھ بھی توقع نہ ہو۔ آنکھائی آنکھے بیعت کر لیں۔ ایسا کر کے دیکھیں تب اصلاح ہوتی ہے۔

پھر انہیں پیرزادہ صاحب سے فرمایا کہ دیکھئے پاس رہنے سے یہ فائدے ہیں آپ نے کوئی ایسا بھی دیکھا ہے کہ نرا بیعت ہوا ہو اور اس کو یہ فائدہ حاصل ہو گیا ہو بیعت بیچاری کیا کھرچ دے گی۔ اس عقیدہ کو برخلاف اس کے کہ جو بیعت نہیں ہوا۔ لیکن کانوں سے یہ باتیں اس نے سنیں وہ اس فاسد عقیدہ میں مبتلا نہیں رہ سکتا۔

اب آپ ہی سمجھ لیجئے کہ بیعت نافع ہے یا تعلیم۔ اس پر ان صاحب نے عرض کیا کہ بے شک بیعت نافع نہیں ہے تعلیم ہی نافع ہے۔ پھر حضرت نے فرمایا کہ پیروں میں بڑی بڑی خرابیاں اس بیعت کی وجہ سے ہو رہی ہیں۔ جو لوگ ان سے بیعت نہیں۔ ان کے خلاف پر تو ان کو غصہ نہیں آتا۔ اور جو بیعت ہیں وہ اگر ذرا خلاف مرضی کام کریں تو ان کی مصیبت آجائے ایک تو خلاف شرع امور ہیں ان پر غصہ آنا تو اور بات ہے انہیں ایسی باتوں پر غصہ آتا مثلاً مرید سے کوئی فرمائش کی کہ برتن بھیج دیں یا کسی کو سفارش کی۔ اگر اس نے فرمائش پوری نہ کی یا سفارش منظور نہ کی تو خفا ہو جاتے ہیں۔ اگر خدا کے لئے بیعت کی تھی تو غصہ کاہے کا۔

بس اس سے سمجھ لیجئے کہ کاہے کو بیعت کیا تھا۔ پھر فرمایا کہ ایک صاحب کہتے تھے آج ہی کہ دہلی میں ایک پیر جی ہیں ان کے پاس ان کا ایک مرید آیا السلام علیکم کہہ کر بیٹھ گیا۔ پیر جی صاحب نے سلام کا جواب بھی (غالبًا) نہ دیا اور کہنے لگے کہ میاں تم نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا۔ اس نے کہا کہ حضور مجھے تو یاد نہیں کہ میں نے کیا وعدہ کیا تھا۔ پیر جی صاحب بولے کہ اچھی بات ہے یاد نہیں ہے تو روزگار سے بیٹھ رہو گے۔ اس نے گھبرا کر پوچھا تو کہا کہ تم نے کہا تھا کہ ایک تنخواہ دوں گا وہ اب تک نہیں آئی۔ اس نے کہا کہ حضور میں تو غریب ہوں اگر ایک تنخواہ حضور کو دیدوں تو کھاؤں کہاں سے۔ کہا اچھی بات ہے اختیار ہے۔ روزگار نہیں رہیگا۔ اس بے چارہ نے عرض کیا کہ حضور روزگار نہ کھوئیے میں ایک مہینے کی تنخواہ حاضر کر دوں گا۔

پھر ہمارے حضرت نے فرمایا کہ یہ کیا بیعت ہے جب ہم بھی وہی کرنے لگیں جو یہ لوگ کرتے ہیں تو اصلاح کیسے ہو۔ جب ہم یہ کر کے دکھلا دیں گے کہ بلا بیعت بھی نفع ہوتا ہے تب ان کی دوکان پھیکی پڑے گی۔ حالت عدم تقلیل بیعت میں محق د مبطل میں عوام کیا فرق کر سکتے ہیں۔ البتہ جب ہم یہ کر کے دکھلا دیں گے کہ لے بھائی! ہم بلا بیعت کے اور بلا نذرانہ کے تعلیم دینے کے لئے تیار ہیں۔ اور پوری خدمت کے ذمہ دار ہوتے ہیں تب لوگ ادھر سے لوٹ لوٹ کر ادھر آئیں گے۔ اب ان تقریروں کے بعد تو یہ سنت بھی نہ رہی ہاں کلیانہ سہی جزئیا سہی۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ جس مستحب میں مفسدے پیدا ہو جائیں اس کو چھوڑ دینا واجب ہے۔

پھر فرمایا کہ دین کا راستہ بہت صاف ہے لیکن ان پیرزادوں نے ناس کر رکھا ہے ان میں مولوی بھی شریک ہو گئے۔ مولویوں نے دیکھا کہ پیرزادوں کے پاس تو پیری مریدی کا جال ہے وہیں جا کر سب پھنستے ہیں۔ ادھر کوئی نہیں آتا تو انہوں نے بھی تجویز کر لیا کہ ہمارے پاس بھی وہی جال ہونا چاہیے تب لوگ پھنسیں گے۔ مگر حضرت جہاں پھنسنے کی چیز ہو گی وہاں کسی جال کی ضرورت ہی نہیں جس کے پاس پھنسنے کی چیز ہو اس میں پھنستے ہی ہیں۔ جہاں پھانسنے کے لئے تدبیروں کی ضرورت پڑے وہاں سمجھئے کہ پھنسنے کی چیز ہی نہیں۔ مثلاً حکیم محمود علی خاں ہیں انکی حذاقت خود لوگوں کو کھینچ رہی ہے کوئی یہ نہیں دیکھتا کہ ان کے پاس سند بھی ہے۔ خود بخود لوگ چلے آرہے ہیں۔ اور ایک شخص ہے جس نے اشتہار بھی دے رکھا ہے۔ سائن بورڈ بھی لگا رکھا ہے لیکن کوئی ادھر پیشاب بھی نہیں کرتا۔ تو وہ چیز اپنے اندر پیدا کرے جس کی وجہ سے خود بخود لوگ آئیں۔ انکی یعنی اہل باطل کی طرح نہیں کہ یہ تو کھینچیں اور وہ ہنسیں۔ جھوٹا پانی پی لیا پیر جی بولے بس اب تم ہمارے مرید ہو گئے۔ کوئی ملنے آیا۔ پیر جی بولے کہ تم ہمارے مرید ہو جاؤ ایک شخص کہتے ہیں کہ ہو جاؤ جی۔ جس کا کوئی پیر نہیں شیطان اس کا پیر ہوتا ہے۔

ایسے کم بخت پیر کی گردن مارے وہ نالائق پیر ہے یا ڈاکو ہے یہ آفتیں نازل ہو رہی ہیں حضور! اسی واسطے لوگ ہم کو وہابی دہابی کہتے ہیں کیونکہ یہاں پیرزادگی اور مشائخی کا رنگ نہیں ہے لیکن رنگ کی ضرورت نہیں۔ مزے اور بو کی ضرورت ہے۔ ایک تو پھل وہ ہے کہ رنگ دیکھو تو کچھ بھی نہیں۔ اور کھاؤ تو بس سر سے پاؤں تک معطر ہو جاؤ اور ایک وہ ہے کہ رنگ تو اچھا ہے لیکن کھاؤ

تو کڑوا۔

جو ہمارے حضرات نے ہمیں سکھلایا ہے اسے کر کے دیکھو معلوم ہو جائے گا کیسی وہابیت ہوتی ہے کام کر کے دیکھو۔ اس کام کرنے پر حکایت بیان کی۔ کہ ایک میرے دوست یوں کہا کرتے تھے کہ تصوف کی حقیقت کچھ بھی نہیں۔ چند اصطلاحیں ہیں ان کا نام تصوف رکھ چھوڑا ہے باقی ہے وہ کچھ بھی نہیں۔ میں نے کہا ہاں بھائی یوں ہی سہی۔ ایک دن ذکر کر رہے تھے یکایک ان کے اوپر ایک کیفیت طاری ہوئی اور لگے رونے۔ بہتیرا سنبھلتے تھے لیکن گریہ موقوف نہ ہو تا تھا۔ میں نے کہا کہ تصوف تو محض چند اصطلاحیں ہیں اس میں رونے کی کیا بات ہے۔ کہنے لگے اجی میری حماقت تھی۔ اصطلاحیں نہیں ہیں۔ یہ تو کچھ اور ہی چیز ہے میں نے کہا خیر غنیمت ہے تصوف کے قائل تو ہوئے۔ پھر حقیقت تصوف کے معلوم ہونے کے متعلق بطور ظرافت یہ حکایت فرمائی کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ فرمایا کرتے تھے کہ میاں اگر ہم پہلے سے جانتے کہ مجاہدہ سے یہی حاصل ہو گا جواب حاصل ہوا ہے تو ہم کبھی بھی مجاہدہ نہ کرتے خواہ مخواہ مشقتیں اٹھائیں۔ میں نے کہا جنہیں مل جایا کرتا ہے وہ یوں ہی کہا کرتے ہیں۔

پھر ہمارے حضرت نے فرمایا کہ بات یوں ہے کہ جو کچھ ملتا ہے محض فضل سے ملتا ہے۔ کسی کو کوشش سے نہیں ملتا تو ملنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ محض فضل سے عطا ہوا ہے۔ کوشش سے کچھ نہیں ہوا۔ تو اپنی کوششیں اور ریاضت اور مجاہدے بے کار نظر آتے ہیں۔ وہ کھلی آنکھوں دیکھتا ہے کہ میری کوشش سے کچھ نہیں ہوا۔ مطلب یہ کہ میری کوشش کا تو کچھ دخل ہی نہ ہوا محض خدا کا فضل ہو گیا تو ظرافت کے طرز پر یہ کہتا ہے کہ ہم نے فضول کوششیں کیں۔ کیونکہ کام تو محض فضل سے بنا ہے حالانکہ دراصل وہ فضل متوجہ ہوا ہے اس کی کوششوں ہی کی وجہ سے۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک شخص نے سینکڑوں عرضیں اور درخواستیں ملازمت کے لیے دیں مگر صاف جواب مل گیا کہ تمہیں نوکری نہیں مل سکتی۔ کیونکہ تم میں کسی قسم کی قابلیت نہیں۔ حتی کہ وہ مایوس ہو کر بیٹھ رہا۔ پھر دفعۃً بلا توقع اس کا حکم مل گیا کہ جاؤ تمہیں فلاں جگہ کی تحصیلداری مل گئی۔ تو وہ یہی کہے گا کہ میری کوششوں سے تو کچھ بھی نہ ہوا محض حاکم کی عنایت سے تحصیل داری مل گئی۔ میں نے ناحق کوششیں کیں۔ گو اس کا کہنا ایک درجہ میں ٹھیک ہے مگر راز

خفی اس میں یہ ہے کہ خود حاکم کے قلب پر اثر ہوا تو اسی سے ہوا کہ اس نے بار بار درخواستیں اور عرضیاں گذرائیں۔

بس درخواستیں تو سب نامنظور کر دی گئیں کیونکہ وہ درخواستیں دے دیکر استحقاق کا دعویٰ کر رہا تھا۔ اس کو مطلع کر دیا گیا کہ تمہیں کوئی استحقاق نہیں کیونکہ تم انٹرینس نہیں ایف اے نہیں۔ بی اے نہیں۔ بعد کو جواز خود تحصیلداری دے دی تو اس کا راز یہ تھا کہ تمہیں استحقاق تو نہیں تھا لیکن پھر ہم نے اپنی عنایت سے دیدیا۔ اس طرح دونوں باتیں ٹھیک ہو گئیں یہی پیرزادے صاحب جو اس ملفوظ کے مخاطب ہیں اسی روز حسب معمول پرچہ دیکر بعد مغرب غالباً کچھ ذکر شغل کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے خلوت میں حاضر ہوئے۔

حضرت نے اجمالاً ان اصلاحوں کا حوالہ دیکر جو بیعت کے متعلق حضرت ارشاد فرما چکے تھے۔ (جیسا کہ بتفصیل اس ملفوظ میں گذر چکا ہے) فرمایا کہ ایک میں نے اس رسم کو بھی مٹایا ہے کہ جس وقت کوئی بیعت ہو اس وقت اس سے کچھ نہیں لینا چاہیے۔ نہ قلیل نہ کثیر نہ امیر سے نہ غریب سے اس کا نفع یہ ہے کہ بعض دفعہ غریب طالب صادق یہ رنگ دیکھ کر بددل ہو جاتے ہیں کہ مرید کیسے ہوں۔ یہاں تو دینا ہوگا۔ یہ ضرر ہے۔ بیعت کے وقت نذرانہ لینے کا۔ اور پیر صاحب کا بھی ضرر ہے کہ بعد بیعت کرنے کے طبیعت نگراں رہتی ہے کہ اب نذر دیں گے۔ اس قسم کی خرابیاں ہیں اس رسم میں۔ پیر لوگ کم از کم اتنا ہی کر لیں کہ بیعت کے وقت کچھ نہ لیا کریں۔ عرض کیا گیا کہ بیعت کے وقت چاہے کچھ نہ ملے لیکن بعد کو تو توقع رہے گی کہ ملتا رہے گا۔ فرمایا کہ جی ہاں بعضے ایسے بھی ہوں گے کہ ان کی اتنی دور نظر پہنچے گی لیکن بعضے مرید تو بیعت کے بعد پھر کبھی ملتے بھی نہیں۔ بلکہ زیادہ ایسے ہی ہیں۔ اس لئے آئندہ کی نذر ذرا بہت ہی کم متوقع ہے پھر فرمایا کہ ایک میں نے یہ بھی اصلاح کی ہے کہ ہر حاضری میں ہدیہ کی پابندی نہ کی جائے۔ بعضے جب بھی آتے ہیں ضرور لاتے ہیں۔ گویا اس طرح تو لوگ آنے سے رکیں گے۔ کیونکہ جب کچھ پاس پلہ ہو تب کہیں پیر صاحب سے ملنے جائیں۔ ایک مقدار کے متعلق بے احتیاطی تھی۔ چاہے کوئی سارا گھر بھی لائے تب بھی پیر صاحب خوشی سے رکھ لیں۔

پھر فرمایا کہ اس زمانہ میں بڑی ضرورت تھی ان تجدیدات کی۔ ایسے رسوم غالب ہو گئے

تھے کہ گویا ان رسوم ہی کا نام تصوف رہ گیا تھا۔ یہ بھی رسم ہے کہ سب کو ایک ہی چیز تعلیم کر دیتے ہیں۔ چاہے مناسبت ہو یا نہ ہو۔ میں کسی کو ذکر و شغل بتلاتا ہوں کسی کو محض تلاوت قرآن کسی کو نوافل جو جس کو نافع معلوم ہوا کیونکہ خدا تک پہنچنے کے سینکڑوں رستے ہیں۔ یہ کیا ضرور ہے کہ سب کو ذکر و شغل ہی بتلایا جائے۔ مشائخ کے یہاں گنی ہوئی چیزیں ہیں وہی سب کو بتلا دی جاتی ہیں۔ پہلے بزرگوں کا یہ طریقہ تھا کہ ذکر شغل کی تعلیم جلدی نہیں کرتے تھے۔ پہلے اخلاق کی درستی کرتے تھے۔ مدتوں کے بعد کہیں ذکر شغل کراتے تھے۔ اب تو یوں چاہتے ہیں کہ بس پہلے ہی دن خلافت بھی مل جائے۔

ملفوظ (۶۲۳) ضرورت کے وقت قوت بیانیہ کو کام میں لانے کی تاکید

ایک بار کچھ اوراق مکتوبات خبرت سے کاٹ کر حسن العزیز میں چسپاں کرنے تھے۔ اور ان اوراق میں کچھ سطریں مکتوبات خبرت کی اجزا تھیں خاص ان سطروں کو احقر سے نقل کرا دیا۔ پھر ایک صاحب سے ان اوراق کو قینچی سے صفائی کے ساتھ کاٹنے کے لئے کہا۔ اسی طرح سے ایک مکتوب بھی تربیت السالک سے کاٹنا تھا۔

احقر نے اس مکتوب کے ان سطور کی نقل کے بعد اس خیال سے کہ ان اوراق کو بھی انہیں صاحب سے کٹوایا جائے گا۔ حضرت کے سامنے تربیۃ السالک کی جلد رکھ دی۔ اور صرف اتنا عرض کیا کہ میں نقل کر چکا ہوں حضرت ڈھونڈنے لگے کہ کس جگہ سے اوراق نکالے ہیں۔ احقر نے عرض کیا کہ ابھی تو صرف نقل کئے ہیں نکالے نہیں کیونکہ میں نے سمجھا۔ کہ ان اوراق کو بھی انہیں صاحب سے کٹوا جائے گا۔ جن سے پہلے مرتبہ اوراق کٹوائے گئے تھے فرمایا کہ آپ کو یہ پوری بات کہنی چاہیے تھی۔ میں کہاں تک یاد رکھوں۔ جب میں نے پہلا کام اپنے ہاتھ سے دیدیا تو پھر وہ مجھے یاد نہیں رہتا۔

بالخصوص جب معلوم ہو کہ دوسرا شخص خود اس کام کو کریگا۔ تب تو میں ذہن میں رکھنے کا ارادہ بھی نہیں کرتا۔ آپ کو پوری بات کہنی بہت آسان تھی مجھے بغیر اس کے کس قدر دشواری اور پریشانی ہوئی آپ اکثر ضرورت کے وقت قوت بیانہ کو بہت کم کام میں لاتے ہیں جس سے دوسرے کو پریشانی اور الجھن ہوتی ہے۔

ملفوظ (۶۲۴) ڈھیٹ ملازم

ایک ملازم کو بارہا تنبیہ فرما چکے ہیں کہ کبھی کبھی آکر پوچھ جایا کرے۔ کہ کوئی کام تو نہیں ہے لیکن ان کو یاد ہی نہیں رہتا۔ آج بھی کئی کام حضرت کو پیش آئے لیکن صبح سے ظہر کے بعد تک ان کی صورت ہی نظر نہ آئی فرمایا کہ یہ شخص بہت تکلیف پہنچاتا ہے اول تو تنخواہ دار ملازم کو اس قدر آزادی ہی نہ رہنا چاہیے۔

دوسرے میں تو یہاں تک کہہ چکا ہوں کہ تم میرے کام ہی نہ کیا کرو۔ اور مدرسہ میں نہ آیا کرو۔ لیکن ہمیشہ سفارشیں کرا کے مجھے تنگ کرتا ہے۔ میں پھر ڈھیلا پڑ جاتا ہوں اور اجازت دیدیتا ہوں۔ بعدہ اس ملازم کو ممانعت کر دی کہ مدرسہ میں آیا ہی نہ کریں۔ محلّہ کی مسجد میں نماز پڑھ لیا کریں۔ اور فرمایا کہ مجھے یہ تو سہل ہے کہ میں اپنا کام ہی نہ لوں۔ لیکن اس سے سخت تکلیف ہوتی ہے۔ کہ جو قاعدہ کسی کو بتلا دیا جائے وہ اس کے خلاف کرے۔ میں اس کی مرضی کے تابع ہو کر کام نہیں لے سکتا۔ اول تو میرا کام ہی کیا ہے سب سے بڑا کام جس کو میں اصل کام سمجھتا ہوں وہ تو ڈاک کا کام ہے۔ سو وہ تو ان میاں سے کبھی ہو ہی نہ سکا۔ اس لیے دوسروں کے سپرد ہے۔ اب صرف یہ رہ گیا ہے۔ کہ مہمانوں کی اطلاع یا مہمانوں سے کچھ کہنا سننا مثلاً اپنے کھانے کا خود انتظام کر لیجئے۔ یا کوئی چیز آئی ہوئی گھر پہنچا دینا یہ کوئی ایسے کام نہیں ہیں مگر اس سے یہ بھی نہیں ہوتا۔

ایک ظریف کا قول ہے کہ مولویوں کے اور کسبیوں کے ملازم سست ہوتے ہیں۔ کیونکہ جہاں ان کے منہ سے کچھ نکلا بہت سے لوگ کام کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ اس لئے ان کے ملازم بے کار ہو جاتے ہیں۔ میں اس سے بارہا کہہ چکا ہوں کہ تم میرے کام نہ کیا کرو۔ میں اس پر خوشی سے راضی ہوں لیکن وہ مجھ کو خواہ مخواہ تنگ کرتا ہے۔ حاجی عبدالرحیم صاحب سے فرمایا کہ آپ اس کو سمجھا دیجئے گا کہ وہ یہاں نہ آیا کرے۔ محلّہ کی مسجد میں نماز پڑھ لیا کرے۔ اور میرے کام نہ کیا کرے گھر کے کام کرتا رہے۔ مجھے اس سے تکلیف پہنچتی ہے۔ حاجی صاحب نے عرض کیا کہ یہی تو اس کو شاق ہوتا ہے کہ یہاں نہ آیا کرے۔ فرمایا کہ یہ تو ضروری بات ہے۔ کیونکہ میں اتنا صبر نہیں کر سکتا۔ کہ مجھے کچھ کام ہو اور ایک نوکر سامنے نظر آئے اور پھر بھی اس سے کام نہ لوں۔ اس کے

یہاں نہ آنے میں مجھے بھی راحت ہے اور اس کا بھی نفع ہے کہ اگر وہ آئے گا اور میں کام نہ لوں گا تو ناراضی روز روز تازہ ہوتی رہے گی۔ اور رنج بڑھتا رہے گا اور اگر آنا ہی چھوڑ دے گا تو مجھے بھی کچھ رنج نہ رہے گا۔ رہا دیکھنا بھالنا سو جب میں گھر جایا کروں اس وقت مجھ سے مل بول لیا کرے۔ میں اس سے کوئی ناراض تھوڑا ہی رہوں گا۔ پھر یہ ہے کہ اپنے شوق کے پورا کرنے کے لئے دوسرے کو تکلیف پہنچانا کون سی انصاف کی بات ہے۔

ملفوظ (۶۲۵) رمضان موسم سفر نہیں بس اللہ اللہ کرو۔ شیطان سے بڑھے ہوئے اس کے شاگرد

ایک دیہاتی نے آتے ہی بیعت کی درخواست کی حضرت نے (مزاحاً اسی کے لب ولہجہ میں) فرمایا کہ منگنا جو بھیجا کریں ہیں کیا ایک ہی دفعہ میں منظور ہو جاوے ہے یا بہت دفعہ میں۔ اس نے کہا کہ بعض جگہ ایک ہی خط میں منگنا ہو جاوے ہے۔ حضرت نے ہنس کر فرمایا کہ ہو بڑے استاد لیکن یہ تو بتلاؤ کہ سب جگہ ایک ہی خط میں منگنا ہو جاوے ہے یا بعض جگہ کئی خطوں کے بعد بھی لڑکی والے منظور کریں ہیں۔ اس نے کہا کہ بعض جگہ ایسا بھی ہووے ہے کہ کئی دفعہ کہنے کے بعد منظور کریں ہیں۔

حضرت نے فرمایا کہ بس میں انہیں میں ہوں جو ایک دفعہ میں منظور نہیں کرتے پھر فرمایا کہ ہم نے تو کہیں نہیں دیکھا کہ ایک دفعہ ہیں منگنا منظور کر لیتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ سودا تھوڑا ہی ہے بازار کا کہ پیسہ دیا اور گاجر لے لی۔ جہاں پیسہ لیا جاوے ہے وہاں پہلے ہی دفعہ گاجر بھی دے دیویں ہیں (یعنی کھاؤ کماؤ پیروں کے یہاں) پھر فرمایا دین کا کام کرو بھائی بیعت میں کیا رکھا ہے ایک رسم ہی رہ گئی ہے بیعت دین کا کام کرو اللہ اللہ کرو۔ رمضان میں اور غضب ہے بیعت کا قصہ اور پھر سفر کر کے آنا۔ رمضان تو موسم سفر کا ہے نہیں۔ یوں سمجھتے ہیں کہ بڑی برکت ہوگی۔ شیطان تو قید ہیں۔ مگر جب شیطان چھوٹیں گے پھر نہ آچپٹیں گے۔ اور بعضے تو خود شیطان سے بھی بڑھے ہوئے ہیں۔ جیسا کہ بعضا شاگرد استاد سے بھی بڑھ جاتا ہے۔ ہیں تو سب شیطان ہی کے شاگرد لیکن

بعضے شیطان سے بھی بڑھے ہوئے ہیں۔

ملفوظ (۶۲۶) رمضان میں بر سر عام کھانے کی سزا۔ اسلامی حدود کی حکمتیں۔ زنا کا ثبوت آج تک شہادۃ سے ثابت نہیں ہو سکا۔ زنا حق العبد نہیں۔ حق اللہ کو سہل سمجھنے کی وجہ۔ حضرت زرارہؒ کا واقعہ۔ حضرت اصمعی کا یقین اور حب فی اللہ۔ حالت سماع میں انتقال۔ حالت سجدہ میں قرآن کریم سنتے ہوئے وصال۔ خونی قوال۔ کسی خاص حالت میں انتقال کرنا۔ اس حالت کی مقبولیت کی دلیل نہیں۔ معذور صاحب کا سماع۔ حالات کا زیادہ طاری ہونا اور ضبط نہ ہونا ضعف قلب کی وجہ سے ہوتا ہے۔ بے ذوق مولوی صاحب کی شعر کے بارے میں رائے گرامی۔ جوانی میں عفت بڑھاپے کی نسبت زیادہ ہے۔ بوڑھوں سے پردہ کے بارہ میں زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ عامی کی نسبت اصحاب تقویٰ سے زیادہ احتیاط چاہیئے۔ مولویوں میں زیادہ میلان کی وجہ۔ عربی زبان کی تہذیب۔ قرآن مجید فحش الفاظ سے بالکل مبرا ہے۔ واعظوں کا غضب۔ تھوڑے علم کے لئے زیادہ عقل کی ضرورت:

فرمایا کہ سنا ہے کہ نواب کلب علی خان جو کوئی علی الاعلان رمضان میں کھاتا پیتا تھا اس کا ایک دانت توڑوا دیتے تھے۔ ایک فوجی سردار بیمار تھا وہ علی الاعلان پان کھا کر نکلا۔ چنانچہ گرفتار کر لیا گیا اس نے عذر بھی کیا کہ میں بیمار ہوں نواب صاحب نے کہا کہ کس کو خبر ہے کہ تم بیمار ہو اور لوگوں کو کیا معلوم کہ تم بیمار ہو۔ غرض کوئی عذر نہ سنا اور دانت نکلوا دیا عرض کیا گیا کہ

دوسری بار میں دوسرا دانت نکلوا دیتے ہوں گے۔ فرمایا کہ دوسری بار کی نوبت ہی نہ آتی تھی کیونکہ یہ ایسی سزا نہیں ہے جس کے بعد پھر ہمت ہو سکے۔ خیر یہ تو تعزیر تھی اس سے کمی بھی جائز تھی۔

تعجب ہے کہ لوگ حدود میں بھی رائے لگاتے ہیں۔ چنانچہ چوری میں ہاتھ کاٹنے کو سمجھا جاتا ہے کہ وحشی سزا ہے لیکن مہذب سزاؤں کا اثر ہی کب ہوتا ہے۔ دیکھ لیجئے جیل خانوں میں بہت لوگ کہہ جاتے ہیں کہ ہمارا چولہانہ توڑنا ہم پھر ابھی آتے ہیں بھائی اکبر علی کے یہاں جس نے بریلی میں چوری کی تھی وہ کئی برس کی سزا کے بعد جیل خانہ سے آیا تھا اور جس دن چھوٹا اسی دن پھر چوری کی۔ مہذب سزاؤں کا یہ اثر ہوتا ہے۔ اگر ایک کا بھی ہاتھ کاٹ دیا جائے پھر ممکن نہیں ہے کہ کسی کو چوری کی ہمت ہو سکے کیونکہ یہاں تو ایک چیز گھٹ گئی۔ جیل خانہ میں کیا گھٹ گیا۔ بلکہ وہاں جا کر تو اور موٹے ہو جاتے ہیں۔ جیل خانہ میں نہایت بے فکر ہوتے ہیں کیونکہ جیل خانہ کے باہر تو یہ بھی ڈر رہتا ہے کہ کہیں سزا نہ ہو جائے۔ اور جیل خانہ پہنچ کر تو یہ سمجھتے ہیں کہ جو کچھ ہونا تھا وہ ہو ہی چکا۔ اب کیا کر لیں گے۔ اس لئے اور بھی بے باک ہوتے ہیں بڑی بڑی شرارتیں کرتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ شریعت میں زنا کی سزا بہت سخت ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہ فعل عند اللہ نہایت سخت ہے۔ سارے بدن سے مزے لوٹے تھے سارے بدن پر پتھر مار مار کر جان نکالی جاتی ہے۔ پھر فرمایا کہ زنا کی شہادت بھی بہت سخت ہے غالباً آج تک زنا کا ثبوت شہادت سے کبھی نہیں ہوا۔ جب ہوا اقرار سے ہوا زنا کے اقرار میں یہ بھی قانون ہے کہ جب چاہے اپنے اقرار سے رجوع کر لے پھر اس پر حد قائم نہیں کی جا سکتی مگر قتل کے اقرار میں یہ بات نہیں۔

استفسار پر فرمایا کہ زنا کا اقرار نہ کرنا اور جھوٹ بول دینا اقرار کرنے سے افضل ہے لیکن جن صحابہ نے اقرار کیا ان پر حال طاری ہو گیا تھا۔ انہوں نے اپنے وجود سے عالم کو پاک کرنا چاہا۔ اس قدر ندامت دامن گیر ہوئی۔ واقعی اپنے اختیار سے اپنے اوپر ایسی سخت سزا جاری کرا لینا نہایت عجیب ہے۔ جبھی تو حضور ﷺ نے ماعز کی نسبت فرمایا تھا کہ اگر اس کی توبہ تمام اہل مدینہ پر تقسیم کر دی جائے تو سب کی مغفرت کے لئے کافی ہے اس قدر خالص توبہ تھی۔

استفسار پر فرمایا کہ زنا حق العبد نہیں ہے جیسا کہ سمجھا جاتا ہے بلکہ حق اللہ ہے کیونکہ موٹی بات ہے کہ اگر حق العبد ہوتا تو شوہر کی اجازت سے اس کی بیوی دوسرے کو مباح ہوتی

جیسا کہ مال مباح ہو جاتا ہے۔ کھلی ہوئی بات ہے۔ خواہ مخواہ لوگوں کو شبہ ہوتا ہے لکھا پڑھا آدمی اس میں کبھی شبہ کر ہی نہیں کر سکتا۔ دوسرے یہ ہے کہ جتنی سزائیں حضور ﷺ نے زنا کی دی ہے۔ ان میں آپ ﷺ نے یہ کبھی نہیں کہا کہ جا کر زوج سے معاف کراؤ۔ لیکن بعضا جہل بھی انفع ہوتا ہے زنا کو۔ حق العبد سمجھنا ہی مصلحت ہے کیونکہ لوگ یہ سن کر کہ حق اللہ ہے سہل سمجھنے لگتے ہیں۔ حق العبد کو زیادہ سخت سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ بڑا جہل ہے کیونکہ صاحب حق جتنا بڑا ہوگا اتنا ہی اس کا حق ضائع کرنا سخت ہوگا۔

ایک صاحب نے عرض کیا کہ محبت کی وجہ سے حق اللہ کو لوگ سہل سمجھتے ہیں۔ فرمایا کہ محبت نہیں ہے جرأت ہے۔۔۔ ماغرك بربك الكريم جس کی وجہ یہ ہے کہ مشاہدہ نہیں ہے اگر مشاہدہ ہو تو پتہ پھٹ جائے۔ غالباً حضرت زرارہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ ہے کہ اس آیت پر فاذا نقر فی الناقور فذلك يومئذ يوم عسير على الكافرين غير يسير چیخ مار کر مصلی ہی پر گر پڑے اور انتقال ہو گیا۔

حضرت اصمعیؒ کا واقعہ لکھا ہوا دیکھا ہے کہ ایک سفر میں انہوں نے یہ آیت ایک بدوی کے سامنے پڑی وفی السماء رزقكم وما توعدون ۔بدوی نے کہا کہ پھر تو پڑھو انہوں نے پھر پڑھ دیا۔ وہ بولا کہ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ رزق آسمان میں ہے اور ہم لوگ رزق کو زمین میں ڈھونڈتے ہیں اس کے پاس یہی ایک اونٹ تھا جس سے گزر اوقات کرتا تھا۔ اسی وقت اس کو خیرات کر دیا اور جنگل کی طرف نکل گیا۔ کئی برس بعد اس شخص کو اصمعی نے خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے دیکھا۔ اس شخص نے خود ان کو سلام کیا انہوں نے پہچانا نہیں پوچھا! تو اس نے کہا میں وہی شخص ہوں جس کو تم نے یہ آیت سنائی تھی اللہ تعالیٰ تمہارا بھلا کرے مجھے تمام بکھیڑوں سے نجات دیدی۔ میں جب سے بڑے اطمینان کی زندگی بسر کر رہا ہوں۔ پھر اس نے پوچھا کہ اس آیت کے بعد کچھ اور بھی ہے انہوںؒ نے اس کے بعد کی آیت پڑھ دی۔ فورب السماء والارض انه لحق مثل انكم تنطقون۔ سن کر ایک چیخ ماری اور کہا کہ اللہ اکبر یہ میرے خدا کو کس نے جھٹلایا تھا کہ اس کو قسم کھا کر جتلانا پڑا کہ میری بات سچی ہے ایسا کون ظالم ہوگا کم بخت جو خدا کو سچا نہ سمجھتا ہوگا۔ خدا نے جو قسم کھائی تو معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ایسا بھی ہے جو خدا کے کہنے کو بھی بلا قسم کے سچا نہیں سمجھتا۔

بس یہ کہہ کر ایک چیخ ماری اور چیخ کے ساتھ ہی وہیں جان نکل گئی۔

پھر ہمارے حضرت نے فرمایا کہ بہت لوگوں نے جانیں دی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی محبت میں شوق میں، خوف میں۔ چنانچہ اس اخیر وقت میں مولویوں کی یاد رویشوں کی بات رکھ لی مولانا محمد حسین صاحب الٰہ آبادی نے انہوں نے اجمیر میں جان دیدی۔ صوفی لوگ اس پر بڑا ناز کرتے ہیں کہ مولویوں میں بھی کسی نے اللہ کی محبت میں کبھی اس طرح جان دی ہے مولویوں کو بس اعتراض ہی اعتراض آتے ہیں۔ پھر فرمایا لیکن ایک مولوی بھی اس زمانہ میں ایسے ہوگئے ہیں مگر وہ چونکہ مشہور نہیں تھے۔ اس لئے ان کا قصہ بھی مشہور نہیں ہوا۔ مشہور شخص کا مشہور ہوگیا۔ دوسرے یہ ہے کہ وہاں تو اجمیر میں مجمع کثیر کے سامنے یہ قصہ ہوا۔ اور دوسرا قصہ گھر میں ہوا۔ ان کا نام بھی مولوی محمد حسین تھا عظیم آباد پٹنہ کے تھے تو عمر آدمی تھے کانپور میں پڑھا تھا۔ مجھ سے بھی کتابیں پڑھی تھیں۔ پھر لکھنؤ میں شادی ہوئی وہاں ندوہ میں نوکر ہوگئے تھے۔

ایک دفعہ لکھنؤ میں مسجد میں بیٹھے تھے کچھ لوگ جمع تھے آپس میں یہ تذکرہ ہو رہا تھا کہ مولانا محمد حسین صاحب کا اس طرح سماع میں انتقال ہوگیا۔ دو جماعتیں تھیں ایک جماعت کے لوگ تو یوں کہتے تھے کہ خاتمہ اعلیٰ درجہ کا ہوا خدا کی محبت میں جان نکلی۔ ایک کہتے تھے کہ خلاف سنت عمل پر خاتمہ ہوا۔ یہ مولوی محمد حسین خاموش بیٹھے تھے۔ یہ حضرت حاجی صاحب سے بذریعہ خط کے بیعت تھے چونکہ صاحب دل تھے اس لئے خاموش بیٹھے تھے ورنہ وہ بھی فتویٰ لگاتے دونوں جماعتوں نے ان سے پوچھا کہ آپ کہیئے آپ کا اس بارہ میں کیا خیال ہے خاتمہ کیسا ہوا انہوں نے بہت ہی معقول جواب دیا کہ بھائی بڑوں کی بات میں بولنا بے ادبی ہے۔ ہمارا کیا منہ ہے کہ اتنی بڑی بات کا فیصلہ کریں لیکن ہاں اتنا تو کہہ سکتے ہیں کہ اگر ایسے فعل پر خاتمہ ہوتا جو صریحاً سنت کے موافق ہوتا تو وہ زیادہ اکمل حالت تھی۔ بہت ہی سنبھال کر جواب دیا۔ لیکن اس پر بھی بعضے چڑ گئے اور کہا کہ اعتراض کرنا تو ان مولویوں کو آسان ہے۔ لیکن ان میں سے کسی نے جان دیکر نہ دکھلائی۔

انہوں نے کہا کہ بھائی یہ تو اعتراض لغو ہے کیونکہ اول تو کسی خاص حالت میں مرنا کسی کے اختیار میں تھوڑا ہی ہے ان کا بھی مرنا اختیاری نہ تھا۔ لیکن اللہ کے بندے جان بھی دیکر دکھلا دیتے ہیں۔ وہ جوش میں آکر یہ کہہ گئے۔ آٹھ دس دن بعد عجیب قصہ ہوا۔ ان کا لڑکا حفظ کرتا تھا۔ گھر میں وہ

اس کا قرآن سننے بیٹھ گئے۔ لکھنؤ اور اس کے اطراف میں عام طور سے غریبوں کے یہاں بھی گھروں میں تکلف کا سامان ہوتا ہے۔ مثلاً چاندنی دری وغیرہ چنانچہ ان کے یہاں بھی چاندنی بچھی ہوئی تھی وہ بہت لطیف المزاج تھے وہیں بیٹھ گئے اور قرآن سننے لگے اتنے میں ان کی بیوی آگئی اس کے کپڑے میلے تھے کہا کہ بڑی بد سلیقہ ہو کپڑوں میں سے بدبو آرہی ہے جاؤ نہا کر کپڑے بدل کر آؤ وہ چلی گئیں اتنے میں آیت آئی سجدہ کی۔ پاک فرش تھا۔ سجدہ میں گئے۔ بس وہیں سجدہ ہی میں روح قبض ہو گئی عجیب بات ہے۔ خدا جانے کیا حالت تھی ان کی۔ کون سا مضمون قلب پر غالب تھا۔ اور دیکھئے گرے نہیں۔ بلکہ جان نکلنے کے بعد بھی اسی ہیئت سے سجدہ میں پڑے رہے۔ جب بہت دیر ہو گئی بچہ گھبرایا۔ ماں کے پاس دوڑا گیا اور کہا کہ ابا کو جانے کیا ہو گیا۔ اٹھتے ہی نہیں۔ انہوں نے جاکر دیکھا تو کچھ بھی نہیں۔ وہاں تو روح پرواز کر چکی تھی۔ تمام محلہ جمع ہو گیا۔ طبیب ڈاکٹر بلوائے گئے لیکن روح تو نکل ہی چکی تھی۔ تاہم احتیاطاً رات بھر رکھا صبح کو جب تجہیز تکفین کیا اس وقت یاد آیا لوگوں کو کہ ان کی تو کرامت تھی انہوں نے کہا تھا کہ اللہ کے بندے جان دیکر بھی دکھلا دیتے ہیں۔ سو دیکھ لو جان دیکر دکھلا دی۔ میں نے کہا عجیب قصہ ہے وہ بھی محمد حسین یہ بھی محمد حسین۔

اللہ اکبر! عجیب حکایت ہے مگر یہ نہ تو کسی اخبار میں چھپا نہ اس کی شہرت ہوئی وہ واقعہ اس قدر مشہور ہو گیا اسکی اس قدر شہرت ہو گئی۔ پھر فرمایا کہ انکا انتقال اتنا عجیب نہیں جتنا مشہور کیا گیا۔ وہ صاحب حال ضرور تھے۔ لیکن جس قوال سے وہ سماع سن رہے تھے وہ ظالم غضب کا خوش آواز ہے کئی آدمی اس کے سماع میں مر چکے ہیں۔ خونی مشہور ہے اور بھی دو ایک آدمیوں کو وہ اسی طرح مار چکا ہے۔ دوسرے مولانا خود فرمایا کرتے تھے کہ جب میری موت آئے گی دفعتاً آئے گی۔ طبیب بہت اچھے تھے۔ قواعد طبیہ کی رو سے اپنی حالت کا اندازہ کر کے فرماتے تھے۔ کہ میری موت دفعۃً آئے گی کیونکہ ان کو اختلاج کی بیماری تھی اور اختلاج والا اکثر دفعۃً ہی مرتا ہے پھر ہمارے حضرت اس کی تحقیق فرماتے رہے۔ کہ کسی خاص حالت پر انتقال کر جانا دلیل اس حالت کے مقبول ہونے کی نہیں جیسا کہ اہل بدعت اس واقعہ سے ہر سماع کے جواز پر استدلال کرتے ہیں۔ سہارنپور میں ایک بوڑھے ہندو کا عین اس حالت میں کہ وہ ایک کسبی کے ساتھ مشغول تھا انتقال کر جانے کا واقعہ بیان فرمایا اور اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ بوجہ ضعف کے لذت کا تحمل نہ ہو سکا۔ اور روح پرواز

کر گئی تو کیا اس کی اس حالت کو محمود کہا جائے گا۔

پھر فرمایا کہ ہم تو مولانا کے معتقد بھی ہیں واقعی صاحب حال تھے لیکن گفتگو اس میں ہے کہ اس واقعہ سے سماع کے جواز پر استدلال کرنا بالکل غلط ہے پھر فرمایا کہ مولانا گنگوہیؒ نے خود مجھ سے فرمایا تھا کہ میں مولوی محمد حسین صاحب کو معذور سمجھتا ہوں۔ میں نے مولانا کے روبرو ایک دفعہ ان کے متعلق کچھ تذکرہ کیا تھا۔ اس پر دوسرے وقت مولانا نے اول سماع کے متعلق ایک تقریر کی ۔ پھر میری طرف روئے سخن کر کے فرمایا کہ بھائی میں مولوی صاحب کو بھی معذور سمجھتا ہوں۔ مولانا گنگوہیؒ ان کی نسبت فرمایا کرتے تھے کہ اپنے ہی ہیں۔

مولوی صاحب بھی حضرت مولانا کے معتقد تھے ایک صاحب نے ایک بار مولوی صاحب سے کہا کہ آپ گنگوہ کبھی نہیں جاتے ۔ مولانا آپ کے پیر بھائی ہیں ان سے بھی کبھی مل آیا کیجئے۔ اس پر مولوی صاحب رونے لگے اور فرمایا کہ میں ظلمات بدعت میں مبتلا ہوں وہاں انوار سنت کا غلبہ ہے میں کیا منہ لے کر ان کے پاس جاؤں ایک ان کے ادب کی یہ بات ہے کہ سب عرسوں میں جاتے تھے لیکن گنگوہ کے عرس میں کبھی نہیں گئے کیونکہ سمجھتے تھے کہ ملوں گا۔ تو بے ادبی ہے اور نہ ملوں گا تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہاں جاؤں اور ان سے نہ ملوں گا سمجھتے تھے کہ مولانا کو میرے وہاں جانے سے کلفت ہوگی اس لئے کبھی وہاں کے عرس میں شریک نہیں ہوئے۔

مولوی بدرالدین مرحوم ساکن گلاؤٹھی نے حضرت مولانا گنگوہیؒ سے مولوی صاحب کے ذوق و شوق کا حال بیان کیا جو سفر مدینہ میں دیکھا تھا۔ مولانا بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ بھائی وہ اپنے ہی ہیں۔ اگر ان کی کوئی اچھی حالت سنتے ہیں تو خوشی ہوتی ہے اور اگر کوئی ناگوار حالت سنتے ہیں تو رنج ہوتا ہے۔

یہ مولوی بدرالدین نے خود مجھ سے بیان کیا۔ پھر ہمارے حضرت نے فرمایا کہ ذرآزاد بنتے تھے اور ہمارے ایک ماموں صاحب ان سے بڑھ کر آزاد تھے مولوی صاحب ان سے مل کر بہت خوش ہوئے چنانچہ مجھ سے خود کہا کہ بھائی میں نے تو بہت مشائخ دیکھے مجھے تو تمہارے ماموں صاحب بہت پسند آئے۔ بھلا انہیں کیوں نہ پسند آتے ان کی مجلس میں بھی وہ شریک ہوئے تھے۔ ماموں صاحب پر حالت بہت قوی طاری ہوتی تھی مولوی صاحب مجھ سے فرماتے تھے کہ مجھے تو

بڑا اعتقاد ہوا۔

پھر ہمارے حضرت نے فرمایا کہ صاحب یہ سب دلیل ہے۔ ضعف قلب کی عوارف میں ابھی میں نے دیکھا ہے کہ ایک بزرگ کو بڑھاپے میں تغیر ہوا۔ کہیں چیخ اٹھے کہیں رونے لگے۔ لوگوں نے اس تغیر کا سبب پوچھا تو یوں کہا کہ اب ہم ضعیف ہو گئے ہیں اس لئے ضبط نہیں ہوتا۔ دیکھئے خود اہل فن نے فیصلہ کیا ہے کہ ایسے تغیرات ضعف سے ناشی ہوتے ہیں یا تو جسے حس نہ ہو وہ متاثر نہ ہوگا۔ جیسے ہمارے دوست ایک مولوی صاحب ہیں وہ کہتے ہیں کہ شعر میں مزے کی کیا بات ہے نہ میٹھا نہ کھٹا۔

لوگ کہتے ہیں کہ شعر میں مزہ ہے سمجھ میں نہیں آتا کیا مزہ ہے تو عدم تاثر کے لئے یا تو بے حس ہو اور یا اگر حس ہو تو قوت زیادہ ہو تب تغیر نہیں ہوتا۔ اور اگر حس تو ہو لیکن قوت ہو کم تو تغیر لازم ہے۔ بڑھاپے میں تھوڑا سا ذوق بھی ہو تو اس کا ضبط نہیں ہوتا۔ پھر بڑھاپے میں قوت کم ہونے پر فرمایا کہ میری تو خوب اطمینان کی تحقیق ہے کہ عفت جیسی جوانی میں ہوتی ہے بڑھاپے میں نہیں ہوتی۔ عفیف جوان بہ نسبت عفیف بڈھوں کے زیادہ عفیف ہوتے ہیں کیونکہ ان میں قوت ضبط کی زیادہ ہوتی ہے۔ یہ بالکل تحقیقی بات ہے۔ اور اس کا یہ بھی مقتضا ہے کہ عورتوں کو بوڑھے آدمی سے زیادہ بچانا چاہیے۔ اور اب لوگوں کا معاملہ برعکس ہے بوڑھے سے بالکل احتیاط نہیں کرائی جاتی۔ حضرت یہ بالکل تجربہ کے خلاف ہے بوڑھوں کے ہاتھ میں قرآن اٹھا کر کہلوا لو یہی کہیں گے جو میں کہہ رہا ہوں۔ حضرت میں نے کئی بوڑھوں سے پوچھا سب نے اقرار کیا۔ شہوت تو ہوتی ہے بوڑھوں میں بھی یعنی میلان قلب لیکن چونکہ وہ کسی کام کے نہیں رہتے اسلئے بزرگ رہتے ہیں۔ میلان خوب اچھی طرح ہوتا ہے یہ نہیں کہ میلان نہ ہو۔

حضرت مولانا شاہ فضل الرحمن صاحب مراد آبادی کی زیارت کے لئے کانپور سے کچھ عورتوں کا جانے کا قصد ہوا۔ ان اطراف میں پیروں سے عورتیں پردہ بہت کم کرتی ہیں ان عورتوں میں یہ تذکرہ ہوا کہ ان سے پردہ کی کیا ضرورت ہے کیونکہ اول تو وہ بزرگ پھر دہ بوجہ زیادہ عمر ہونے کے بالکل مردہ ہیں۔ مجھ سے بھی پوچھا۔ تھی تو حیا کے خلاف بات لیکن اس وقت کہنا ضروری تھا۔ میں نے کہا کہ میں ایک بات خود اپنی دیکھی ہوئی بیان کئے دیتا ہوں اس سے تم خود فیصلہ کر لو کہ آیا ان

سے پردہ کرنا ضروری ہے یا نہیں۔

ایک بار صبح صادق کے وقت جاڑے کی موسم میں مولانا نے اٹھ کر خادم سے کہا کہ ارے مجھے کچھ شبہ ہو گیا ہے میں کیا کروں۔ خادم نے عرض کیا کہ پانی تیار ہے اگر دل چاہے غسل کر لیجئے۔ مولانا نے فرمایا کہ اچھا پانی رکھو۔ چنانچہ مولانا نے جاڑوں کے موسم میں کھلے ہوئے غسل خانہ میں سخت سردی کے وقت میرے سامنے غسل کیا۔ اب تمہیں سمجھ لو کہ شبہ تو وہیں ہوتا ہے جہاں کچھ حقیقت بھی ہوتی ہے۔ سو سے زیادہ عمر ہے لیکن اب تک اس کی نوبت آتی ہے یہ سن کر ان عورتوں کی رائے بدل گئی۔

پھر فرمایا کہ لوگ عورتوں کو بزرگوں سے تو بچاتے ہی نہیں۔ حالانکہ بزرگوں میں زیادہ قوت ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ سب باتوں سے رکے ہوتے ہیں۔ فاسق فاجر میں کچھ نہیں رہتا۔ کیونکہ کچھ فسق فجور میں نکل جاتا ہے کچھ آنکھوں کی راہ سے نکل جاتا ہے۔ کچھ خیالات کی راہ سے نکل جاتا ہے اور جو متقی ہوتے ہیں ان کا سب ذخیرہ کوٹھڑی ہی میں رہتا ہے۔ سب راہیں نکلنے کی بند رہتی ہیں۔ اس لئے بزرگوں سے ضرور بچنا چاہیے۔ اب یہ ہوتا ہے کہ میری لڑکی کی پیٹھ پر ہاتھ پھیر دیجئے۔ میری بیوی کے سر پر ہاتھ رکھ دیجئے۔ واہیات حرکت ہے بہت ہی احتیاط چاہیے۔ اس معاملہ میں تو کرنی۔ بزرگوں کو بھی تو فتنوں سے بچانا چاہیے بلکہ اوروں سے زیادہ۔ وہ بھی تو بے چارے آخر بشر ہیں۔ دوسرے ادراک بزرگوں کا بہت صحیح ہو جاتا ہے۔ آواز سے یہ استدلال کر سکتے ہیں صورت سے یہ استدلال کر سکتے ہیں۔

لب و لہجہ سے یہ استدلال کر سکتے ہیں۔ چال ڈھال سے یہ استدلال کر سکتے ہیں۔ ان کے استدلالات غضب کے ہیں بخاری کے حاشیہ میں تصریحاً لکھا ہے۔ کہ ان شهوة المتقى اشد کیونکہ تقویٰ کا خاصہ ہے کہ ادراک صحیح ہو جاتا ہے۔ ابن القیم نے اس قول کی وجہ لکھی ہے۔

کہ ان حضرات میں نور ذکر کا پھیلا ہوا رہتا ہے اور نور کا اول خاصہ نشاط ہے اور اس امر کا نشاط پر دار و مدار ہے جب نشاط ہو گا تب ہی میلان ہو گا چونکہ بزرگوں میں نور ذکر کا پھیلا ہوا رہتا ہے۔ اس واسطے ہر وقت نشاط میں رہتے ہیں۔ اس لئے میلان بھی انہیں زیادہ ہوتا ہے۔ عوام میں تو مشہور ہے کہ مولویوں کی بہت مستی ہوتی ہے۔ اس کا بھی وہی مطلب ہے گو الفاظ غیر مہذب ہیں وہ

مہذب لفظ ہے چونکہ عربی ہے۔ ان شہوۃ المتقی اشد پھر عربی کے مہذب ہونے کے سلسلہ میں بطور ظرافت فرمایا کہ وہ ایسی مہذب زبان ہے کہ بعضے تو اس کو مفسد صلوٰۃ بھی نہیں سمجھتے پھر ایک حکایت بیان کی۔ کہ ایک قاری صاحب ساڈھورہ کے رہنے والے مجھ سے بیان کرتے تھے کہ میں منیۃ المصلی پڑھنے کے زمانہ جماعت میں شریک تھا۔ امام کو قعدہ میں دیر ہو گئی تو قاری صاحب کیا کہتے ہیں قم یعنی کھڑے ہو جاؤ۔ امام صاحب اٹھ کھڑے ہوئے۔ قاری صاحب بڑے خوش کہ عربی پڑھنے سے یہ فائدہ کہ بات بھی کہہ دی اور نماز بھی فاسد نہیں ہوئی۔ سلام کے بعد ان امام صاحب نے کہا کہ یہ کون تھا قم کہنے والا آپ نے بڑے فخر کے ساتھ کہا کہ میں تھا۔ سمجھے کہ بڑی تعریف ہو گی۔ امام صاحب نے ڈانٹا کہ نماز میں بولنے سے نماز فاسد نہیں ہو گی۔ تو آپ کیا کہتے ہیں کہ میں بولا کہاں میں نے تو عربی میں کہا تو عربی میں بولنا تو بولنا ہی نہیں۔ اسی طرح عربی کی گالیاں بھی کچھ زیادہ بری نہیں معلوم ہوتی ہیں۔ فحش لفظ بھی عربی میں برے نہیں معلوم ہوتے لیکن قرآن مجید ایسے لفظوں سے بھی پاک ہے۔ صرف فروج کا لفظ تو آیا سو اول تو وہ صریح نہیں اس کے معنی ہیں شگاف کے۔ پس اچھا ترجمہ اس کا چاک گریبان ہے جو کنایہ ہے۔ عفت سے پس احصنت فرجہا کا مناسب ترجمہ ہے۔ اپنے دامن کو پاک رکھا ہے اچھی تفسیر اس کی یہی ہے ایک دفعہ مستورات میں میں نے وعظ کہا اور آیت تلاوت کی اس میں جب والحافظین فروجہم پر پہنچا تو میں بڑا پریشان ہوا کہ اس کا ترجمہ کیا کروں۔ معاً اللہ تعالیٰ نے دل میں ڈالا کہ اپنی آبرو کی حفاظت کرنے والے یا ناموس کہہ دیا جائے یہ اور بھی اچھا ہے۔ بعضے تو واعظوں کو دیکھا غضب کرتے ہیں صاف صاف کہہ ڈالتے ہیں۔

ایک ہمارے ہم سبق تھے۔ عورتوں نے ان کے وطن میں ان سے وعظ کے لئے کہا وعظ میں آپ نے کہا کہ عورتوں کو بھی ختنہ کرانی چاہیے۔ یہ سن کر عورتیں بہت بگڑیں اور ان کو خوب گالیاں سنائیں کہ اپنی ماں کی کرا۔ اپنی بہن کی کرا۔ انہیں پیچھا چھڑانا مشکل پڑ گیا۔ یہ خبر دیوبند پہنچی۔ میں نے کہا کہ تمہیں یہ کیا شامت سوار ہو گئی تھی۔ انہوں نے کہا کہ اجی میں نے تو یہ سوچا کہ معمولی مسئلے کیا بیان کروں وہ تو معلوم ہی ہیں وہ مسئلہ بتلاؤں کہ کسی کو نہ معلوم ہو۔ میں نے کہا کہ بھلے مانس یہ فعل کون سا سنت تھا۔ فقہاء نے بھی لکھا ہے کہ یہ سنت نہیں ہے ہاں افضل ہے۔

پھر ایک غیر ضروری مسئلہ کو بیان کر کے خواہ مخواہ کیوں برائی مول لی یہ کون سی عقل

مندی تھی کہ عورتوں میں ایک ایسا مسئلہ بیان کرنے بیٹھ گیا۔ مشہور ہے۔ "کہ یک من علم را دہ من عقل مے باید"

پھر اس پر ایک حکایت بیان کی کہ ایک کم عقل شہزادہ کو نجوم پڑھایا گیا۔ بادشاہ نے اس کا امتحان لیا۔ اور ہاتھ میں ایک نگین رکھ کر پوچھا کہ ہاتھ میں کیا ہے اس نے نجوم کے قواعد سے معلوم کیا کہ پتھر ہے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ پتھر تو ہے لیکن یہ بتلاؤ کہ پتھر کی کیا چیز ہے وہ بے وقوف کیا کہتا ہے کہ چکی کا پاٹ۔ قواعد سے تو اس کو معلوم ہو گیا۔ کہ کوئی پتھر کی چیز ہے اب آگے تو عقل کی ضرورت تھی کہ ایسی چیز بتلائے جو ہاتھ میں آسکے۔ واقعی نرے علم سے عقل آتی نہیں۔

کانپور میں ایک مشہور مولوی صاحب سے ایک صاحب نے جو بہت موٹے تھے۔ اور جن کا پیٹ آگے کو بہت بڑھا ہوا تھا۔ یہ پوچھا کہ میں موئے زیر ناف کس طرح لیا کروں۔ کیونکہ پیٹ بڑھ جانے سے وہ موقعہ نظر نہیں آتا اور بدوں دیکھے اندیشہ ہے استرہ لگ جانے کا۔ اس پر مولوی صاحب نے بتلایا کہ بیوی سے بال اتروالیا کرو۔ پھر انہوں نے مجھ سے یہی سوال کیا لیکن ان مولوی صاحب کا جواب مجھ کو نہیں بتلایا تھا۔ میں نے کہا کہ چونہ اور ہڑتال لگا کر نورہ کر لیا کرو۔ بال خود بخود جھڑ جائیں گے۔ اس جواب کو سن کر وہ بہت خوش ہوئے پھر انہوں نے کہا کہ ان مولوی صاحب نے تو یہ بتلایا تھا کہ بیوی سے بال اتروالیا کرو۔ میں سخت پریشان تھا کہ بیوی سے یہ کام کیسے لوں گا۔ اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر دے بڑی مصیبت سے مجھے نجات دی۔ پھر فرمایا کہ واقعی بالکل سچ ہے۔ کہ "یک من علم را دہ من عقل باید"۔

۵ رمضان المبارک ۱۳۳۴ھ

ملفوظ (۶۲۷) مصافحہ کے بعد ہاتھ چومنے کی رسم خلاف سنت ہے۔ ہاتھ نہ چومنے کی مصالح۔ وہابیوں کا سا سلام اچھا معلوم ہوتا ہے۔ اصل نہ ہو تو نقل کی حاجت پیش آتی ہے۔ حکم شیخ میں کاربند اپنے اندر ہزاروں کرامات دیکھتا ہے۔ سادگی میں ہی برکت ہے۔ غصہ پر پیار۔

مولانا محمد یعقوب صاحبؒ غصہ میں عجیب ہنسی کی باتیں فرماتے ہیں۔

بچوں سے اظہار محبت :

بعد عصر کے سب صاحبان کو مسجد میں جمع کر کے فرمایا کہ ایک بات کی اطلاع کرنی ہے بہت روز سے جی میں تو کھٹکتا تھا لیکن اہتمام اس کے جمع کرنے کا دل میں پیدا نہیں ہوا تھا یہ بھی خیال ہوتا تھا کہ شاید کسی کے ارمان کے خلاف ہو وہ یہ ہے کہ مصافحہ کے بعد جو ہاتھ چومنے کی رسم ہے اس کو موقوف کر دینا چاہیے۔ کیونکہ اصل سنت تو مصافحہ ہے۔ ہاتھ چومنا یا پیر چومنا گو جائز سہی لیکن سنت تو نہیں اگر سنت ہوتا تب اس کا اہتمام ضروری تھا۔ لیکن محض ایک فعل جائز ہے جس کا مبنی ہے شوق۔ یہ تمہید تھی اس سے سمجھ میں آگیا ہوگا کہ اگر شوق ہو تو مضائقہ نہیں لیکن یہ ایک وجدانی بات ہے کہ کسی وقت شوق کا غلبہ ہوتا ہے اور کسی وقت نہیں ہوتا۔ جب غلبہ نہ ہوا تو بناء صحیح نہیں محض اس وقت تصنع ہے اور تصنع اکابر طریقت کے نزدیک بھی برا ہے۔ نیز عقل سلیم کے بھی خلاف ہے۔ نیز ایک باریک بات بھی ہے وہ یہ کہ بعض طبائع میں ایک خاص بات ہوتی ہے۔ اور جن میں نہیں ہوتی ہے وہ اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ یعنی جس پر توحید کا غلبہ ہے انہیں یہ فعل نہایت گراں معلوم ہوتا ہے۔ میرا ہی مذاق ہے میں جو بزرگوں کے ہاتھ چومتا ہوں تو سچ تو یہ ہے کہ کسی وقت تو شوق ہوتا ہے لیکن زیادہ تو یہی ہے کہ اور دیکھنے والے یوں سمجھیں گے کہ اس کو اعتقاد نہیں ہے۔ بزرگوں کے ساتھ۔ سو بحمد اللہ اعتقاد تو اپنے بزرگوں کے ساتھ مجھ کو ہے باقی سچ یہ ہے کہ جوش نہیں ہے یعنی اعتقاد تو ہوتا ہے لیکن جوش کے درجہ میں نہیں ہوتا۔ اس لئے اندازہ کر لیجئے کہ جن میں غلبہ توحید کا ہوتا ہے انہیں یہ فعل (یعنی ہاتھ چومنا گراں گزرتا ہے مگر اس وجہ سے کہ لوگ سوء اعتقاد یا ضعیف اعتقاد کا گمان نہ کریں وہ بھی اس کو کرتے ہیں۔ اور تصنع میں مبتلا ہوتے ہیں۔ جب ایسے مذاق کے لوگ بھی موجود ہیں تو ان کی رعایت سے بھی اس رسم کو موقوف کرنا چاہیے کیونکہ اس کا شوق ہوا۔ اور دوسرے کو تصنع میں مبتلا کیا تیسری بات اور بھی ہے وہ شاید اس سے بھی زیادہ دقیق ہو یا اس کے قریب قریب ہو وہ یہ کہ جس کے ہاتھ چومے جاتے ہیں۔ اس کا بھی اس میں ضرر ہے۔

حدیث میں ہے کہ مدح مت کرو ایک شخص نے دوسرے کی مدح کی تھی آپ ﷺ نے

فرمایاویلك قطعت عنق اخیك۔ ارے بھلے مانس تونے اپنے بھائی کی گردن ہی کاٹ دی۔ اب دیکھو کہ علت اس ممانعت مدح کی کیا یہی ہے کہ اس سے عجب اور ناز پیدا ہوتا ہے تو میں یہ دیکھتا ہوں کہ وہی اثر اس فعل میں ہے۔ خواہ مخواہ یہ خیال ہوتا ہے کہ ہم بڑے ہیں جبھی تو ہمارے ساتھ ایسا برتاؤ ہوتا ہے۔ اور جس طرح مدح کے اس اثر کے سبب ممانعت ہے لیکن کبھی بعارض مصلحت جائز ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ہاتھ چومنا ہے۔ کہ اس اثر کے سبب اس کی بھی ممانعت ہونا چاہیے۔ البتہ کسی عارضی مصلحت کی وجہ سے اجازت ہو جائے گی۔

غرض اس فعل میں دونوں کا ضرر ہے اس واسطے اس کو موقوف کر دینا چاہیے ایک اور بات ہے جو اس وقت بھی پیش آئی ہے اور پہلے بھی پیش آتی رہی ہے وہ یہ کہ اگر دونوں کھڑے ہوں۔ وہاں تو محض تقبیل ہے ورنہ ایک کو جھکنا پڑتا ہے۔ ابھی ایک صاحب نے ہاتھ چومے تھے میں تو بیٹھا تھا وہ کھڑے تھے بالکل رکوع کی سی صورت ہو گئی تھی یہ اور بھی گراں ہوتا ہے۔ ایسی صورت رکوع کی بنانا فی نفسہ تو جائز نہیں ہے انحناء سے حدیث میں ممانعت آئی ہے۔ قلنا یارسول الله اینحنی بعضنا لبعض قال لاینحنی . صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہم لوگ ملنے کے وقت آپس میں جھک بھی جایا کریں فرمایا لاینحنی جھکو نہیں۔ اور یہ امر تشبیہ بانحناء ہے۔ گو انحناء فی نفسہ اس ممانعت میں داخل نہیں کیونکہ اس قصد سے نہیں لیکن صورت میں اوس کے مشابہ تو ہے۔ عرض انحناء تو ہے۔ گو لازم ہی کے درجہ میں سہی۔ ملتزم کے درجہ میں نہ سہی۔ سو بدوں ضرورت کے کیوں ایسی صورت بنائی۔ اور ضرورت اس کی ہے نہیں کیونکہ اس میں کوئی فضیلت نہیں ثواب کا وعدہ نہیں۔ اسکی مقصودیت کتاب وسنت میں نہیں۔ اس لئے میں دوستوں کا احسان مند ہونگا اگر اس کو چھوڑ دیں گے۔ اسکے علاوہ اس میں اور بھی بات ہے جو میرے مذاق کے خاص طور سے خلاف ہے۔ وہ یہ کہ اس میں بڑی دیر لگتی ہے۔ اول مصافحہ کیا پھر چوما پھر اس آنکھ سے لگایا پھر اس آنکھ سے لگایا۔ ایک آدمی کا اچھا خاصہ قرنطینہ ہو گیا کئی سیکنڈ کے لئے۔ اکثر اوقات کام کرتا ہوا ہوتا ہوں۔ یہاں تو کام پڑا ہوا ہے وہاں سارے آداب ہو رہے ہیں۔ بڑی طبیعت گھبراتی ہے کہ یااللہ کس مصیبت میں مبتلا ہو گیا کبھی چھوڑے گے گا بھی اس وجہ سے اس میں ہر طرح گرانی ہی گرانی ہے کسی قسم کی محمودیت نہیں البتہ مصافحہ ہے سلام ہے یہ بے شک مسنون ہے۔ جو صاحب اس وقت موجود ہیں وہ

اس کا خیال رکھیں اور جو نہ ہوں وہ جس جس سے ملتے جائیں اطلاع کر دیا کریں ورنہ اگر یاد رہا تو میں اطلاع کر ہی دیا کروں گا۔ لیکن اچھا ہے اور احباب بھی ملنے والوں سے اطلاع کر دینے کا خیال رکھیں میرا کام ہلکا ہو جائے گا۔

بس وہابیوں کا سا سلام اچھا معلوم ہوتا ہے کہ مصافحہ کیا اور علیحدہ ہو گئے وہ الگ کھڑا ہو گیا وہ الگ۔ کہاں کا چومنا اور کہاں کا چاٹنا۔ ہمارے شروع زمانہ میں اپنے مجمع میں یہ نہ تھا۔ مثلاً مولانا حضرت محمد یعقوب صاحب حضرت مولانا گنگوہیؒ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب۔ البتہ حضرت حاجی صاحب کے یہاں ہر قسم کے لوگ آتے جاتے تھے۔ لیکن ان حضرات موصوفین سابق کے پاس آنے جانے والے تو زیادہ تر اپنے ہی ہم خیال ہوتے تھے۔ ان میں ہم نے اس وقت یہ رسم نہیں دیکھی۔ اس وقت کے جو محبین تھے وہ لوگ دراصل جان دینے والے تھے۔ انہوں نے کبھی یہ نہیں کیا۔ بعد کے محبین میں بھلا وہ جاں نثاری کہاں اس لئے ایسے ضمیموں کی حاجت ہوئی جو غالباً یورپ یا پنجاب والوں سے سیکھا ہے اور صاحب بات یہ ہے کہ جس میں اصل نہ ہوگی نقل سے وہی پوت پورا کریگا۔

نباشد اہل باطن در پے آرائش ظاہر بہ نقاش احتیاجے نیست دیوار گلستان را

جو اصل نفع بزرگوں سے پہنچتا ہے اگر وہ حاصل ہو جائے تو خدا کی قسم اس نفع کی بدولت جو محبت ہوگی اس کے سامنے یہ نقلیں ہیں محض نقالی ہے اس کی کچھ بھی حقیقت نہیں اور اگر وہ نفع نہ ہوا تو کچھ بھی نہیں محبت ہی نہیں (وہ ایک بار اسی مضمون کو اس طرح فرمایا تھا کہ جو شخص کام کر رہا ہے وہ تو اپنے اندر اپنے شیخ کی ہزاروں کرامات ہر لمحہ مشاہدہ کرتا ہے اس کو کسی ظاہری کرامت کی حاجت نہیں رہتی) پھر اس شعر کے سلسلہ میں۔

نباشد اہل باطن در پے آرائش ظاہر بہ نقاش احتیاجے نیست دیوار گلستان را

فرمایا بعض بعض جگہ دولہا کو دیکھا کرتے ہیں اگر وہ خوب صورت ہوا تو اسے بننے سنور نے کی کچھ فکر نہیں ہوتی جس ہیئت میں ہے اسی ہیئت سے دیکھ لو ورنہ بنتے سنورتے ہیں جوڑا بدلو۔ مانگ پٹی بھی کر لو۔ میں نام تو لیتا نہیں گنگوہ میں ایک صاحب نے ایک جگہ پیغام نکاح کا دیا۔ نکاح سے قبل لڑکی والوں نے انہیں دیکھنا چاہا وہ وہاں بزرگ بن کر تشریف لے گئے۔ کاش نہ بنتے تو اچھا ہوتا۔ کرتے

صدری پہن کر گئے اوپر سے عبا عمامہ پہنا۔ بالکل اول جلول شکل ہو گئی سادگی میں اور ہی بات ہوتی ہے یہ کیا ضرورت ہے کہ سارا ہی ہاتھی رنگا جائے سونڈ بھی ہاتھ پاؤں بھی۔ وہ لڑکی تو خیر کنواری تھی وہ کیا دیکھتی خود اس نے تو نہیں دیکھا لیکن اس کی سکھیوں نے کیا کیا کہ جب وہ بزرگ جلوہ افروز ہو کر چلے گئے تب ان میں سے ایک نے ان جیسی شکل بنائی جانے کہاں سے چوغہ روئیدار لے آئیں عمامہ بھی۔

غرض ایک لمبی سی لڑکی وہی شکل بنا کر سامنے آئی۔ وہ لڑکی منکوحہ ہونے کے بعد عورتوں سے خود بیان کرتی تھی کہ خدا کی قسم اس جلسہ کو دیکھ کر میرے دل میں اسی وقت سے نفرت ہو گئی جب نقل کی یہ کیفیت ہے تو اصل کی کیا حالت ہو گی پھر نکاح بھی ہوا لیکن موافقت نہ ہوئی یہاں تک کہ طلاق کی نوبت آئی۔ اب وہ دونوں زندہ ہیں لیکن وہ عورت مطلقہ ہو گئی۔ پھر اس نے دوسرا نکاح کیا لیکن وہاں سے بیوہ ہو گئی مگر یہ قصہ ہو چکا ہے۔ تو یہ سمجھئے جناب! تصنع یہ واہیات ہوتی ہے اور اصلی حسن میں تو ہر حال میں اچھا ہی معلوم ہوتا ہے اس کا تو یہ حال ہوتا ہے ؎

چلی شوخی نہ کچھ باد صبا کی ——— بگڑنے میں بھی زلف اس کی بنا کی

اگر وہ بگڑتا بھی ہے تو اس میں ایک اور شان دلربائی کی پیدا ہو جاتی ہے اور واقعی وہ بگڑنے میں بھی اچھا معلوم ہوتا ہے۔ میں نے حسینوں کو دیکھا ہے کہ وہ جھنجھلائے ہوئے اور منہ چڑھائے ہوں تو وہ ایسے اچھے معلوم ہوتے ہیں کہ بس فدا ہو جائیں۔ احقر نے عرض کیا کہ حضور جب کسی پر غصہ ہوتے ہیں تو مجھے بڑا لطف آتا ہے اور یہ شعر یاد آ جاتا ہے۔ ؎

ان کو آتا ہے پیار پر غصہ ——— ہم کو غصہ پہ پیار آتا ہے

ہنس کر فرمایا کہ یہ خوب ہے کہ اوروں میں تو بے لطفی اور آپ کا لطف ہو۔ پھر فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب صاحب جب کسی کو ڈپٹتے تھے تو ایسی ایسی مزے کی باتیں غصہ میں فرماتے جاتے تھے۔ کہ دیکھنے والے کو بے اختیار ہنسی آتی تھی۔ کوئی طالب علم اگر کہتا کہ اللہ کے واسطے نہ ماریئے کہتے ہاں اللہ ہی کے واسطے مارتا ہوں۔ ایسے مفسدوں کو سزا دینے کے لئے اللہ ہی نے حکم دیا ہے وہ کہتا کہ رسول ﷺ کے واسطے نہ ماریئے فرماتے ہاں رسول ﷺ ہی کے واسطے مارتا ہوں۔ انہیں نے فرمایا ہے کہ ایسے مفسدوں کو سزا دو۔

غرض یہ کہ اس قدر ہنسی کی باتیں فرماتے تھے کہ بہت ہی ہنسی آتی تھی۔ بڑے ذکی تھے ہر بات کا ایسا جواب دیدیتے تھے۔ اور میں جو بچوں کو زیادہ چھیڑتا ہوں تو اسکی یہی وجہ ہے کہ ان کی ادائیں غصہ کی وہ اچھی معلوم ہوتی ہیں ایک دفعہ توبہ بھی کرلی تھی کہ اب نہ چھیڑا کروں گا۔ کیونکہ ان کو تکلیف ہوتی ہے لیکن پھر توبہ ٹوٹ گئی۔ اگر بچہ نچلا بیٹھا رہے تو اچھا نہیں معلوم ہوتا ہے کہ ذرا ناک چڑھی رہے منہ چڑھا رہے کچھ زبان سے بھی کہہ دے یہ اچھا معلوم ہوتا ہے۔

ایک دفعہ شبیر علی بچہ سا تھا میں اسے چھیڑ رہا تھا وہ اپنی ماں سے کیا کہتا ہے کہ دیکھو تائے ابا دنگا کر رہے ہیں انہوں نے کہا کہ ہاں ان کی عمر دنگا ہی کرنے کی رہ گئی ہے مفتی جی کے لڑکے میاں انوار کو جو چھیڑا تو آپ کہتے ہیں اللہ مار اللہ مار الڑکی کے منہ سے ایسا اچھا نہ لگتا جتنا اس کے منہ سے اچھا لگا۔ میں نے لڑکوں کے چھیڑنے کی نسبت یہ سمجھ رکھا ہے کہ کبھی تو ان کو واقعی تکلیف ہوتی ہے تو ایسا چھیڑنا تو جائز نہیں۔ اور کبھی تکلیف نہیں ہوتی۔ مگر وہ ناز سے تکلیف ظاہر کرتے ہیں۔ اس میں گنجائش معلوم ہوتی ہے واللہ اعلم! پھر ہنس کر اپنی اس تاویل کے متعلق فرمایا کہ ہمارے ماموں صاحب فرمایا کرتے تھے۔ کہ نفس سب کا مولوی ہے کیا معنی کہ تاویلیں سب کا نفس ایسی سوچتا ہے جیسی مولوی سوچتے ہیں۔

۶ رمضان المبارک ۱۳۴۴ھ

ملفوظ (۶۲۸) ہر عامل صاحب نسبت نہیں ہوتا

ایک پیرزادے صاحب بدعتی کا ذکر کر رہے تھے فرمایا کہ ایک اور آفت ہو رہی ہے۔ مشائخ میں کہ اکثر عامل ہیں اور سمجھا جاتا ہے صاحب نسبت انکو۔ مشائخ آج کل عامل ہیں زیادہ۔

ملفوظ (۶۲۹) کنکھجورا کنوئیں میں گر جائے تو پانی کا حکم

ایک شخص نے آکر مسئلہ پوچھا کہ کنکھجورا کنوئیں میں مر گیا۔ فرمایا کہ کنواں ناپاک نہیں ہوا استفسار پر فرمایا کہ کنکھجورا چاہے مر کر گل سڑ بھی جائے اور ریزہ ریزہ ہو جائے لیکن کنواں ناپاک نہیں ہوتا گو پانی پینا جائز نہیں۔ جب تک اتنا پانی نہ نکالا جائے کہ غالب گمان ہو جائے کہ اب اسکے ریزے نکل گئے ہوں۔

ملفوظ (۶۳۰) امتحان محبت

اس سال برابر کام زیادہ رہنے کے سبب حضرت کو خستگی بہت ہو گئی ہے۔ اس لئے اب کے رمضان میں نہ تراویح میں حسب معمول کلام مجید سناتے ہیں نہ وعظ فرماتے ہیں۔ علاوہ خستگی کے یہ بھی فرمایا کہ ان امور کی وجہ سے مجمع رمضان میں بہت ہو جاتا تھا اور مجمع کی وجہ سے طبیعت پریشان ہوتی ہے اس مصلحت سے بھی ان امور کو ترک کر دیا ہے یہ بھی فرمایا کہ اچھا ہے امتحان ہو جاویگا۔ اب وہی یہاں رہے گا جس کو میری ذات سے محبت ہے۔ کیونکہ اب کے رمضان میں نہ وعظ ہے نہ کلام مجید ہے نہ ذکر و شغل کی تعلیم ہے۔ رمضان کے چاروں جمعوں کے لئے ایک ایک صاحب کو وعظ کہنے کے لئے حضرت نے حسب رضا مندی تجویز فرمایا ہے۔ احقر کیلئے یہ تجویز ہوا ہے۔ کہ ایک جمعہ کو حضرت کے مواعظ ہفت اختر میں سے منتخب شدہ مضامین پڑھ کر سنادے یہ مجموعہ چار سال کے رمضان شریف کے وعظوں کا ہے جن میں اعمال رمضان وعیدین کی ارواح کا بیان ہے۔

احقر سے حضرت نے دریافت فرمایا کہ آپ کون سا جمعہ لیں گے احقر نے مصلحتیں اور وجہیں بیان کر کے ایک جمعہ کی تعیین کی۔ فرمایا کہ وجہیں نہ بیان کیجئے۔ خود سوچ کر جو قطعی رائے ہو اسے ظاہر کر دیجئے کیونکہ وجہوں کے بیان کرنے میں خرابی ہے وہ یہ کہ اگر مخاطب نے وجہ سن کر سکوت کیا تو آپ سمجھیں گے کہ یہ بھی ان مصلحتوں اور وجہوں میں متفق ہے۔ پھر اگر کوئی خرابی نکلی تو آپ کو وسوسہ ہوگا کہ انہوں نے اس خرابی پر اطلاع نہ دی۔

احقر نے عرض کیا کہ میں مشورہ بھی تو لے سکتا ہوں۔ تو اس کو مشورہ ہی سمجھئے۔ فرمایا کہ ہر مضمون کی ادا کا ایک خاص عنوان ہوتا ہے یہ مشورہ کا طرز نہیں ہے کہ چونکہ یہ یہ مصلحتیں ہیں اسلئے میں فلاں جمعہ اپنے لیے تجویز کرتا ہوں۔ اگر آپ کو مشورہ ہی لینا ہے تو یہ کہنا چاہیے کہ میں ابھی جواب نہیں دے سکتا کیونکہ مجھے مشورہ لینا ہے پھر چاہے دوسرا مشورہ دے یا نہ دے۔ چنانچہ احقر نے بھی عرض کیا کہ مشورہ کے بعد جواب دونگا۔ پھر حضرت سے مشورہ طلب کیا۔ فرمایا کہ میں مشورہ نہیں دیتا۔ تب احقر نے بلا کسی وجہ وغیرہ کے بیان کرنے کے عرض کر دیا کہ میں فلاں جمعہ اپنے واسطے لیتا ہوں اس کو پسند کیا۔

حضرت کے یہاں جو بات بے طریقہ سے ہے۔ طبیعت فطرۃً ایسی باقاعدہ سلجھی ہوئی حق تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے کہ ذرا بھی کوئی بے قاعدہ بات ہوتی ہے تو فوراً کھٹک جاتی ہے۔
کوئی بے موقعہ یا بے طریقہ بات نہیں ہونے پاتی۔ وعظوں کے متعلق یہ بھی فرمایا کہ پار سال کے رمضان کے وعظ اب اس رمضان کے قریب آکر چھپے ہیں اور میں نے حال میں نظر ثانی کی ہے اس لئے اور بھی اس رمضان میں وعظ کہنے کیلئے نئے مضامین کی گنجائش ذہن میں نہیں رہی پار سال ہی رمضان کے قریب چھپ جاتے تو اب کی بار پھر نئے مضامین ذہن میں آسکتے تھے۔

ملفوظ (۲۳۱) فقر اختیاری کی طرح عجز اختیاری

ایک مدرسہ سے اشتہار او قات افطار وغیرہ کی بڑی تعداد میں حضرت کے یہاں بھیج دیئے گئے ہیں۔ فرمایا کہ میرے پاس کیوں بھیج دیئے ہیں۔ میں کیا کروں۔ پھر فرمایا کہ غالباً اس خیال سے بھیجدیئے ہوں گے۔ کہ رسالہ الامداد میں رکھ رکھ کر بھجوا دیئے جائیں گے۔ حالانکہ میرا اس رسالہ سے کچھ بھی تعلق نہیں۔
پھر فرمایا کہ مجھ کو بہت لوگ اس رسالہ کا مالک اور اس میں پورا دخیل سمجھتے ہیں پھر فرمایا کہ جیسے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جناب رسول مقبول ﷺ کا فقر اختیاری تھا۔ اضطراری نہ تھا۔ یہ نہ تھا کہ حضور کے لئے اسباب ہی بند کر دیئے گئے ہوں۔ بلکہ حضور سے دریافت کیا گیا تھا۔ کہ اگر چاہیں تو احد پہاڑ سونا بنادیا جائے لیکن خود حضور ﷺ ہی نے اس کو پسند نہیں فرمایا۔ اسی طرح سے میرا عجز معاملات اور یکسوئی تعلقات سے اختیاری ہے۔ اضطراری نہیں یعنی اوروں نے منع یا مجبور نہیں کیا میں نے خود اپنے آپکو روک رکھا ہے۔ اس طرز میں مصلحت بہت ہے۔

ملفوظ (۲۳۲) جہل بھی کیا بری چیز ہے

ایک خط میں کسی نے حضرت کو یہ لکھا کہ آپ کو میرے دل کی غیب کی سب کچھ خبر ہے۔ اس کو پڑھ کر فرمایا کہ یہاں تو اس بات کا دعویٰ ہے کہ حضورؐ بھی عالم الغیب نہیں اور وہ مجھے عالم الغیب بنا رہا ہے اللہ بچائے جہل سے۔ پھر فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب کے پاس ایک خط آیا۔ جس میں حضرت کے لئے لکھا تھا۔ رب المشرقین ورب المغربین۔ کسی شخص سے وہ خط پڑھا نہیں گیا مارے ہنسی کے برا حال ہو ہو جاتا تھا۔ لیکن حضرت ایسے متین تھے کہ ذرا ہنسی نہیں آئی دو تین دفعہ یہ

تو فرمایا کہ تو یہ جہل بھی کیا بری چیز ہے۔ پھر ہمارے حضرت نے جو دیکھا تو اس خط میں جواب کے لئے ٹکٹ نہیں تھا۔ (یعنی اس خط میں جس کا ذکر شروع ملفوظ میں ہے)

فرمایا کہ یہ تو اس نے میرے ساتھ احسان کیا کہ ٹکٹ نہیں بھیجا نہیں تو جواب لازم ہو جاتا وہ خط تھا بھی بہت بڑا۔ فرمایا کہ ایسے شخص کو تو آجانا اچھا ہے بجائے خط لکھنے کے۔ پھر یکایک معلوم ہوا کہ ٹکٹ بھی جواب کے لئے موجود ہے فرمایا کہ میں تو سمجھا تھا۔ ٹکٹ نہیں ہے یہ تو علت لگ گئی جواب کی۔

ملفوظ (۲۳۳) پڑھتے ہوئے آدمی کے پاس نہ بیٹھنا چاہیے

ایک نووارد صاحب بعد مغرب جبکہ حضرت وظیفہ میں مشغول تھے پاس جاکر بیٹھ گئے حضرت نے فرمایا کہ ہمیشہ یاد رکھو پڑھتے ہوئے آدمی کے پاس کبھی نہیں بیٹھنا چاہیے۔ تمہارے آبیٹھنے سے میں پڑھتے پڑھتے بھول گیا۔ دوسرے کا دھیان بٹ جاتا ہے اس کا خیال رکھو۔

۸ رمضان المبارک ۱۳۳۴ھ

ملفوظ (۲۳۴) حسن و جمال میں فتنہ غالب ہے

فرمایا کہ آج کل لوگ منکوحہ عورتوں میں حسن جمال کو دیکھتے ہیں حالانکہ راحت اور فتنوں سے حفاظت آج کل اسی میں ہے کہ بیوی زیادہ حسین و جمیل نہ ہو حسن و جمال کی کمی قدرتی وقایہ ہے۔ عرض کرنے پر فرمایا کہ گو حسن و جمال خدا تعالیٰ کی نعمت ہے لیکن آج کل اس میں احتمال فتنہ غالب ہے۔

ملفوظ (۲۳۵) صفات اکثر فطری ہوتی ہیں۔ تقدیر صرف مبرم ہی ہوتی ہے۔ مسئلہ تقدیر پر بالکل عقل موافق ہے

اپنے ایک عزیز لڑکے کے اوصاف شجاعت سخاوت حمیت ہمدردی وغیرہ کا ذکر کر فرمایا کہ بچپن سے اس میں یہ صفات اعلیٰ درجہ کے ہیں۔ پھر استفسار پر فرمایا کہ صفات اکثر فطری ہوتے ہیں مکتسب بہت کم ہوتے ہیں۔ البتہ بہت مجاہدوں سے یا اسباب قویہ سے اوصاف بدل بھی جاتے ہیں اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ گمان یہ ہوتا ہے کہ اس میں یہ صفت نہیں ہے حالانکہ اس

کے اندر وہ صفت موجود ہوتی ہے اسکا ظہور کسی خاص سبب کے بعد ہو جاتا ہے پھر فرمایا کہ لیکن تقدیر نہیں بدلتی۔ عرض کیا گیا کہ بعض تقدیر معلق بھی تو ہوتی ہے۔ اور دعا سے بدل جاتی ہے فرمایا کہ معلق اور مبرم محض تقسیم ظاہری ہے۔ ورنہ دراصل تقدیر مبرم ہی ہوتی ہے کیونکہ تقدیر کہتے ہیں حق تعالیٰ کی تجویز کو۔ اگر کوئی تقدیر معلق ہو دعا پر اور اس دعا سے اس کا وقوع ہو گیا تو اس کے یہ معنی ہیں کہ تقدیر میں بھی تھا کہ دعا بھی ہوگی۔ اور اس سے بلا جاتی رہے گی۔ یا مثلا تقدیر میں یہ ہو کہ دوا کریگا تو اچھا ہو گا۔ لیکن یہ واقعہ کہ کریگا یا نہیں یہ تو مبرم ہی ہے لہذا تقدیر دراصل مبرم ہی ہوتی ہے تقدیر تو خدا کی تجویز کو کہتے ہیں وہ بدل ہی نہیں سکتی جو کچھ واقع ہو بعد وقوع معلوم ہوگا کہ خدا کی یہی تجویز تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ تقدیر کا مسئلہ بالکل عقل کے موافق ہے جن کو اسکی حقیقت معلوم ہے۔ انہیں اس میں کبھی کوئی احتمال عقل کے خلاف ہونے کا نہیں ہوتا۔

ملفوظ (۶۳۶) صلحاء کی طرف سے ہدیہ آنا مہدی الیہ کے مردود نہ ہونے کی علامت ہے۔ ہدایہ سرکاری کے پاس آتے ہیں۔

ایسے وقت میں کہ چند دستر خوان ہدیۃً آچکے تھے ایک صاحب نے پھر دستر خوان ہی کا ہدیہ پیش کیا۔ عذر کرنے کے بعد اصرار پر قبول فرمالیا۔ عرض کیا گیا کہ اس سے بہتر تو یہ تھا کہ اس کو بیچ کر اس کی قیمت ہدیہ میں دے دیتے۔ وہ صاحب دستر خوان کی تجارت بھی کرتے ہیں فرمایا کہ

ع ہرچہ از دوست میرسد نیکوست۔

خدا تعالیٰ بھجواتے ہیں۔ اس میں مصلحت ہے پھر فرمایا کہ صلحاء کی طرف سے ہدیہ آنا علامت ہے۔ مہدی الیہ شخص کے مردود نہ ہونے کی۔ بڑی بات تو یہ ہے۔ ایک بزرگ جو ذرا آزاد تھے انہوں نے مجھ سے یہ لفظ کہے تھے کہ ہدایا ہر شخص کے پاس نہیں آتے بلکہ سرکاری آدمی ہی کے پاس آتے ہیں۔ ہدیہ آنا اس کی علامت ہے کہ وہ شخص سرکاری آدمی ہے۔

ملفوظ (۶۳۷) غیر مسلم سے ہدیہ لینے میں شرم

ایک شیشہ کا ابریق یعنی تاملوٹ حضرت کے پاس ہے فرمایا کہ یہ ایک ہندو کے کارخانہ کا ہے۔ مجھے صنعتوں کے دیکھنے کا شوق ہے ایک مقام پر یہ سن کر کہ یہاں شیشہ کا کارخانہ ہے میں اسے

دیکھنے گیا تھا اس کے منیجر نے زبردستی یہ میرے ساتھ کر دیا۔ مجھے شرم بھی آئی کہ ہندو کو اس کی عوض میں کیا نفع پہنچا سکتا ہوں۔ عرض کیا گیا کہ حضور تو فرمایا کرتے ہیں کہ جو میرا مخالف ہو اور میرے مشرب سے اچھی طرح واقف ہو اور پھر بھی مجھے کچھ ہدیہ دے تو میں نہایت خوشی سے لے لیتا ہوں۔ فرمایا کہ یہ بھی تو میں نے خوشی ہی سے لے لیا تھا اور اس کا تو یہ مطلب ہے کہ ایسے ہدیہ میں عدم خلوص کا احتمال نہیں ہوتا۔ مگر مجھے یہ تو شرم آتی ہے کہ میں ہندو کو کیا نفع پہنچا سکتا ہوں خلاف مخالف مسلمان کے کہ اس کو کچھ تو نفع پہنچا سکتا ہوں۔

ملفوظ (۲۳۸) رقم کے گننے میں کیا نیت کرنی چاہیے

ایک صاحب نے حضرت کو کچھ روپیہ حوالہ کئے۔ فرمایا کہ چاہے کیسے ہی معتمد شخص سے روپیہ ملیں گننے کو ضرور جی چاہتا ہے روپیہ تو روپیہ پیسے بھی اگر کوئی دے تو انہیں بھی بغیر گنے رکھنے کو جی گوارا نہیں کرتا۔ پھر فرمایا کہ یہ خیال ہوتا ہے کہ شاید ان سے گننے میں غلطی ہو گئی ہو۔ پھر فرمایا کہ گننے میں یہ نیت کر لیا کرے کہ کہیں دوسرے کا میرے پاس زیادہ نہ آ گیا۔ عرض کیا گیا کہ نیت کیا اختیاری ہے۔ ہنس کر فرمایا کہ آپ نے بھی غضب کیا نیت اختیاری نہیں تو کیا غیر اختیاری ہے۔ عرض کیا گیا کہ جب گننے میں نیت تو یہ ہے کہ کہیں کم نہ ہوں پھر یہ نیت کیسے کر لے کہ کہیں زیادہ نہ آ گئے ہوں۔ فرمایا کہ نیت تو فعل اختیاری ہے اگر نماز کو جی نہ چاہتا ہو تو کیا نیت باندھ کر کھڑا نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح یہ نیت بھی کر سکتا ہے پھر فرمایا کہ یہ بات باریک ہے۔ اور قابل ضبط کرنے کے ہے۔

ملفوظ (۲۳۹) جائے بزرگاں بجائے بزرگاں۔ بے حد عقیدت ہونے کے باوجود جوش نہیں۔ تبرکات کی حقیقت :

استجازۃً عرض کیا گیا کہ حضرت حاجی صاحب کے حجرہ میں بغرض برکت حاصل کرنے کے کبھی کبھی ذکر کرنے بیٹھ جاتا ہوں فرمایا کہ کیا مضائقہ ہے۔ پھر یہ شعر فرمایا ؂

در منزلے کو جاناں روزے رسیدہ باشد ——— با خاک آستانش داریم مرحبائی

فرمایا کہ یہ شعر بزرگوں کی جگہ کے متعلق بہت اچھا ہے حضرت حاجی صاحب فرمایا

کرتے تھے "جائے بزرگاں بجائے بزرگاں"۔ احقر نے عرض کیا کہ حضور اس میں کبھی نہیں بیٹھتے فرمایا کہ مجھ پر توحید کا بہت غلبہ ہے اس لئے ایسے امور کی طرف مجھے التفات نہیں مجھے عقیدت تو بے حد ہے بزرگوں کے ساتھ لیکن جوش کے درجہ میں نہیں۔ عرض کیا گیا کہ حضور کو عقیدت عقلی ہے طبعی نہیں۔ فرمایا کہ جی نہیں عقیدت طبعی ہے کیونکہ مجھ میں مادہ الفت کا بہت ہے۔ عرض کیا گیا کہ عقیدت طبعی میں تو جوش لازمی ہے۔ فرمایا کہ تاثر تو ہے جوش نہیں ہے۔

اسی طرح بزرگوں کے تبرکات کے ساتھ شغف نہیں مثلاً کرتہ وغیرہ۔ یہ خیال ہوتا ہے کہ اس میں کیا رکھا ہے اصل چیز تو بزرگوں کا اتباع ہے۔ گو برکت کا میں نے خود مشاہدہ بھی کیا ہے لیکن اہتمام جس کو کہتے ہیں وہ قلب میں نہیں ویسے برکت کا معتقد ہوں لیکن قلب اس کو لیتا نہیں۔ سمجھتا ہوں کہ ہاں ایک برکت کی چیز ہے۔ پھر فرمایا کہ بس میرے قلب میں تبرکات کا وہی درجہ ہے عملاً بھی جو شریعت میں ان کا درجہ ہے۔

ملفوظ (۶۴۰) حالت ذکر میں ذاکر کے پاس نہ جانا چاہیے۔ فرحت رحمت کی ایک لونڈی ہے۔ ہر حالت کے مطابق جدا نسخہ ہے۔ تربیت کیلئے بڑے سلیقہ کی ضرورت ہے

ایک صاحب نے اپنے حالات لکھ کر پیش کئے تھے۔ حضرت نے جواب لکھ کر وہ پرچہ ان کے حجرہ میں ڈال دیا۔ جب انہوں نے آکر اس خط کو پڑھا تو گریہ طاری ہو گیا۔ احقر اور ایک اور صاحب ان کے حجرہ کے قریب تک پہنچ کر رک گئے۔ حضرت نے فرمایا کہ اس وقت یہاں سے ہٹ جانا چاہیے۔ ورنہ حالت میں فرق آجائے گا۔

اسی طرح ایک بار احقر کے ایک دوست کو حضرت نے ان کی شکایت پر کہ ذکر جاری ہے لیکن فرحت پیدا نہیں ہوتی یہ جواب تحریر فرمایا کہ رحمت تو ہے جو رہبری کر رہی ہے۔ فرحت تو خود اس کی ایک لونڈی ہے وہ بھی اپنی باری میں حاضر ہو جائے گی خط پہنچتے ہی ان پر بابرکت ارشاد حضرت اس قدر فرحت کا غلبہ ہوا کہ انہوں نے لکھا کہ لونڈی صاحبہ بھی تشریف لے آئیں۔ جس وقت سے خط پہنچا ہے۔ سرور کی یہ کیفیت ہے کہ ہر وقت بے اختیار مسکراہٹ لبوں پر رہتی ہے۔ احقر

کو لکھا کہ اس وقت خط لکھتا جاتا ہوں اور بے اختیار مسکراتا جاتا ہوں چونکہ احقر کو خیال تھا کہ یہ حالت یکساں نہیں رہتی۔ اس لئے بعد مبارکباد کے احتیاطاً یہ بھی لکھ دیا کہ یہ حالت مقصود نہیں تاکہ اس کے مفقود ہونے پر ان کی زیادہ پریشانی نہ ہو اور یہ شعر بھی لکھ دیا۔

باغ سبز عشق بے کہ منتہاست — جز غم و شادی درد بس میوہ ہاست

حضرت کو میرے اس جواب کی اطلاع ہوئی تو فرمایا کہ آپ کو یہ نہ لکھنا چاہیے تھا کیونکہ اس سے حالت میں ضعف پیدا ہو جاتا ہے بلکہ ایسی بات لکھنی چاہیے کہ جس سے اس حالت میں اور ترقی ہو۔ پھر فرمایا کہ ہر حالت کے مناسب جدا نسخہ ہوتا ہے یہ شعر ان کی حالت کے مناسب نہ تھا۔ جب یہ حالت فرو ہو جاتی۔ اس وقت کے مناسب یہ شعر تھا۔

پھر فرمایا کہ تربیت کیلئے بڑے سلیقہ کی ضرورت ہے بہت مشکل کام ہے۔ ہر شخص نہیں سمجھ سکتا۔ آپ احوال باطنی کے متعلق کسی کو کچھ نہ لکھا کیجئے۔ بس معمولی باتیں خیریت وغیرہ کی لکھا کریں۔

ملفوظ (۲۶۱) رسائل میں مضامین بھیجنے کا طریقہ۔ امراء غرباء علماء و مشائخ سب کی خدمت۔ عالم بے عمل جاہل ہے۔ مذہبی پرچے کی شان کیسی ہو :

فرمایا کہ تربیت السالک کے مضمون کی بابت جو القاسم میں نکلتا تھا ایک صاحب نے مجھے لکھا کہ آپ براہ مہربانی اس خشک مضمون سے معاف رکھیں کوئی ایسا مضمون لکھا کریں جیسا کہ مولوی حبیب الرحمن صاحب لکھ رہے ہیں کہ اسلام دنیا میں کیونکر پھیلا۔ کوئی تاریخی مضمون ہونا چاہیے۔ پھر فرمایا کہ جعل یعنی گو کے کیڑے کے نزدیک تو تمام حلوائیوں کی دوکانیں بالکل فضول ہیں۔ اس کے نزدیک تو سارے کھانوں کا مخزن پاخانہ ہے۔ تو کیا اس کی رائے کے موافق سب حلوائیوں کو اپنی دکانیں بند کر دینی چاہئیں۔

عرض کیا گیا کہ تعجب ہے ایسے نافع اور نفیس مضمون کو خشک قرار دیا۔ فرمایا کہ نافع اور نفیس تو انہیں کے لئے ہے جو کام کر رہے ہوں۔ اسی طرح انقلاب امت کے مضمون کی بابت فرمایا

کہ عام دل چسپی کا نہیں اور آجکل رسالوں میں عام دل چسپی ہی کی رعایت رکھی جاتی ہے۔ چنانچہ یہ دونوں مضامین اب روانہ نہیں کئے جاتے اور میں بلادرخواست مضمون نہیں دیتا۔ یہی بات میں نے "القاسم" والوں کو لکھ دی تھی کہ جب کسی مضمون کی ضرورت ہوا کرے لکھ بھیجا کریں۔ میں از خود نہ بھیجوں گا۔ یہ میں اس لئے کرتا ہوں کہ یہ نہ ہو کہ محض میری خاطر سے اپنی مصلحت کے خلاف کسی خاص مضمون کو کوئی چھاپتا رہے۔ میں اس پر اکتفا نہیں کرتا کہ کسی مسلسل مضمون کی درخواست ایک مرتبہ کر دے پھر یہاں سے میں بھیجتا رہا کروں نہیں بلکہ میں نے یہ کہہ رکھا ہے کہ مسلسل مضمون میں بھی ہربار جب ضرورت ہو نئی درخواست کر کے مضمون طلب کریں گے تب بھیجا کروں گا۔ اس میں انہیں ہربار موقعہ ملتا ہے کہ جب چاہیں بند کر دیں۔ چنانچہ تربیت السالک کو میں نے "القاسم" سے بند کر دیا اور انقلاب کے مضامین بھی بہت دن سے نہیں مانگے گئے۔ اور بڑی بات یہ ہے کہ مجھے واللہ فرصت اتنی کہاں کہ خود لکھ کر بھیجا کروں۔

اسی واسطے میں نے القاسم والرشید کے لئے ترجمہ عوارف کا شروع کیا ہے۔ یہ مجھے بہت آسان ہے اٹھا کر ترجمہ لکھ کر بھیج دیا۔ انقلاب میں بہت سوچنا پڑتا تھا کیونکہ یہ غلطیاں کہیں مدون تو ہیں نہیں خود ہی سوچ سوچ کر نکالتا تھا۔ اب مجھے راحت ہوگئی پھر اس مضمون سے لوگوں کی ناک بھوں چڑھتی تھی کیونکہ میں جب غلطیاں نکالنے پر آتا ہوں تو پھر کسی کو چھوڑتا نہیں۔ امراء غرباء علماء مشائخ کی سب کی ہی خدمت کرتا ہوں۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ بعضوں کو ناگوار ہوتا تھا۔ ارادہ تھا کہ انقلاب سب ابواب پر لکھوں لیکن صرف کتاب النکاح کے شروع تک پہنچا ہوں۔ ایک مولوی صاحب مدعی اجتہاد کی غلطی انقلاب میں ایک لطیف عنوان سے لکھی تھی۔ انہوں نے برا مان کر اعتراض لکھا حالاں کہ وہ خود مجھ کو اور مولانا گنگوہی کو تصریحاً ایک مسئلہ میں صاف طور پر برا بھلا خود لکھ چکے تھے ہم لوگوں پر طعن بھی کیا تھا۔ مسخرہ پن بھی کیا تھا۔ میں نے تو تہذیب کے ساتھ لکھا تھا۔ ارادہ تو ہوا کہ ان کے صریح طعن اور مسخرہ پن کو یاد دلا کر ان کے خط کا جواب دیتا کہ اسے یاد کرو۔ لیکن میں نے ایسے بے انصاف سے خطاب ہی مناسب نہیں سمجھا کیونکہ تو جناب عالم کو جاہل بے عمل کو جاہل ہی سمجھتا ہوں۔ جو عالم اپنے علم پر عمل نہ کریں اور محب دنیا ہو وہ جاہل ہے کوئی ہو۔ عالم جاہل میں یہی تو امتیاز ہے ورنہ شیطان بھی تو بڑا عالم ہے۔ اسے بھی کوئی مولانا کہنے لگے۔ پھر

انہیں مولوی صاحب کے متعلق فرمایا کہ پکے دنیادار ہیں۔ جناب یہ لوگ خیر مجھے لکھ لیتے کچھ حرج نہیں تھا۔ مگر مولانا کا نام لکھا مجھے بہت ہی ناگوار ہوا۔ ایک مذہبی پرچہ کا ذکر ہوا کہ جس میں اعتراضات بھی ہوتے ہیں خبریں بھی ہوتی ہیں۔ آراء بھی ہوتی ہیں۔ فرمایا یہ مذہبی پرچہ کی شان نہیں ہے۔

ماشاء اللہ الامداد میں سوائے احکام اور اصلاح کے کچھ نہیں ہوتا نہ رائے نہ اعتراض نہ کوئی خبر۔ میری رائے میں مذہبی پرچہ ایسا ہونا چاہیے ورنہ ایک صفحہ اخبار کا ہوتا۔ ایک صفحہ اعتراض کا۔ بہت لوگ کہتے ہیں کہ ہماری کتاب کی تقریظ الامداد میں چھپوادو۔ اس کا اصل جواب تو یہ تھا کہ الامداد کے اسی معمول کی ان کو اطلاع کر دیتا لیکن بجائے اس کے میں یہ کہہ دیتا ہوں کہ میرا دخل نہیں جو کہ امر واقعی ہے اور اگر میں یہ لکھوں کہ اس پرچہ میں تقریظ وغیرہ لکھنے کا قاعدہ نہیں تو معلوم ہو کہ اسے دخل ہے اس جواب کے بعد جب وہ خود پرچہ والوں سے پوچھیں گے۔ وہاں سے وہی جواب چلا جائے گا میں یہ لکھ کر خواہ مخواہ اپنا دخل کیوں ظاہر کروں۔

ملفوظ (۲۴۲) ادھوری بات کہنے کا مرض

ایک صاحب نے بعد تراویح جبکہ حضرت کچھ وظیفہ پڑھ رہے تھے آکر ایک صاحب کی بابت صرف اتنا کہا کہ وہ بیمار ہیں بس اتنا کہہ کر چپ ہو رہے دوسرے دن حضرت نے حاضرین سے فرمایا کہ مجھے ان کی اس ادھ کٹی بات سے سخت تکلیف پہنچی۔ دور قدیم ہوتا تو دیکھتے کہ میں ان کی کیسی خبر لیتا۔ لیکن وہ تو دور جدید تھا۔ میں خاموش ہو رہا۔ ایک صاحب سے فرمایا کہ آپ ان سے کہہ دیجئے گا کہ اس کو اس حرکت سے سخت تکلیف پہنچی۔ جن کی بیماری کی خبر ان صاحب نے دی تھی۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں نے اسے یہ کہا تھا کہ میری صحت کی دعا کے لئے حضور سے عرض کریں۔

حضرت نے فرمایا کہ انہوں نے دو خیانتیں کیں کلام میں بھی خیانت کی اور نسبت الی المتکلم میں بھی خیانت کی۔ بس اتنا ہی کہہ دیا کہ حافظ جی کی طبیعت خراب ہے اور کچھ بھی نہیں۔ انہوں نے پیغام کے طور پر نہیں کہا بلکہ اپنے طور کہا حالانکہ پیغام کے طور پر کہنا چاہیے تھا۔ کیونکہ ان دونوں کے اثر میں بہت فرق ہوتا ہے۔ خود دوسرے کے لئے دعا کی درخواست کرنے کا اتنا اثر نہیں ہوتا جتنا کہ اس کے کہنے میں کہ انہوں نے درخواست دعا کی ہے۔ پھر فرمایا کہ سب میں یہ

مرض ادھوری بات کہنے کا ہے الا ماشاء اللہ اور یہ بہت ہی تکلیف دہ حرکت ہے چونکہ اپنے ذہن میں سب باتیں موجود ہوتی ہیں اس لئے سمجھتے ہیں کہ دوسرے کے ذہن میں بھی ہوں گی۔ حالانکہ دوسرا بے چارہ بالکل خالی الذہن ہوتا ہے یا تو ایسے ہو جائیں کہ خود بخود دوسرے کے قلب میں سب مضامین کو القا کر دیا کریں ورنہ بغیر پوری بات کہے دوسرا کس طرح سمجھ سکتا ہے۔ عرض کیا گیا کہ حضور کی خاموشی سے انہوں نے یہ سمجھ لیا ہوگا کہ اس وقت مخاطب نہیں ہونا چاہیے کیونکہ موقعہ گفتگو کا نہیں ناراضی کا احتمال ہوا ہوگا۔ فرمایا کہ جس قدر بات انہوں نے کہی تھی اس پر سوائے خاموشی کے اور کیا ہو سکتا تھا بات تو پوری کہی نہ تھی۔ پھر میں جواب کیسے شروع کر دیتا۔ یہ کون سا طریقہ ہے۔ کہ اول ادھوری بات کہی جائے۔ جب دوسرا بقیہ بات کا مطالبہ کرے تب پوری بات کہی جائے۔ کیا میرے ذمہ یہ بھی ہے کہ ادھوری بات سن کر پوچھوں کہ ہاں پھر کیا مطلب ہے۔

جامع ملتمس ہے کہ یہ سخت عیوب احقر میں بھی ہے بارہا تنبیہ فرما چکے ہیں۔ لیکن یہ عیب نہیں جاتا۔ عزم تو کر لیتا ہوں لیکن وقت پر خیال نہیں رہتا۔ اس کی چند جزئیات بھی یاد ہیں جو اس مجموعہ پر غیر مذکور ہیں۔ لیکن چونکہ چند جزئیات کو قلم بند بھی کر چکا ہوں اس لئے اس جگہ اجمالی حوالہ پر اکتفا کرتا ہوں۔

ملفوظ (۴۴۳) روزہ اور تراویح کے سامنے ساری عبادتیں ماند ہو جاتی ہیں

فرمایا کہ مجھ سے رمضان شریف میں اور عبادتیں نہیں ہوتی۔ اوقات میں گڑبڑ ہو جاتی ہے۔ بس آجکل روزہ اور تراویح کے سامنے ساری عبادتیں ماند ہو جاتی ہیں۔ جیسے آفتاب کے سامنے سارے تارے ماند ہو جاتے ہیں اپنی کم ہمتی کی۔ میں نے یہ تاویل کر رکھی ہے کہ سب عبادتیں ماند ہو جاتی ہیں گویا رمضان شریف کا پورا نور مجھے حاصل ہوتا ہے۔ تراویح میں قاری صاحب کا کلام مجید سن کر پھر عزیز مستورات میں جا کر چار رکعت میں اپنا کلام مجید سناتے ہیں۔ اس میں لیٹتے لیٹتے بارہ بج جاتے ہیں۔ پھر ڈھائی بجے سحری کے لئے اٹھ بیٹھتے ہیں۔ پھر اکثر صبح تک نہیں سوتے۔ پھر نیند بھی حضرت کو بمشکل تمام بہت دیر کے بعد آتی ہے اور وہ بھی کبھی آتی ہے کبھی نہیں۔ کمی نیند کی ہمیشہ سے سخت شکایت ہے فرماتے تھے کہ کبھی پندرہ پندرہ دن تک غفلت کی نیند جس سے سیری ہو نہیں آتی۔

اس طرح آجکل برائے نام دو گھنٹے سونے کو ملتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ اس صورت میں تو خواہ مخواہ ہی سونے کا نام کرتا ہوں ورنہ ہمت کروں تو ساری رات بیدار ہوں دو گھنٹہ بیٹھ کر کچھ پڑھتا پڑھاتا ہوں لیکن شاید اسی لئے توفیق ہمت کی نہیں ہوتی کہ نفس کو یہ فخر کرنے کا موقعہ نہ ملے کہ ہم ساری رات جاگتے ہیں۔

ملفوظ (۶۴۴) اتباع سنت کے سواسب دھوکہ ہے

فرمایا اتباع سنت کے سواسب طریقے دھوکے کے ہیں اتباع سنت میں دھوکہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جب تک دل میں نہ ہو دو چار دن سے زیادہ یہ چل نہیں سکتا۔

ملفوظ (۶۴۵) مقبولان الٰہی کے ادب سے فضل ہو جاتا ہے

ایک والی ریاست کی داد و دہش اور سخاوت کا تذکرہ تھا۔ فرمایا کہ اکثر رئیسوں کو حق تعالیٰ حوصلہ عطا فرمادیتے ہیں۔ ؎

خدا جب حسن دیتا ہے نزاکت آہی جاتی ہے

احقر نے عرض کیا کہ اسی طرح بزرگان کاملین دولت باطنی دینے میں سخی ہوتے ہو نگے پھر احقر نے خود ہی عرض کیا مگر ان کو اس میں کیا اختیار ہے وہ تو حق تعالیٰ کے قبضہ میں ہے۔ فرمایا کہ ان کے اختیار کی ضرورت نہیں ان کے قلوب میں یہ برکت ہوتی ہے کہ جو ان کو راضی رکھتا ہے اور جس کی طرف ان کے قلوب متوجہ رہتے ہیں اللہ تعالیٰ اس پر فضل فرما ہی دیتا ہے تجربہ یہی ہے۔

ایک مرتبہ امام احمد بن حنبلؒ اور ایک شخص نہر میں وضو کر رہے تھے امام صاحب نیچے کی طرف تھے اور وہ شخص اوپر کی طرف۔ اس شخص نے خیال کیا اور امام صاحبؒ مقبول بندے ہیں۔ میرا مستعمل پانی ان کے پاس جاتا ہے یہ بے ادبی ہے اس لئے وہ اٹھ کر دوسری طرف ان کے نیچے جا بیٹھا۔ بعد انتقال کے اس کو کسی نے خواب میں دیکھا پوچھا کہ مغفرت ہوئی یا نہیں۔ کہا کہ میرے پاس کوئی عمل نہ تھا۔ اس پر مغفرت ہوئی کہ تو نے ہمارے ایک مقبول بندہ احمد بن حنبلؒ کا ادب کیا تھا ہمیں یہ پسند آیا۔ یہ بھی کوئی بات تھی۔ اسی واسطے حدیث میں ہے کہ اے عائشہؓ! کسی نیک عمل کو حقیر نہ سمجھنا ہر نیک عمل میں خاصیت مغفرت کی ہے اسی طرح ہر گناہ میں خاصیت عذاب کی ہے چاہے چھوٹا

ہو چاہے بڑا۔

میں تو کہا کرتا ہوں جو کوئی پوچھتا ہے کہ یہ چھوٹا گناہ ہے یا بڑا۔ کہ اگر چھوٹا ہو تو کیا کرنے کا ارادہ ہے۔

ملفوظ (۲۴۶) نواب رامپور پر حضرتؒ کا اثر۔ بزرگان اخلاق باطنی پر زیادہ توجہ دیتے ہیں:

حضرت کے خلیفہ ارشد جناب مولوی حکیم محمد مصطفیٰ صاحب عم فیوضہم فرماتے تھے کہ جب قادیانیوں سے بمقام رام پور مناظرہ ہوا تھا تو ہمارے حضرت بھی تشریف لے گئے تھے۔ ایک دن علماء اہل سنت والجماعت کو نواب صاحب نے بلوایا۔ حضرت مولانا احمد حسن صاحب امروہوی رحمتہ اللہ علیہ سب علماء کی طرف سے نواب صاحب سے گفتگو فرماتے تھے۔

اتفاق سے ہمارے حضرت کی نشست نواب صاحب کے پاس واقع ہوئی۔ بعد رخصت کے نواب صاحب اپنے ایک مصاحب سے جو حضرت کے ملنے والے تھے فرمانے لگے۔ کہ یہ شخص کون تھا۔ جو میرے پاس بیٹھا تھا۔ اس شخص کی جانب خواہ مخواہ قلب کھنچتا تھا۔ یہ کوئی صاحب اثر شخص معلوم ہوتا ہے۔ ان مصاحب نے بعد کو یہ گفتگو حضرت سے نقل کی۔ احقر نے اس واقعہ کا ذکر حضرت سے کیا تو حضرت نے من وعن تصدیق فرمائی۔ احقر نے عرض کیا کہ یہ تو صاحب اسلام تھے کیا اہل باطل پر بھی اثر ہوتا ہے۔ فرمایا کہ اگر اثر نہ ہوتا تو بڑے بڑے کفار حضور ﷺ پر کیسے ایمان لے آتے۔ پھر فرمایا کہ استعداد تو حق تعالیٰ نے ہر شخص میں رکھی ہے۔ کفار میں بھی استعداد ہوتی ہے۔ ایک بار تو فرمایا کہ ظاہری اعمال پر بزرگوں کی زیادہ نظر نہیں ہوتی۔ کیونکہ ان کی اصلاح تو ایک منٹ میں ہو سکتی ہے یہ تو محض ارادہ کا بدلنا ہے۔ بے نمازی ایک منٹ میں نمازی ہو سکتا ہے بے داڑھی والا ایک منٹ میں داڑھی رکھ سکتا ہے شرابی ایک منٹ میں شراب سے تائب ہو سکتا ہے۔ فاسق فاجر ایک منٹ میں متقی ہو سکتا ہے۔

لیکن بڑی چیز جس پر بزرگوں کی نظر ہوتی ہے۔ اخلاق باطنہ ہیں مثلاً تکبر وغیرہ۔ ان کی اصلاح نہایت دشوار ہوتی ہے۔ حضرت کے اثر کے متعلق عرض ہے۔ کہ حق تعالیٰ نے حضرت کو وہ مقبولیت اور محبوبیت تامہ عطا فرمائی ہے کہ خود احقر نے ہندوؤں شیعوں غیر مقلدوں ،

عیسائیوں کو حضرت کے اقوال واحوال سے متاثر مشاہدہ کیا ہے۔اس کے متعلق بہت سے واقعات یاد ہیں۔ لیکن وقت کی گنجائش نہیں۔سچ یہ ہے کہ بحمد اللہ حضرت کی مقبولیت عامہ اس قدر ظاہر کی ہے۔ کہ اب دلیل کی حاجت نہیں رہی۔

ملفوظ (۶۴۷) عورتوں کو تصانیف میں اپنا نام نہ لکھنا چاہیئے۔ عورتوں کو تصنیف کا شوق :

فرمایا کہ میری رائے ہے کہ عورتوں کو اپنی تصانیف میں اپنا نام نہیں لکھنا چاہیے بلکہ صرف یہ کافی ہے کہ خدا کی ایک بندی۔ ایک میری عزیزہ نے ایک کتاب بغرض تقریظ میرے پاس بھیجی۔ میں نے ان کو لکھا کہ نام اپنا ہرگز نہ لکھا جائے۔ اور ان کو پابند کرنے کے لئے میں نے تقریظ میں یہ لکھا کہ یہ کتاب بہت اچھی ہے۔ اور سب سے بڑی خوبی جو میں نے اس کتاب میں دیکھی وہ یہ کہ مصنفہ نے اپنا نام ظاہر نہیں کیا۔ یہ میں نے اس لئے لکھ دیا کہ اگر تقریظ کو لکھیں گی تو پھر ضروری ہو جائے گا کہ اپنا نام ظاہر نہ کریں۔

فرمایا کہ عورتوں میں یہاں تک آزادی ہو گئی ہے کہ ایک عورت نے اپنی تصنیف مجھ کو بواسطہ اپنے شوہر کے بھیجی اس میں اس نے لکھا تھا کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ ہاتھ پاؤں سے کام لیں نہ نہیں چاہیے کہ ہر کام میں بس دعا کے سہارے بیٹھے رہیں۔ اللہ تعالیٰ یوں کہتا ہے کہ مجھے تم لوگ کیوں تنگ کرتے ہو تم خود بھی تو کچھ کرو۔ میں کہاں تک تمہارے کام کروں مجھے اور بھی تو کام کرنے ہیں۔ دعائیں مانگ مانگ کر کیوں میرے پیچھے پڑتے ہو میرا پیچھا بھی چھوڑ دو۔ میں اپنے بھی تو کچھ کام کروں (ان جملوں میں سے جو جملے مناسب رکھے جائیں) کیا ٹھکانہ ہے جہالت کا۔ آج کل عورتوں کو بھی مصنف بننے کا بڑا شوق ہو گیا ہے۔

ملفوظ (۶۴۸) دین کی بے وقعتی اور بے طلبی۔ اخلاق محمدی ﷺ کی حقیقت۔ نرمی سختی کے مواقع۔ وضع نوابوں کی سی اور حرکتیں ناشائستہ۔ نفس کی اصلاح ذلت کے بغیر نہیں ہوتی۔ ایسے پیر کی تلاش

جو تعظیم و تکریم کرے۔ حضرت مولانا فضل الرحمان صاحب کے دربار میں ایک وزیر اعظم کی حاضری اور اس کا ادب۔ لیفٹیننٹ گورنر کی حاضری اور اس کو تبرک ملنا۔ بڑے لوگ بزرگوں کی ڈانٹ تحمل کر لیتے ہیں۔ اور چھوٹے نہیں کرتے۔ نرے ہاتھ میں ہاتھ دینے سے کچھ نفع نہیں ہوتا۔ اللہ کے لئے اتنی تو ذلت اٹھائی جائے جتنی کہ دنیا کیلئے اٹھائی جاتی ہے:

ایک صاحب نے بہت سے سوالات ایک خط میں لکھ کر بھیجے۔ یہاں سے یہ جواب گیا کہ ایک خط میں دو تین سوالوں سے زیادہ نہیں ہونے چاہیں کیونکہ اتنی فرصت نہیں اس پر ان صاحب کا بہت خفگی کا اور طعن کا خط آیا کہ کیا یہی اخلاق محمدی ﷺ ہیں۔

فرمایا کہ عدالت میں اگر دو آسامیوں کی درخواست ایک کاغذ میں لکھ کر پیش کی جائے اور وہاں سے حکم ہو کہ نہیں علیحدہ علیحدہ درخواست دو اور علیحدہ علیحدہ ٹکٹ لگاؤ۔ تو وہاں کوئی کچھ نہیں کہتا۔ فوراً دو درخواستیں لکھوا کر اور دو ٹکٹ لگا کر لے آتے ہیں۔ اور یہاں تو اعتراض کرنے کے لئے تیار ہیں۔ بات یہ ہے کہ دین کی وقعت قلب میں نہیں اور طلب نہیں۔ وہاں وقعت بھی ہے اور طلب بھی ہے۔ حالانکہ وہاں تو دو درخواستیں لکھوائی جاتی ہیں خود عدالت کی ایک منفعت بھی ہے تاکہ دو ٹکٹوں کے دام وصول ہوں۔ اور یہاں تو محض مصلحت دینیہ سے ایسا کیا جاتا ہے کوئی مالی غرض نہیں۔ دو تین سوالات ایک خط میں ہوں تو طبیعت پر بار نہیں ہوتا ورنہ پچاس پچاس سوالات کے دو خط بھی ہوئے تو انہیں کا ختم کرنا مشکل ہے۔ بقیہ ڈاک یوں ہی بلا جواب پڑی رہے۔ اور نہ معلوم کب تک جوابوں کی نوبت نہ آیا کرے۔ بعضوں نے یہ بھی رائے دی کہ جس خط میں بہت سے سوالات ہوں اس کو رکھ لیا جایا کرے اور دو دو تین تین سوالات کے جوابات روز لکھ کر جب سب سوالات ختم ہو جایا کریں تب بھیج دیا جایا کرے اس میں ظاہر ہے کہ کس قدر طوالت اور پریشانی ہے۔ دوسرے کو بھی انتظار جواب کی سخت تکلیف ہو کیونکہ نہ معلوم سب کے جوابات کب تک ختم ہوں۔

اور خطوط محفوظ رکھنا اور روزروز جواب لکھنا اور روزمرہ کا کام ختم کر کے پھر اس کو یاد کر کے لے کر بیٹھنا اور اتنے دنوں تک طبیعت پر بوجھ علیحدہ اس میں مجھے کس قدر پریشانی اور انتظام کی دقت ہے۔ روز کی نئی ڈاک ہو تو اس کا روز کے روز ختم کرنا سہل ہے اور طبع بھی گراں نہیں ہوتی۔ چاہے وہ سائل روزانہ ایک خط بھیج دیا کرے لیکن ہر ایک میں ہوں۔ وہی سوال تو اس طرح چاہے ساری عمر پوچھے جاؤ لیکن وہاں تو کنجوسی ہے کہ دو پیسہ میں کام چلانا چاہتے ہیں۔

عمر بھر کا ایک صاحب اور ہیں انہوں نے بھی میرے ایسے ہی معمولات کے مقابلہ میں لکھا ہے کہ بدعتیوں میں اخلاق محمدی ﷺ زیادہ ہوتے ہیں۔ لیجئے بھلا بدعتیوں میں اخلاق محمدی ﷺ کہاں سے آئے انہیں تو حضور ﷺ کے اخلاق کی ہوا بھی نہیں لگی۔ ان کے جو اخلاق ہیں وہ غرض کے لئے ہیں تاکہ ہم برے نہ بنیں چاہے دوسروں کے اخلاق کا ناس ہی ہو جائے۔ انہیں لوگوں میں اپنے اچھا بننے سے مطلب معلوم نہیں۔ لوگوں نے اخلاق محمدی ﷺ کو کیا سمجھ رکھا ہے ان کے سارے نخرے اٹھاؤ۔ اور خوشامدیں کرو۔ تب سمجھیں کہ اخلاق محمدی ﷺ ہیں۔ حالانکہ حضور ﷺ نے کبھی ایسے اخلاق نہیں برتے۔ حضور ﷺ نرمی کی جگہ نرمی فرماتے تھے اور سختی کی جگہ سختی۔ لوگ بے علمی کی وجہ سے سمجھتے ہیں کہ حضور ﷺ کسی سے کچھ نہ کہتے تھے محض غلط ہے اور اگر اتفاق سے موقع پر خود کچھ نہ کہتے تھے تو حق تعالیٰ کا امر ہوتا تھا کہ آپ کہئے آخر واغلظ علیہم کے کیا معنی۔

نیز حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے یہ پوچھنے پر کہ تم کون ہو جواب دیا کہ انا (میں ہوں) حضور نے تیزی سے فرمایا کہ انا انا کہہ رہے ہیں یعنی اس سے کیسے معلوم ہو سکتا ہے کہ تم کون ہو۔ دیکھئے ذرا سی بات تھی نرمی سے بھی سمجھا سکتے تھے کہ دیکھو بھائی یوں نہیں کہا کرتے مگر ایسا نہیں کیا جیسا انا انا کا تکرار اس پر دال ہے۔

اب ان عقلمندوں سے کوئی پوچھے کہ اس طرح تیزی سے پوچھنا اگر اخلاق محمدی ﷺ کے خلاف ہے سو یہ خود محمد ﷺ نے پوچھا ہے اب اگر ہم ایسا کریں تو کہتے ہیں کہ اخلاق محمدی ﷺ کے خلاف ہے۔ ایک شخص نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ ایک آوارہ بکری ہے حضور ﷺ نے فرمایا **ھی لك او لا خیك اوللذئب** یا تمہارے قبضہ میں آئے گی یا تمہارے کسی بھائی کے قبضہ میں

آئے گی یا بھیڑ یئے کے قبضہ میں آئے گی۔

مطلب حضور ﷺ کا یہ ہے کہ یہ لقطہ ہے اس کو تم لے لو۔ یہ سن کر ایک شخص نے کہا کہ اگر اونٹ اسی طرح گم ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہے اس سوال پر آپ ﷺ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا۔ حالاں کہ مسئلہ پوچھا تھا اگر کوئی کہے کہ اس میں غصہ کی کیا بات تھی تو اس کا جواب یہ ہے کہ لغو سوال تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مالك ولها ومعها خداء ها وسقاء ها تروا الماء حتى يا تيها صاحبها۔ یعنی اونٹ اور بکری یکساں کیسے ہو سکتی ہیں اس کے پاس ٹانگیں ہیں۔ پیٹ میں اس کے پانی پینے کیلئے مشک ہے یہ کیا لغو سوال ہے وہ لقطہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ایک مرتبہ آپ باہر تشریف لائے تو صحابہؓ تقدیر کے مسئلہ پر گفتگو فرما رہے تھے۔ کوئی شبہ وبہ بھی نہیں تھا محض تحقیق فرما رہے تھے لیکن راوی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ غصہ کی وجہ سے سرخ ہو گئے جیسے آپ ﷺ کا چہرہ یمنی انار کے دانے توڑ دیئے گئے ہوں اور صحابہؓ سے فرمایا کہ تقدیر کے مسئلہ میں کیوں گفتگو کر رہے ہو۔ یاد رکھو قیامت میں اس کی باز پرس ہو گی۔ لیجئے ظاہر میں یہ بھی کوئی ایسا فعل تھا جس کو اس قدر سختی کے ساتھ فرمایا۔ یوں ہی سمجھا سکتے تھے کہ نہیں بھائی نہیں ہٹاؤ یوں کرنا چاہیے یوں نہ کرنا چاہیے۔ مگر کیوں کریں ایسا نرمی اور سختی دونوں کے موقعے ہیں۔ میں دو واقعے عرض کرتا ہوں جن سے حضور ﷺ کی نرمی اور سختی کا خوب اندازہ ہو جائے گا۔ ایک شخص نے مسجد میں کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔ بے چارہ دیہاتی بدو تھا۔ اول تو آتے ہی اس نے اپنا گنوار پن اس طرح ظاہر کیا کہ ایک دعا کی عجیب سادہ لکھیں "اللهم ارحمني ومحمداً ولا تشرك في رحمتنا احداً" ۔ "یا اللہ ہم پر رحمت اور محمد ﷺ پر رحمت کر اور اس رحمت میں کسی کو شریک نہ کیجیو"! یوں سمجھا کہ رحمت محدود ہو گی۔ اگر سب شریک ہوئے تو کتنی کتنی ملے گی آدھا آدھا لڈو حصہ میں آئے گا۔ غنیمت ہے حضور ﷺ کو تو شامل کر لیا یہ سوچا ہو گا کہ اکیلے جی نہ لگے گا لاؤ انہیں ہی شریک کر لوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ شخص زیادہ بے وقوف ہے یا اس کا اونٹ زیادہ بے وقوف ہے یعنی یہ شخص اونٹ سے بھی زیادہ بے وقوف ہے پھر اس نے کیا حرکت کی کہ تہبند کھول کر مسجد ہی میں کھڑے ہو کر جھر جھر موتنے لگا۔ صحابہؓ نے کہا مہ مہ ہیں ہیں یہ کیا کر رہے ہو حضور ﷺ نے فوراً صحابہؓ کو روکا اور فرمایا کہ اس کے پیشاب کو بیچ میں قطع مت کرو۔ کر لینے دو۔ جب وہ اطمینان سے فراغت

کر چکا تو بعد کو بلا کر نہایت نرمی سے فرمایا کہ دیکھو بھائی یہ مسجد ہے۔ ذکر اللہ کے لئے ہے۔ ایسی جگہ پیشاب پاخانہ نہیں کیا کرتے پھر صحابہؓ سے فرمایا کہ ایک ڈول بہادو بس پاک ہو گیا۔

یہ نرمی کا قصہ تو ہو چکا۔ اب سختی کا سنئے۔ ایک بار حضور ﷺ نے مسجد کی دیوار میں دیکھا کہ کسی کا کھنکھار لگا ہوا ہے غصہ سے حضور ﷺ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا۔ اور فرمایا کہ لوگوں کو شرم نہیں آتی قبلہ کے سامنے تھوکتے ہیں۔ مسجد کی دیوار پر تھوکتے ہیں ذرا ادب نہیں۔ غرض بہت ہی ناخوش اور ناراض ہوئے ایک شخص دوڑا گیا اور کوئی زعفران کا مرکب اٹھا لایا۔ اور اس مقام پر جہاں کھنکھار تھی صاف کر کے مل دی۔ اس پر حضور ﷺ بہت خوش ہوئے اور فرمایا احسن ہذا۔ سبحان اللہ! یہ کیسا اچھا کام ہے۔

دیکھئے مسجد میں پیشاب کرنے پر خود تو ناراض ہونا درکنار دوسروں کو اس شخص کے اوپر سختی کرنے سے منع فرمائیں۔ اور تھوک پر اس قدر ناراضی کہ حضور ﷺ کا چہرہ مبارک سرخ ہو جائے۔ معلوم ہوا کہ نرمی اور سختی کے موقع ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ موقعہ ہے کہ اگر ہگ بھی دے تو کچھ نہیں اور ایک وہ ہے کہ تھوک بھی دے تو آفت آجائے۔ فرق کیا ہے فہم غیر فہم کا۔ تھوکنے پر اس قدر سختی فرمائی گئی کہ جنہوں نے تھوکا تھا وہ فہیم تھے۔ سمجھ کر چاہیے تھا کام کرنا فہیم ہو کر کیوں ایسی بد فہمی کا کام کیا۔ اور وہ پیشاب کرنے والا نا سمجھ دیہاتی تھا۔ ایسا شخص معذور ہے۔ میں تو کہا کرتا ہوں کہ اگر تم ایسے ہی کم سمجھ بننا چاہتے ہو جیسی کہ کم سمجھی کی باتیں کرتے ہو تو گنواروں کے سے کپڑے پہن کر آؤ۔

وضع تو نوابوں کی سی اور حرکتیں کرو ناشائستہ۔ ہاں حرکات اگر ناشائستہ ہیں تو وضع بھی سادی رکھو۔ دھوتی باندھ کر آیا کرو۔ گاڑھے کے کپڑے ہوں تاکہ معلوم ہو کہ بھائی گنوار آدمی ہے پھر وہ موت بھی دے تو کچھ نہیں۔ ایک شخص فہیم ہاتھنا اٹھنے میں تہذیب، بیٹھنے میں تہذیب، بات کرنے میں تہذیب لیکن معاملات میں بے تہذیب ایں چہ معنی۔ لوگ مجھے بد اخلاق کہتے ہیں۔ اپنی حرکتوں کو نہیں دیکھتے۔ اگر یہی بد اخلاق ہے تو یہ حدیث سے ثابت ہے لیکن ہم تو ان شاء اللہ اب یہ بھی کر کے دکھلا دیں گے کہ اخلاق کس کو کہتے ہیں۔ ارادہ کر لیا ہے بلکہ شروع بھی کر دیا ہے کہ نصیحت کے طور پر نرمی سے بس ایک دو دفعہ کہہ دیا مگر دیکھ لینا اس طرز سے وہ کورا ہی رہے گا۔ جن

کے نفع کے لئے سختی کی جاتی ہے۔ جب انہیں کو ناگوار ہوتا ہے تو مجھے کیا غرض پڑی ہے۔ بلکہ مجھے تو خود اس طرز میں سخت پریشانی ہوتی ہے۔ اب ہم نے طے کر لیا ہے۔ کہ ان شاء اللہ اپنے طرز کو بدل دیں گے۔ بلکہ شروع بھی کر دیا ہے لیکن اس میں اصلاح نہ ہوگی۔ پھر ہماری جوتی سے۔ یہ جو ایسے ایسے سخت خطوط کے ایسے نرم جوابات دیئے ہیں۔ وہ اسی وجہ سے ورنہ اگر دور قدیم ہوتا تو ایسی خبر لیتا کہ یاد رکھتے لیکن ان جوابات سے ان کی اصلاح نہ ہوگی۔ البتہ ہماری مصلحت ہے کہ نیک نام رہیں گے۔ مگر انہیں کیا ملے گا ڈھاک کے تین پتے۔ اب ان جوابات سے یہ ہوگا کہ وہ سمجھیں گے کہ ہم غالب آگئے جب لوگوں کو یہی پسند ہے تو یوں ہی سہی۔ جاؤ میں سچ عرض کرتا ہوں کہ کتابوں سے بھی ثابت ہے اور تجربہ سے بھی ثابت ہے کہ نفس کو جب تک ذلت نہ دی جائے یہ سیدھا نہیں ہوتا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ اپنے ہاتھ سے ذلت نہیں ہوتی۔ بازار میں کھڑے ہو کر خود اپنے ہاتھ سے اپنے سر پر جوتیاں بھی مار لیں تب بھی ذلت نہیں ہوتی۔ ذلت تو جناب دوسرے ہی کے ہاتھ سے ہوتی ہے خلاصہ یہ کہ نفس بغیر ذلت کے سیدھا ہوتا نہیں اور وہ بدوں دوسرے کے ہاتھ کے ہوتی نہیں۔ پھر بتلایئے کیا نتیجہ نکلا۔

ایک اودھ کے رئیس مجھے کہتے تھے کہ مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب کے یہاں مریدوں کی بڑی ذلت ہوتی ہے کوئی ایسا پیر بتلایئے جس کے یہاں خادموں کی قدر ہوتی ہو سبحان اللہ! پیر بھی ایسا ہی چاہتے ہیں جو الٹی ان کی تعظیم و تکریم کرے۔ تو وہ پیر کیا ہوا وہ ان کا مرید ہوا۔ پھر فرمایا کہ حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب کی خدمت میں ایک بڑی ریاست کے وزیر اعظم حاضر ہوئے۔ مولانا نے حسب معمول فرمایا کہ ارے نکال دو نکال دو۔ مگر صاحب کس قدر مہذب ہوتے ہیں۔ بعضے امراء وزیر کو ذرا ناگوار نہیں ہوا ہمارا ایسا نفس کہ چار روپیہ کا چپڑاسی بھی ہو تو اس بھی ذرا سی بات ناگوار ہو۔ صاحب زادہ صاحب نے عرض کیا کہ حضور یہ وزیر ہیں۔ بہت بڑے آدمی ہیں۔ فرمایا ارے میاں کیا کروں میں کوئی نوکر ہوں وزیر کا۔ ارے نکالو۔ میں کوئی تنخواہ پاتا ہوں وزیر سے۔ جب صاحبزادہ نے بہت خوشامد کی کہ بڑی دور سے آئے ہیں تو بمشکل دو بجے رات تک قیام کرنے کی اجازت دی۔ وزیر کو ذرا ناگواری نہیں ہوئی۔ بلکہ بہت غنیمت سمجھا اب ادب دیکھئے! جس وقت رات کے دو بجے ہیں فوراً خانقاہ کے احاطے سے باہر ہو گیا کہ بس اب حضرت کا حکم نہیں ہے۔

حضرت کے حکم کے خلاف کرنا بے ادبی ہے۔ اتنا بڑا شخص کہ ایک بڑی ریاست کا وزیر کہ وہ ریاست فرانس کی سلطنت سے بھی زیادہ بڑی ہے ایک شخص کہتے تھے گویا وہاں کے وزیر بطور خود ایک بادشاہ کی حیثیت رکھتا ہے لیکن مولانا کا اس کے ساتھ یہ برتاؤ اور اس کو ذرا ناگوار نہ ہوا۔ مولانا کے یہاں لیفٹیننٹ گورنر جب ملنے آئے تھے تو پہلے سے کہلا بھیجا تھا۔ مولانا نے مونڈھے ڈلوادیے ان پر لاٹ صاحب معہ اپنی میم صاحب کے بیٹھ گئے انہوں نے کہا کہ حضور کچھ تبرک عنایت ہو۔ مولانا نے فرمایا کہ میرے پاس اس وقت کیا رکھا ہے۔ پھر خادم سے فرمایا کہ ارے دیکھو تو میری ہنڈیا میں کچھ مٹھائی کا چورا پڑا ہو تو لاکر دیدے اس نے چورا لاکر پیش کر دیا۔ بھلا کیا ٹھکانا ہے چورا مٹھائی کا دیدیا جیسے مانگتے ہوئے بچوں کو دیا کرتے ہیں مگر صاحب وہ بھی اس قدر مہذب کہ بڑے ادب سے انہوں نے وہ تبرک لیا اور بہت خوش ہوئے اور باہر آکر تعریف کی۔

اکثر دیکھا ہے کہ بڑے لوگ ایسی باتوں کا تحمل کر لیا کرتے ہیں۔ چھوٹے سمجھتے ہیں کہ ہماری ذلت ہوگی۔ بڑے یہ سمجھتے ہیں کہ ہماری اتنی بڑی عزت ہے کہ اس سے ہماری ذلت ہوتی نہیں پھر ایک صاحب نے ایک دوسرے صاحب کو تذکرہ کیا جو اپنے سلسلہ کے ایک بزرگ سے بیعت ہیں اور جو ہمارے حضرت کے یہاں سے ناراض ہو کر چلے گئے تھے اور ایک بے تہذیبی کا خط لکھا تھا جس میں یہ بھی تھا کہ میں ہمیشہ بزرگوں کا ناز پروردہ رہا ہوں۔ اس خط کے بعد دوسرے خط میں انہوں نے معافی چاہی۔ لیکن حضرت نے جوابی لفافہ کو خالی ڈاک میں چھوڑ دیا۔ فرمایا کہ اس کا تدارک یہ تھا کہ خود آتے یہ نہیں کہ خط لکھ بھیجا۔ اگر وہ خود آتے تو خیر اور باتیں تو مجھے ناگوار نہیں ہوئیں۔ لیکن انہوں نے بعضے بے حیائی کی باتیں اور فحش مضامین لکھے تھے ان کی بابت ان سے پوچھتا۔ عرض کیا گیا کہ تعجب ہے فلاں بزرگ سے بیعت ہو کر یہ حال۔ فرمایا کہ نرے ہاتھ میں ہاتھ دینے سے کیا ہوتا ہے صحبت بھی تو ہونا چاہیے انہیں کسی بزرگ کی صحبت نہیں۔

تذکرہ کرنے والے صاحب سے معلوم ہوا کہ وہ صاحب حضرت سے معتقد ہیں۔ عرض کیا گیا کہ جو شخص کسی کو بڑا سمجھتا ہو وہ ایسی بے حیائی کی باتیں اس کو کہیں لکھ سکتا ہے۔ فرمایا کہ وہ بڑا تو سمجھتے ہیں لیکن اپنے آپ کو اور بھی زیادہ بڑا سمجھتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ جو خدمت کے لئے آئے حاضر ہیں لیکن ہم اپنی مرضی کے موافق خدمت کریں گے اس کے تابع نہیں ہو سکتے کیا جراح نشتر دیتے وقت

مریض سے پوچھ کر نشتر دیگا کہ کتنا دوں۔ اب لوگ یہی چاہتے ہیں کہ تعلیم تو دیں لیکن ہم سے پوچھ پوچھ کر۔ گویا پہلے خود اس سے تعلیم حاصل کریں پھر تعلیم کریں جو طبیب حال سن کر اور مرض کی تشخیص کر کے خود مریض سے پوچھے کہ کہو کون سا نسخہ لکھوں تو وہ طبیب کیا ہوا ڈاکو ہے۔ چوٹا ہے کہ اس سے پوچھ پوچھ کر نسخہ لکھتا ہے معلوم ہوتا ہے اسے نسخہ معلوم ہی نہیں وہ علاج کرنا جانتا ہی نہیں۔ یہ سب عدم طلب کی وجہ سے ہے ورنہ جناب! اگر یہ گمان ہو جائے کہ یہ کیمیا گر ہے تو جھوٹے سچے گمان پر ان کی خدمت میں پڑے رہنا چلم بھرنا خدمتیں کرنا سب کچھ گوارا ہوتا ہے۔ بڑے بڑے امراء کس طرح اس کے پیچھے پھرتے ہیں اور وہ ایسی بے تمیزی سی باتیں کرتا ہے کہ ابے یہ کام کر وہ کام کر، ماں کی گالی، بہن کی گالی۔ مگر اس کو سب سہتے ہیں محض اس امید پر کہ شاید کیمیا سکھلا دے۔

اچھا اور لیجئے مجذوبوں کے پیچھے کیسے پھرتے ہیں اور وہ بھی اللہ کے واسطے نہیں۔ محض دنیا کے لئے وہ کیسی سڑی سڑی گالیاں دیتے ہیں لیکن سب سر جھکاتے ہیں۔

بڑے بڑے آدمی سر جھکاتے ہیں۔ حالانکہ وہ اکثر مجذوب بھی نہیں ہوتے جلال آباد میں ایک لوہار شاہ ماں بہن کی گالیاں کم بخت دیتا ہے۔ ایسوں سے یہ کسی کو بھی امید نہیں کہ ایسے لوگ خدا کا راستہ بتادیں گے۔ مگر پھر بھی دنیا کی غرض سے سب ذلتیں سہتے ہیں اور خوشامدیں کرتے ہیں۔ اگر اللہ کی قدر دل میں ہو تو اس کے لئے اتنا تو جھیلے جتنا دنیا کے لئے جھیلتا ہے۔ پھر فرمایا کہ مجذوبوں سے کچھ نفع بھی نہیں ہوتا۔ نہ دین کا نہ دنیا کا۔ پھر فرمایا کہ یہ عجیب بات ہے کہ لوگ خود تو دعا نہ کریں گے۔ بزرگوں سے دعا کرائیں گے۔ ان سے بھی کراؤ۔ خود بھی تو کرنا چاہیے۔

ملفوظ (۶۴۹) کوئی نہ کوئی رازدار ہونا چاہیے

ایک صاحب کا راز جو متعلق عشق مجازی کے تھا اور انہوں نے حضرت کو لکھ کر بھیجا تھا۔ ایک شخص کو اتفاق سے تربیت السالک کی نقل سے معلوم ہو گیا۔ ان صاحب راز کو یہ معلوم کر کے ناگوار ہوا۔ حضرت نے فرمایا کہ آدمی کو ضرور اپنا کوئی رازدار رکھنا چاہیے۔ جس سے ایسے امور کہہ سن سکے اس سے غم میں بہت تخفیف ہو جاتی ہے ورنہ دل ہی دل میں رکھنے سے پریشانی بڑھتی ہے۔ دوسرے سے کہہ کر طبیعت ہلکی ہو جاتی ہے اور ظاہر کر دینے سے اس کی وقعت بھی کم ہو جاتی

ہے۔ پھر فرمایا کہ اس قدر ناگوار ہونا میرے نزدیک بوجہ کبر کے ہے عرض کیا گیا کہ وہ متین بہت ہیں اس وجہ سے اس راز کا ظاہر ہو جانا زیادہ ناگوار ہوگا۔ فرمایا کہ زیادہ متانت ہی کا نام تو کبر ہے۔ متانت کی بھی ایک حد ہے کچھ نہ کچھ شوخی بھی ہونی چاہیے۔ شوخی علامت ہے تواضع کی۔ شوخ آدمی متواضع ہوتا ہے۔ کئی دن بعد ایک اور موقعہ پر فرمایا کہ شوخ آدمی میں مکروفریب نہیں ہوتا۔ بہت متانت میں بعض دفعہ یہ بات ہوتی ہے۔

ملفوظ (۶۵۰) طبیعت ہر چیز میں موزونیت پسند ہے

حضرت کی فطرت میں حق تعالیٰ نے انتظام اور موزونیت اس درجہ ودیعت رکھی ہے کہ ادنیٰ ادنیٰ سی بے جوڑ بات فوراً طبیعت میں کھٹک جاتی ہے۔ ایک صاحب نے مسجد کے لئے ایک بڑی نئی جانماز کی صف مع مصلے چھپی ہوئی دی ہے۔ عصر کی نماز میں امام کی جگہ تو اس نئی جانماز کی مصلے موذن نے بچھا دیا اور مقتدیوں کے لئے وہ بڑی جانماز صف کی نہیں بچھائی صرف مسجد کا پہلا ٹاٹ کا فرش بچھا دیا۔ حضرت نے مصلے پر پہنچ کر فوراً فرمایا کہ اگر آگے مصلے بچھایا تھا تو پیچھے صف کو بھی بچھانا چاہیے تھا۔ اب تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دولہا تو آ گیا اور برات پیچھے رہ گئی۔ دولہا تو برات ہی کے ساتھ اچھا ہے جوڑ بات اچھی نہیں معلوم ہوتی دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک صاحب نے اور بھی ایک دوسری قسم کی چھپی ہوئی صف کی جانماز مع مصلے پیش کی ہے موذن نے مسجد کے اندر کے حصے میں صف اول میں پہلی قسم کی جانماز جس کا ذکر اوپر کے واقعہ میں ہے اور دوسری صف میں دوسری قسم کی چھپی ہوئی جس کا ذکر اس دوسرے واقعہ میں ہے بچھا کر امام کی جگہ اسی دوسری قسم کی جانماز کا مصلے بچھا دیا حضرت نے اس مصلے کو اٹھوا کر فوراً پہلی قسم کی صف کے ساتھ کا مصلے بچھوایا اور فرمایا کہ جس قسم کی پہلی صف میں جانماز بچھی ہے اس کے متصل اسی قسم کا مصلے ہونا چاہیے۔ ورنہ بے جوڑ معلوم ہوتا ہے چونکہ دوسری قسم کی جانماز کی صف جو دوسری صف میں بچھی تھی قدرے چھوٹی ہے اس کے مصلے کو جو کہ ابھی اٹھوا دیا گیا تھا۔ اسی کے ساتھ ایک کنارہ پر سلوا دیا تاکہ اس کے چھوٹے ہونے کا کسی قدر تدارک ہو جائے اور ان کے علاوہ ایک تیسری جانماز صف کی دری کہ پرانی پہلے موجود ہے وہ پرانی جانماز دری کی باہر کے صحن میں بچھوا دی اور اس کے آگے دری ہی کا ایک پرانا مصلے بچھوا دیا۔ پھر فرمایا کہ بس اب سب ٹھیک ہو گیا کیا کہوں ایسی طبیعت ہے کہ ذرا سی بے جوڑ بات

سے بھی نہایت الجھن ہوتی ہے مسجد کے ٹاٹ پر ایک دن سیاہی گر گئی۔ فوراً اس دھبہ کو دھلوایا۔ فرمایا کہ دھبوں کو میں دیکھ نہیں سکتا۔ اس قدر خلجان ہوتا ہے چاہے کپڑا میلا ہو لیکن ہو ایک سا۔ اگر کبھی کپڑوں پر کوئی دھبہ پڑ جاتا ہے تو یا فوراً اس کو دھلواتا ہوں ورنہ کپڑے بدلتا ہوں۔ ہر چیز میں موزونیت کو طبیعت ڈھونڈھتی ہے۔ ذرا کوئی بے جوڑ بات ہوئی اور مجھے پریشانی ہوئی۔ ایسی واہیات طبیعت واقع ہوئی ہے۔

۹ رمضان المبارک ۳۴؁ھ

ملفوظ (۶۵۱) محبت سے مغلوب نہ ہونا۔ نرمی سے دل پانی پانی ہو جاتا ہے۔ خانقاہ میں آزادی

ایک نو عمر طالب علم کو بوجہ بعض بے عنوانیوں کے حضرت نے مدرسہ سے نکال دیا باوجود اس کے حضرت کو اس سے بہت تعلق تھا۔ مگر حضرت فرمایا کرتے تھے کہ مجھ میں الفت کا بے حد مادہ ہے لیکن الحمد للہ میں اس سے مغلوب نہیں ہوتا۔ گو مجھے اس سے بہت محبت تھی۔ لیکن چونکہ مصلحت تھی۔ اس لئے اس کے نکال دینے میں مجھے ذرا تامل نہیں ہوا۔ وہ ایک دوسری جگہ کے مدرسہ میں چلا گیا وہاں سے چھ مہینے کے بعد اس نے حضرت کی خدمت میں عریضہ لکھا اور مشتاقانہ طرز پر لکھا۔ کہ اب مجھ سے حضور کی جدائی نہیں سہی جاتی۔ اب بہت ترسالیا۔ للہ مجھے حاضر خدمت ہو جانے کی اجازت ہو جائے۔ ورنہ پھر نہ معلوم کیا انجام ہو۔ یہ بھی لکھا کہ جو راحت اور تسلی مجھے وہاں تھی وہ کہیں نہیں مل سکتی۔ یہاں میں سخت پریشان ہوں۔

حضرت نے فرمایا کہ مجھ سے بس نرم بات کہنا غضب ہے میرا دل فوراً پانی ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت نے اس کو آنے کی اس شرط پر اجازت دیدی کہ اپنے اطوار کو ٹھیک رکھیں۔ اس نے بعد رمضان بعد سنانے کلام مجید کے آنے کو لکھا تھا۔ لیکن حضرت نے اس خیال سے کہ ممکن ہے بیچارہ کو زیادہ اشتیاق ہو یہ بھی لکھ دیا کہ خواہ بعد رمضان آؤ یا کلام مجید جلد ختم کر کے پہلے ہی چلے آؤ۔ ہر طرح سے اجازت ہے۔ اور اگر خرچ نہ ہو وہاں سے کسی سے قرض لے کر چلے آؤ یہاں سے دے دیا جائے گا۔

پھر فرمایا کہ اس نے یہاں کی راحت اور تسلی کی بات جو لکھا ہے واقعی بالکل ٹھیک ہے۔ اپنی نیند سوؤ اپنی بھوک کھاؤ۔ چین کی زندگی بسر کرو۔ ہاں حدود کے اندر ہو یہاں بحمد اللہ کسی کی لگائی نہ کسی کی بجھائی ورنہ اور جگہ کسی خاص شخص کا دخل ہوتا ہے اسکا ماتحت بن کر رہنا پڑتا ہے۔ اور یہاں آزادی کس قدر بڑی ہے کہنے کی تو بات نہیں لیکن ذاکرین شاغلین کی بات میں اس کی بھی نگرانی نہیں کرتا کہ کون شخص جماعت میں شریک ہے کون نہیں۔ ہاں! اس بات کا میں خیال رکھتا ہوں کہ کوئی ایسا فعل نہ کیا جائے جس سے دوسروں کو تکلیف یا ایذاء پہنچے۔ یا دوسروں کے ضلال کا اس میں اندیشہ ہو یا صریح خلاف شریعت ہو۔ باقی اگر ایک آدھ وقت کی جماعت فوت بھی ہو گئی تو کون سا ایسا بڑا جرم ہو گیا۔ بعض ذاکرین کو میں دیکھتا ہوں کہ آج کل رمضان میں صبح کو سو جاتے ہیں بعد سورج نکلنے کے نماز پڑھتے ہیں لیکن میں کوئی تنبیہ نہیں کرتا۔ یہ دیکھتا ہوں کہ کون کام کر رہا ہے کون نہیں۔ کون تہجد کو اٹھتا ہے کون نہیں کیونکہ ان باتوں کا تعلق حق تعالیٰ کے ساتھ ہے باقی جن باتوں کا تعلق مخلوق کے ساتھ ہے ان کی بات مجھے خاص طور سے اہتمام ہے کہ مخلوق کو دوسرے سے کیوں ایذاء پہنچے۔ ؎ مباش درپے آزاد ہرچہ خواہی کن کہ در شریعت ما غیر ازیں گناہی نیست

ملفوظ (۶۵۲) باطنی حالات کا معیار

فرمایا کہ حالات تو بہت ہیں مگر ان میں کامل وہ ہے جو سنت کے ساتھ زیادہ موافق ہو۔ اس معیار یہ ہے۔

۱۰ شوال ۴۳ھ

ملفوظ (۶۵۳) ذکر آذان کی ممنوعیت۔ چشتیہ ذکر بالجہر کی وجہ۔ خفیف چیز سے قلب پر زیادہ اثر پہنچتا ہے

حضرت کے ایک خادم حضرت کے پڑوس میں رہتے تھے انہوں نے تہجد کے وقت ذکر جہر بہت بلند آواز سے کرنا شروع کیا صبح حضرت نے تنبیہ فرمائی کہ یہ کیا ضرور ہے کہ ذکر کی اذان کی جائے میرا معمول ہے کہ میں پچھلی رات کو بھی کچھ سو لیتا ہوں۔ رات تم نے اتنی زور سے ذکر کیا کہ مجھے نیند نہیں آئی متوسط آواز سے ذکر کرنا کافی ہے۔ خانقاہ ہو وہ دوسری بات ہے۔ کہ وہاں سب اسی

میں مشغول ہیں مکان کے اندر اتنے زور سے ذکر کرنا پڑوسیوں کو تکلیف دینا ہے تم کو ذکر کا اتنا نفع نہیں ہوا۔ جتنا کہ ایذاء پہنچانے سے ضرر ہو گیا۔ پھر نماز فجر کا سلام کر کے سب ذاکرین کو مخاطب کر کے فرمایا کہ سب صاحب سن لیں۔ چشتیہ میں جو جہر ہے۔ وہ محض اس مصلحت سے کہ اپنی آواز کان میں آتی رہے تاکہ خطرات نہ آئیں۔ یہ غرض خفیف جہر سے بھی حاصل ہو سکتی ہے۔ لہذا بقاعدہ الضروری تیقدر بقدر الضرورۃ بہت چلا چلا کر ذکر کرنا عبث فعل ہوا اور عبث فعل پسندیدہ نہیں اور اگر سب اضرار ہو تو جائز بھی نہیں سب صاحب اس کا خیال رکھیں۔

ہر جگہ خانقاہ تھوڑا ہی ہوتی ہے اس لئے یہیں سے اس کی عادت ڈالیں۔ اگر جوش ہو تو اس کو ضبط کریں زور لگا لگا کر گلا پھاڑ پھاڑ کر ذکر کرنا کیا ضرور، تعب برداشت کرنے سے کیا حاصل فضول اپنا دماغ بھی خالی کریں۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے جو فرمایا ہے اربعوا علی انفسکم انکم لاتدعون اصم ولا غائبا۔ یعنی اپنی جان پر نرمی کرو۔ تم کسی بہرے کو نہیں پکار رہے۔ حق تعالیٰ کو پکارتے ہو جو سمیع ہیں اور قریب ہیں۔ اس کا یہی مطلب ہے۔ حدود شرعیہ سے کسی حال میں تجاوز نہیں کرنا چاہیے۔ میں تو ایک دفعہ آمادہ ہو گیا تھا کہ جہر کو بالکل ہی منع کر دوں۔ کیونکہ لوگ اس کے حدود کی رعایت نہیں کرتے۔ فقہا نے بھی ذکر جہر کے جواز کی یہی شرط لکھی ہے کہ نائمین و مصلیین کو تشویش نہ ہو۔ استفسار پر فرمایا کہ متوسط جہر سے میرے وجدان میں تو نمازی کو تشویش نہیں ہوتی زیادہ بلند آواز سے البتہ ہوتی ہے۔ بلکہ مجھے تو اگر خفیف جہر کے ساتھ رسیلی آواز سے کوئی ذکر کر رہا ہو تو نیند آجاتی ہے۔ عرض کیا گیا کہ خفیف جہر سے قلب پر بھی زیادہ اثر پہنچتا ہے۔ فرمایا جی ہاں زیادہ پکارنے سے سب زور باہر نکل جاتا ہے اس لئے قلب پر اثر نہیں ہوتا۔

ملفوظ (۶۵۴) مسلسل و مدلل تقریر پر تعجب ہے

فرمایا کہ میں نے بھوپال میں وہاں کے اسکول کے لڑکوں کی درخواست پر وعظ کہا تھا۔ وہاں کا ہیڈ ماسٹر جو مرہٹہ تھا۔ وہ بھی شریک تھا۔ تقریر سن کر وہ بہت متحیر ہوا۔ اور اپنے مجمع میں کہا کہ ہر شبہ کا جواب اور ہر دعوے کی دلیل بیان کرتے تھے اور نہایت مسلسل اور مدلل تقریر تھی۔ کوئی مضمون بے ربط نہ ہونے پاتا تھا۔ حالانکہ کوئی کاغذ یادداشت کا بھی پاس نہ تھا۔ کہتا تھا کہ ہم نے بہت سے لیکچر سنے ہیں لیکن ایسی تقریر کبھی سننے میں نہیں آئی۔ ایسا شخص تو ولایت میں بھی نہ ہو گا۔

اس کو بلا یادداشت کے ایسی مسلسل اور مدلل تقریر کرنے پر بہت تعجب تھا۔ کیونکہ اکثر لیکچر دینے والے یادداشت لکھ کر اپنے پاس رکھ لیتے ہیں۔ اور اس میں ایک ایک مضمون کو دیکھتے جاتے ہیں۔ اس کے متعلق تقریر کرتے جاتے ہیں اس بے چارہ کو یہ خبر نہ تھی بفضلہ مسلمانوں کے علماء کے لیے یہ ایک معمولی بات ہے۔ چنانچہ میں نے سن کر یہی کہا کہ اس بے چارہ نے علماء کو دیکھا ہی نہیں۔ ایک ادنیٰ سے طالب علم کو دیکھا ہے۔

ملفوظ (۶۵۵) کھاؤ کماؤ پیروں کا حال

کھاؤ کماؤ پیروں کا ذکر تھا۔ فرمایا کہ تھانہ بھون کے رہنے والے عبدالرحمٰن خان صاحب مرحوم حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب سے بیعت تھے وہ کہتے تھے کہ ایک گاؤں میں کچھ گجر مولانا ممدوح سے بیعت ہو گئے جو پہلے کسی ایسے ہی دنیا دار پیر سے مرید تھے۔ جب ان پیر کو خبر ہوئی تو بڑے خفا ہوئے اور کہا کہ ارے مولوی لوگ فقیری کیا جانیں۔ ان میں ایک گجر ہوشیار تھا۔ اس نے کہا کہ مولانا صاحب نے ہم کو یہ بھی ہدایت کر دی ہے کہ اپنے پہلے پیر کے حق حقوق میں کسی قسم کی کمی نہ کرنا۔ ان کی ہمیشہ خدمت کرتے رہنا۔ یہ سن کر پیر جی فوراً بدلے کہ ہاں پھر کیا ڈر ہے جو ان سے مرید ہو گئے وہ بھی اچھے آدمی ہیں۔ یہ واقعہ عبدالرحمٰن خاں خود مجھ سے بیان کرتے تھے۔ بہت ہی اچھے شخص تھے۔

ملفوظ (۶۵۶) کشف قبور ہر طرح مضر ہے۔ کسی حالت سے سوءِ خاتمہ پر استدلال جائز ہی نہیں۔ خاتمہ کے وقت الفاظ سے استدلال کی حقیقت۔ واتبع ملۃ ابراہیم کی عجیب تفسیر۔ اللہ والوں پر اعتراض کی ہمت نہیں ہوتی:

کشف قبور کے متعلق ایک صاحب نے استفسار کیا فرمایا کہ اس میں بہت غلطیاں ہوتی ہیں۔ کیونکہ جب ناسوت کے کشف میں غلطیاں ہوتی ہیں تو ملکوت کے کشف میں تو بہت غلطیاں ہو سکتی ہیں کیونکہ ملکوت سے تو انسان کو بہ نسبت ناسوت کے بہت کم مناسبت ہے مثلاً کسی مردہ کو معذب دیکھنے سے بدگمانی ہوتی ہے اور منعم دیکھنے سے بے فکری پیدا ہوتی ہے۔ غرض کشف

قبور ہر طرح مضر ہے۔ ان امور میں خیال کی بھی بہت آمیزش ہوتی ہے۔ تلبیس ابلیس کا بھی اس میں احتمال رہتا ہے۔ ایسا ایک غضب کا واقعہ بھائی بیان کرتے تھے کہ جب وہ بریلی میں تھے ان کے مکان کے نیچے ایک محلّہ تھا۔ میت گنج جس میں بنئے رہتے تھے۔ ایک بنیا مرنے لگا اس نے مرنے کے وقت اپنے سب عزیزوں کو بلایا اور نہایت اطمینان کے ساتھ اس نے باتیں کیں۔ اس نے بھائی سے ملنے کی بھی خواہش کی کہ منشی جی کے دیکھنے کو جی چاہتا ہے۔ بھائی بہت رقیق القلب ہیں وہ اس کے دیکھنے کو گئے پوچھا کیا حال ہے لالہ جی! اس نے کہا کہ اجی بڑا آرام ہے بڑا چین ہے پھر اپنے مکاشفات بیان کرنے لگا کہ بڑے بڑے محل ہیں باغ ہیں طرح طرح کے شگوفے ہیں نہایت آرام ہے۔ اس طرح سارا نقشہ جنت کا بیان کر رہا تھا جیسے جنت اس کے پیش نظر ہو۔ بھائی نہایت حیران کہ یہ کیا معاملہ ہے جانکنی کا وقت تھا لیکن نہ اس پر ہراس تھا نہ اس پر خوف نہایت ہشاش بشاش اسی حالت میں اس کا انتقال ہو گیا۔ بھائی نے مجھ سے کہا میں نے کہا کہ اس امر پر تو نصوص قطعیہ موجود ہیں کہ کافر جنتی نہیں ہو سکتا لہٰذا اس واقعہ کی تاویل کرنا واجب ہے دو تاویلیں ہیں لیکن ان میں سے ایک زیادہ جی کو لگتی ہے ایک تاویل تو یہ ہے کہ ممکن ہے کہ اس کے قلب میں پہلے سے اسلام ہو لیکن اس نے ظاہر نہ کیا ہو یہ تو طالب علمانہ تاویل ہے اور جو دوسری زیادہ جی کو لگتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ سب مکاشفات شیطانی تھے۔ شیطان نے اس کے خیال میں تصرف کر کے جنت کا خیالی نقشہ اس کے پیش نظر کر دیا تھا۔ اوروں کی تلبیس کے لئے تاکہ لوگ یہ سمجھنے لگیں کہ جنت کے حصول کے لئے اسلام شرط نہیں ہے جو مسلمان نہ ہو وہ بھی جنت میں جا سکتا ہے کس قدر زبردست تلبیس ہے اللہ بچائے۔

حضرت ایسے ایسے نازک قصے ہیں تو یہ مکاشفہ کیا چیز ہے جو حجت ہو سکے۔ البتہ مرتے وقت اگر مومن کی حالت اچھی ہو تو ایک امید کے درجہ میں اس کے حسن خاتمہ کی علامت وبشارت ہو سکتی ہے۔ مگر احتجاج کے درجہ میں نہیں ہوگا۔ کسی حالت سے سوء خاتمہ پر استدلال جائز ہی نہیں۔

حضرت میاں جی نور محمد صاحب قدس سرہ العزیز کے ایک پیر بھائی تھے۔ شیر محمد خاں صاحب بعد وفات اپنے شیخ کے خاں صاحب نے حضرت میاں جی سے رجوع کیا تھا۔ اس طرح خاں صاحب پیر بھائی تھے۔ اور مرید بھی تھے مرتے وقت لوگ ان سے کلمہ پڑھنے کو کہتے تھے تو وہ منہ

پھیر لیتے تھے۔ سب لوگ نہایت پریشان تھے کہ جب اتنے بڑے شخص کا یہ حال ہے تو ہم کس شمار میں ہیں ہمارے حسن خاتمہ کا کیا بھروسہ ان میں سے ایک شخص حضرت میاں جی کے پاس دوڑے ہوئے گئے حضرت حجرہ کے اندر مشغول ذکر و فکر تھے جب کبھی حضرت میاں جی کو باہر بلانا ہوتا تھا۔ تو حجرہ کے کواڑوں کے پاس کھڑے ہو کر بلانے والا دو چار دفعہ ذرا پکار کر اللہ اللہ کہنے لگتا تھا۔ حضرت مراقبہ سے افاقہ میں آکر بات چیت کر لیتے تھے۔ چنانچہ ان صاحب نے بھی اسی طرح اللہ اللہ کہا حضرت نے کواڑ کھول دیئے۔ انہوں نے خان صاحب کا سب حال بیان کیا کہ جلدی چلئے وہاں یہ غضب ہو رہا ہے کہ ان سے کلمہ پڑھنے کو کہتے ہیں لیکن وہ منہ پھیر لیتے ہیں۔ اخیر وقت ہے چل کر ان کی امداد کیجئے۔ حضرت میاں جی صاحب کو تو اطمینان تھا لیکن لوگوں کی دفع پریشانی کی غرض سے آپ تشریف لے گئے سلام کر کے دریافت کیا کہ خان صاحب کیا حالت ہے خان صاحب نے آواز پہچان کر فوراً آنکھ کھول دی اور سلام کا جواب دیکر کہا کہ الحمدللہ میں بہت اچھے حال میں ہوں۔ لیکن آپ ذرا ان لوگوں کو منع کر دیجئے کہ مجھے تنگ نہ کریں یہ مجھ سے کلمہ پڑھنے کے لئے کہہ رہے ہیں مجھے مسمے سے اسم کی طرف لاتے ہیں۔ لیجئے وہ اس وقت مشاہدہ ذات میں تھے اس لئے اسم کی طرف نہ آنا چاہتے تھے لوگ اس کو سمجھے کہ کلمہ پڑھنے سے اعراض کرتے ہیں۔

یہ حکایت خود حاجی صاحب سے میں نے سنی ہے اسی طرح بعضے بزرگوں نے مرتے وقت بجائے کلمہ کے یہ پڑھا۔ اشہد ان لا الہ الا اللہ موسےٰ کلیم اللہ۔ اور انتقال کر گئے۔ اس سے شبہ ہو سکتا ہے کہ وہ نعوذباللہ یہودی ہو کر مرے۔

حضرت حاجی صاحب اس کے متعلق فرماتے تھے کہ بعض بزرگوں کا مقام قدم موسیٰ پر ہوتا ہے۔ وہ مرتے وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نام لے کر انتقال کرتے ہیں جن کو حضرت عیسیٰ علی السلام کے مقام سے مناسبت ہوتی ہے وہ مرتے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام لیتے ہیں ان پر یہودی یا نصرانی ہونے کا گمان ہرگز نہیں کرنا چاہیے یہ تحقیق تو حضرت حاجی صاحب کی ہے اس کے متعلق میری بھی ایک چھوٹی سی تحقیق ہے۔ کیونکہ اس بات کے معلوم ہو جانے سے کہ وہ بزرگ قدم موسیٰ پر مرے یا قدم عیسیٰ پر مرے (علیہم السلام) اصل حیرت تو دفع نہیں ہوئی یہ شبہ پھر بھی رہا کہ ان کو حضور ﷺ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فیض نہ ہوا تھا۔ مجھے بھی یہ خلجان تھا۔

ایک بات اللہ نے میرے دل میں ڈالی۔ جس سے اطمینان ہو گیا۔ وہ یہ کہ یہ سب اصطلاحیں ہیں خود شیون محمدی ﷺ کی۔ بات یہ ہے کہ حضور میں مختلف شانیں تھیں۔ بعضی شان مشابہ تھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے شان کے اور بعضے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان کے۔ اسی مشابہت کی بناء پر ان شانوں کا نام اصطلاح میں قدم موسیٰ اور قدم عیسیٰ ہو گیا۔ باقی ہیں وہ سب شیون محمدی ﷺ ہی۔ شیون محمدی ﷺ میں سے جو شان مشابہ ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے۔ اس کا نام قدم موسیٰ ہے۔ اور جو مشابہ ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس کا نام قدم عیسیٰ علیہ السلام سے پائی جاتی ہے۔ اور جو مشابہت رکھتی ہے بہ نسبت موسیٰ سے چونکہ آپ ﷺ جامع الکمالات ہیں پس اس سے مستفید ہونا نہ اس حیثیت سے ہے کہ وہ کمال موسوی ہے بلکہ اس حیثیت سے ہے کہ وہ دراصل کمال محمدی ہے کیونکہ حضور تمام انبیاء کرام کے کمالات کے جامع تھے۔

؎ حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری ‌ ‌ ‌ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

آپ جامع جمیع نسب ہیں محض عنوان مختلف ہیں لیکن معنون ایک ہے ؎ عبارا تنا شتی وحسنک واحد۔

اس تقریر سے ثابت ہوا کہ جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کلمہ پڑھ کر انتقال کیا وہ ملت عیسوی یا ملت موسوی پر نہیں مرے بلکہ ملت محمدیہ ﷺ ہی پر مرے۔ اس تقریر سے اس آیت کی تفسیر بھی آسان ہو جائے گی۔ واتبع ملۃ ابراہیم یعنی وہ ملت جو ہم نے آپ ﷺ کو عطا کی ہے اور جو موافق ہے ملت ابراہیمی کے وہ دراصل ملت محمدیہ ﷺ ہی ہے معنی یہ ہیں کہ اس ملت کا اتباع کیجیو! جو ہم نے آپ ﷺ کو عطا کی ہے۔

جو دراصل تو ہے ملت محمدیہ ﷺ ہی لیکن اس کا لقب بوجہ توافق کے ملت ابراہیم ہے ورنہ بظاہر اس میں یہ اشکال تھا کہ حضرت ابراہیم کے اتباع کا حکم ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ واتبع ابراھیم حنیفا نہیں فرمایا جیسے فاتبعونی یحببکم اللہ میں فاتبعوا طریقی نہیں فرمایا۔ یہاں طریق کا لفظ نہیں بڑھایا گیا۔

دیکھئے! ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں فبھدٰھم اقتدہ یہ نہیں فرمایا فبھم اقتدہ۔ کیونکہ ایک تو ان کا اقتداء ہے اور ان کے ہدیٰ کا اقتداء ہے ان دونوں میں بہت فرق ہے۔ جو ہدایت حضور کو عطا

ہوئی اتباع اسی کا ہے اس کو ھدا ھم سے تعبیر فرمایا۔

مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اندر ایک آزادی کی شان۔ ناز کی شان، جوش و خروش کی حمیت غیرت یہ مضمون بہت ہے اور نسبت عیسویہ میں زہد اور ترک دنیا کا غلبہ۔ تعلقات کی کمی وغیرہ کا مضمون بہت ہے اور حضور ﷺ میں سب شیون کامل ہیں۔ ایک بزرگ تھے ان کی یہ خواہش ہوئی کہ مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ حق تعالیٰ کے نزدیک میرا کیا مقام ہے ان کو اپنا مقام معلوم نہ تھا۔ ایسا ہوتا ہے۔

بعض بزرگوں کے ساتھ حق تعالیٰ کا یہی معاملہ ہوتا ہے کہ ان کے مقام کی انہیں اطلاع نہیں کی جاتی۔ جس طرح بادشاہوں کو اپنے بعضوں غلاموں سے خاص تعلق ہوتا ہے لیکن ان کے سامنے اس کا اظہار نہیں کرتے۔ تاکہ کہیں سرکشی نہ کرنے لگے۔ ان بزرگ کے ایک مرید ایک دوسرے بزرگ سے ملنے گئے تھے۔ ان دوسرے بزرگ سے پوچھا کہ تمہارے یہودی پیر اچھے ہیں ان کو اپنے پیر کی شان میں یہ لفظ سن کر بہت ناگوار ہوا۔ لیکن چونکہ اپنے پیر کے بھیجے ہوئے تھے۔ کچھ نہ بولے یہاں آکر اپنے پیر سے بڑی شکایت کی کہ ایسا واہیات لفظ آپ کی شان میں فرمایا۔
وہ بزرگ ان الفاظ کو سن کر وجد کرنے لگے۔ اور فرمایا کہ تمہیں خبر نہیں انہوں نے مجھے میرے مقام کی اطلاع دی ہے کہ میں قدم موسیٰ پر ہوں۔ جس کے معلوم کرنیکی مجھے مدت سے تمنا تھی۔

پھر ہمارے حضرت نے فرمایا کہ ایسے نازک قصے ہیں اس طریق کے اسی واسطے بچ یہ ہے کہ اللہ اللہ کرنے والے پر ہمت اعتراض کی نہیں ہوتی۔ ہاں انتظام شریعت کے لئے تو واجب ہے۔ مگر قلب سے ہمت نہیں ہوتی۔

۲۳ شوال ۴۴ھ

ملفوظ (۷۵۶) مولوی عبدالحکیم سیالکوٹی کا قصہ

مولوی عبدالحکیم سیالکوٹی کا قصہ بیان فرمایا کہ مصنف شمس بازغہ کو وہ لوگوں کی نظروں میں بے قدر کرنا چاہتے تھے۔ شاہجہاں بادشاہ زمانہ تھا۔ شاہی خاندان میں سے کسی شخص کا انتقال ہوا۔ مصنف شمس بازغہ ملا محمود فاروقی جونپوری سے نماز جنازہ پڑھانے کے لئے کہا گیا۔ مولوی عبدالحکیم نے ان سے چپکے سے کہا کہ مجمع زیادہ ہے قرأت پکار کر پڑھنا تاکہ سب لوگ سن لیں۔ ملا محمود

نہایت ذہین شخص اور معقولی آدمی تھے۔ لیکن دینیات نہ جاننے سے دھوکہ میں آگئے نماز جنازہ میں قرأت شروع کر دی۔ سب لوگ کہنے لگے کہ یہ شخص عالم نہیں محض جاہل ہے پھر ان کی وقعت لوگوں کی نظروں میں بالکل نہ رہی عرض کیا گیا کہ مولوی عبدالحکیم تو بڑے شخص تھے انہوں نے ایسی حرکت کیوں کی۔ فرمایا کہ ملا تھے۔ پھر فرمایا کہ حب جاہ ایسا مرض ہے۔ کہ اس کا پتہ چلنا مشکل ہے جب کوئی واقعہ پیش آئے اور گرانی ہو تب پتہ چلتا ہے۔ کہ افوہ ہم میں مرض حب جاہ کا ہے۔

ملفوظ (۲۵۸) وظیفہ یا عمل پر اجرت دلوانا

حضرت کا معمول ہے کہ اگر کوئی وظیفہ یا عمل کسی حاجت کے لئے کوئی پڑھوانا چاہتا ہے تو اس کی مناسب اجرت پڑھنے والے طالب علموں کو پڑھانے والے سے دلواتے ہیں۔ ایک صاحب نے اولاد کے محفوظ رہنے کے لئے اجوائن اور سیاہ مرچ پڑھوانی چاہیں اس کے لئے ۴۱ بار سورہ الشمس پڑھی جاتی ایک بار تو حضرت خود پڑھ دیتے ہیں اور چالیس مرتبہ کسی غریب طالب علم سے پڑھوا دیتے ہیں۔ ایک صاحب کو حضرت نے تجویز فرمایا جو عیالدار ہیں یعنی بہت سے متعلقین ان کے ذمہ ہیں لیکن ان کی شادی نہیں ہوئی ہے۔ عرض کیا گیا کہ وہ عیالدار بھی ہیں مزاح میں فرمایا کہ ایال دار تو ہیں لیکن دم دار نہیں ہیں (یعنی بیوی نہیں) چار آنہ پیسہ انکو دیکر فرمایا کہ یہ بلا کراہت جائز ہیں کیونکہ یہ رقیہ ہے اس پر اجرت لینا جائز ہے۔ پھر فرمایا کہ گو عرفاً یہ اتنی اجرت کا کام ہے نہیں لیکن جو نفع اس سے متوقع ہے اس کے مقابلہ میں چار آنہ کیا چیز ہے۔ یعنی چار آنہ وہ اس امید پر دیتا ہے کہ بچہ کھلانے کو مل جائے گا۔

ملفوظ (۲۵۹) تعویذ لینے کا طریقہ

اکثر لوگ بالخصوص عوام آکر صرف اتنا کہتے ہیں کہ تعویذ دیدو اور از خود یہ نہیں بتلاتے کہ کس چیز کا تعویذ چاہیے۔ جب حضرت خود پوچھتے ہیں تب بتلاتے ہیں اس پر حضرت بارہا فہمائش فرما چکے ہیں۔

ملفوظ (۲۶۰) خط میں غیر ضروری مضامین سے الجھن

ایک رسالہ میں حضرت کا ایک مضمون ماہوار شائع ہوا کرتا ہے۔ یہاں سے بھیجا ہوا کچھ

مضمون وہاں کے دفتر میں گم ہو گیا۔ اس کو دوبارہ طلب کیا گیا۔ لیکن خط میں اس گم شدہ مضمون کی تعیین ایسے پیچیدہ عنوان سے کی گئی تھی کہ حضرت اس کو نہ سمجھ سکے بہت فضول حوالے دیگر اور غیر ضروری توضیح کر کے اصل مضمون کو بالکل خبط کر دیا تھا۔ حضرت کی طبیعت غایت درجہ سہولت پسند ہے اگر کسی کو کوئی کام دیتے ہیں یا کوئی تقریر فرماتے ہیں تو نہایت ہی سہل کر کے تاکہ دوسرے کو سمجھنے میں ذرا دقت یا الجھن نہ ہو واقعی مشکل سے مشکل کام کو سہل کر کے پیش کر دینا تو حضرت ہی کا حصہ ہے۔ بارہا فرمایا کہ مشکل سے مشکل کام کو سہل کر دینا کوئی مجھ سے آکر سیکھے یہ بھی فرمایا کہ مدرسی کے زمانہ میں مشکل سے مشکل مقامات کو طالب علموں کے سامنے بالکل پانی کر کے بیان کر دیتا تھا۔ گو اس میں میرے دماغ کو نہایت تعب ہوتا تھا کیونکہ سارے مضمون کو ایک خاص طریقہ سے ترتیب دیکر پیشتر ذہن میں مستحضر کر لینا پڑتا تھا یہی وجہ تھی کہ جس نے مجھ سے ایک سبق بھی پڑھ لیا پھر وہ کسی دوسرے مدرس کے کام کا نہ رہتا تھا۔ کیونکہ اس کی پھر اور جگہ تسلی ہوتی ہی نہ تھی تو چونکہ حضرت کی طبیعت فطرۃً غایت درجہ سہولت پسند ہے اس لئے دوسرا شخص اگر کوئی الجھی ہوئی تقریر کرتا ہے تو نہایت پریشان ہوتے ہیں احقر کو اس بارہ میں بارہا تنبیہ فرما چکے ہیں رسالہ والوں کے خط بھی احقر کے حوالہ فرمایا کہ آپ ہی اس کا مطلب حل کیجئے۔ کیونکہ آپ بھی ایسی ہی الجھی ہوئی تقریر کرنے کے عادی ہیں۔ یہ فرمایا کہ ان کو صرف اس قدر لکھ دینا چاہیے تھا۔ کہ گم شدہ مضمون کے ماقبل کے اخیر کی عبارت یہ ہے اور مابعد کے شروع کی عبارت یہ ہے اس کے درمیان کا مضمون درکار ہے۔ بس اور باتیں سب فضول ہیں۔ احقر سے فرمایا کہ اگر آپ معلوم کر سکیں۔ تو بس صرف یہ دو باتیں اس خط سے معلوم کر کے مجھ کو بتلا دیں باقی اور کسی توضیح وغیرہ کی حاجت نہیں۔ احقر نے بدقت تمام ان دو عبارتوں کے اس خط سے معلوم کر کے حضرت کے سامنے پیش کر دیا جس سے اس مضمون گم شدہ کی تعیین نہایت سہولت کے ساتھ ہو گئی حضرت نے فرمایا کہ دیکھئے ان عبارتوں کے علاوہ جتنی توضیح ادھر ادھر کی انہوں نے کی ہے بالکل فضول ہے اگر صرف انہیں دو عبارتوں کا حوالہ دیتے تو کس قدر سہولت سمجھنے میں ہوتی غیر ضروری مضامین کو شامل کر کے اصل مطلب کو کس قدر گنجلک میں ڈال دیا۔ فضول عبارت سے مجھے سخت الجھن ہوتی ہے کیونکہ مجھے کو یہ تو معلوم نہیں ہوتا کہ یہ فضول ہے اس لئے سب کا جوڑ لگاتا ہوں اس وجہ سے

اور بھی مطلب خبط ہو جاتا ہے۔ عرض کیا گیا کہ اپنے نزدیک توضیح کی غرض سے ایسا کیا جاتا ہے۔ فرمایا کہ ایسی ہی توضیح کرنی ہے تو یہ بھی لکھا کریں کہ فلاں سنہ میں پیدا ہوا تھا فلاں تاریخ میں میرا عقیقہ ہوا۔ غیر ضروری توضیح سے تو اور بھی مطلب خبط ہو جاتا ہے۔ بس جو اصل مضمون ہو اس پر اکتفا کرے۔ مجھے تو غیر ضروری مضامین کی آمیزش سے نہایت کلفت ہوتی ہے۔

ملفوظ (۲۶۱) حضرت کے مخالف شخص جو مصائب میں مبتلا رہتے تھے۔ اس کے لئے معافی اور دعا، جانور کی اصلاح انسان سے آسان ہے۔

ایک شخص جو اکثر امور میں خواہ مخواہ حضرت کی مخالفت کیا کرتے ہیں ہمیشہ مصائب میں مبتلا رہتے ہیں ایک صاحب نے عرض کیا کہ باوجود اس کے پھر بھی وہ مخالفت سے باز نہیں آتے فرمایا کہ میں تو حق تعالیٰ سے یہ دعا کرتا ہوں کہ میری وجہ سے آپ اپنی کسی مخلوق پر ذرا برابر تکلیف نہ ڈالیں ان صاحب نے عرض کیا کہ دعا کا قبول ہونا نہ ہونا تو آپ کے اختیار میں نہیں حق تعالیٰ کو تو غیرت آتی ہے اس لئے انتقام لیتے ہیں جیسے حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ کی دعا اس باب میں قبول نہیں ہوئی۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ جو میرے اختیار کی بات نہیں اس کو میں کیسے کر سکتا ہوں۔ باقی اپنی طرف سے تو میں سب کو دل سے معاف کرتا رہتا ہوں۔ پھر فرمایا کہ حضرت حافظ شیرازی فرماتے ہیں ؎

بس تجربہ کردیم دریں دیر مکافات   بادرد کشاں ہر کہ در افتاد بر افتاد

پھر ان صاحب نے ایسے شخص کی بابت کہا کہ اصلاح تو اس کی کرے جو آدمی ہو جانوروں کی اصلاح کون کرے حضرت نے فرمایا کہ جناب جانوروں کی اصلاح تو آسان ہے کیونکہ وہاں عدم اصلاح کا تو قصد نہیں ہوتا تین صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ اصلاح کا قصد ہو نہ عدم اصلاح کا ایسے شخص کی بھی اصلاح ہو سکتی ہے اور ایک وہ ہے کہ عدم اصلاح کا ارادہ کر بیٹھے اس کی اصلاح تو نبی سے بھی نہیں ہو سکتی۔

ملفوظ (۲۶۲) دوسرے کی ولایت سلب کر لینے کی حقیقت

ایک صاحب نے عرض کیا کہ ایک شخص ایک نقل بیان کرتے تھے کہ ایک بزرگ ایسے

تھے کہ وہ جس بزرگ سے مصافحہ کرتے تھے ان کی ولایت سلب کر لیتے تھے اخیر میں انہیں ایک ایسے بزرگ ملے جنہوں نے ان بزرگ کی ولایت بھی اور جتنے بزرگوں کی وہ ولایتیں سلب کر چکے تھے وہ سب ولایتیں بھی ایک دم سے سلب کر لیں۔ حضرت بہت ہنسے۔ پھر اس کی تحقیق بیان فرمائی کہ دو حالتیں ہیں۔ ایک تو حالت نسبت مع اللہ کی ہے یا جو متعلق ہو نسبت مع اللہ کے وہ تو موہوب ہے یعنی حق تعالیٰ کی عطا ہے جو موجب ہے قرب کی یا مرتب ہے قرب پر۔ اس پر تو کسی کا اختیار ہی نہیں۔ اور ایک ہوتی ہیں کیفیات نفسانیہ۔ ان میں طبیعت کی خصوصیت کو اور اسباب طبیہ وطبعیہ کو بھی دخل ہے مثلاً کیفیت شوقیہ جس کے پیدا کرنے میں خاص اسباب طبیہ کو بھی دخل ہے یہ ایک کیفیت نفسانیہ ہے جس کو قرب سے کوئی تعلق نہیں۔ جیسے قوت جسمیہ سے کوئی تعلق نہیں گو قوت جسمیہ بواسطہ سبب ہو جائے عبادت کا اور طاعت کا اور وہ سبب ہو جائے قرب کا۔ مگر فی نفسہ وہ اسباب قرب میں سے نہیں۔ اسی طرح کیفیت شوقیہ فی نفسہ اسباب قرب میں سے نہیں گو بواسطہ سبب ہو جائے عبادت اور طاعت کا جو کہ سبب قرب ہے اس واسطے کہ یہ کیفیت مسبب ہے محض اسباب طبیہ سے مثلاً مزاج میں قوت ہونا صحت کا اچھا ہونا ہر طرح کا اطمینان ہونا یعنی معاش کی طرف سے بھی اطمینان ہے۔ اور اعدا کی طرف سے بھی کوئی اندیشہ نہیں۔ ان سب اسباب کا خاصہ ہے کہ ایک قسم کی کیفیت شوقیہ نشاطیہ پیدا ہو جاتی ہے۔ تو غرض یہ ہے کہ یہ کیفیت اسباب جسمیہ میں سے ہے سو تصرف سے یہ کیفیت سلب ہو سکتی ہے یعنی دوسرا اس کو سلب کر سکتا ہے۔ جیسے قوت جسمیہ تو تصرف سے سلب کر لیتے ہیں۔ جیسے عامل لوگ کرتے ہیں کہ قوت خیالیہ سے تصرف کر کے دوسرے کی قوت کو سلب کر لیتے ہیں۔ جس کے اثر سے ہاتھ پاؤں بے کار ہو جاتے ہیں۔ ایسے ہی قوت خیالیہ کے ذریعہ سے کیفیت نشاطیہ مغلوب ہو سکتی ہے جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ ایک قسم کی عبادت اور افسردگی طبیعت میں پیدا ہو جاتی ہے۔ بعض طبیعتیں ایسی کمزور ہوتی ہیں کہ اس افسردگی کی وجہ سے ان کو اس طرح ضرر دین کا بھی ہونے لگتا ہے کہ براہ کسل عبادت چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ اور اکثر مبتدی ضعیف الہمت کے واسطے ایسا ہو جاتا ہے۔ بخلاف صاحب ہمت یا صاحب کمال کے کہ وہ ہر حال میں خواہ بسط ہو یا قبض ہو جس کا وہ مکلف ہے خواہ درجہ استحسان میں یا درجہ وجوب میں اس کا برابر پابند رہتا ہے۔ وہ عمل کے لئے کیفیت شوقیہ کا محتاج نہیں ہوتا پس ایسا تصرف خاصہ ہے

بعضے ڈاکوؤں کا جو درویش کہلاتے ہیں کہ نشاط کو سلب کر لیتے ہیں پھر دین کا ضرر پہنچ جاتا ہے۔ بواسطہ اس کی کم ہمتی کے اس کو عوام سمجھتے ہیں کہ ولایت سلب کر لی جیسے کسی کے کوئی لٹھ مارے اور وہ اپنی کم ہمتی کی وجہ سے پانچ وقت کی نماز چھوڑ دے تو اس کو کوئی کہے کہ لٹھ مار کر ولایت سلب کر لی۔ بس تحقیق ہے اس کی۔ پھر انہیں صاحب نے عرض کیا کہ یہ کیفیت تو محض کسبی ہے۔ ہنس کر فرمایا کہ نہیں یہ کسبی بھی نہیں یہ تو بھر واہے۔ کسبی پھر بھی ایک قسم کی مطلوب ہے۔ بھروا تو محض سفیر ہی سفیر ہے جس طرح یہ کیفیت محض واسطہ ہے۔ مکرر استفسار پر فرمایا کہ یہ سلب کیفیت بھی محض عارضی طور پر خاص اسی وقت کے لئے ہو جاتا ہے۔ جیسے توجہ دینے سے تھوڑی دیر کے لئے حرارت وغیرہ کیفیات پیدا ہو جاتی ہے پھر ان صاحب نے پوچھا کہ شیخ جو القائے نسبت کرتا ہے۔ اس کے کیا معنی فرمایا کہ اس کی توجہ اور شفقت میں یہ برکت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نسبت القا فرما دیتے ہیں۔ جیسے استاد اگر توجہ اور شفقت کے ساتھ پڑھائے تو شاگرد کے قلب میں اللہ تعالیٰ مضامین القا فرما دیتے ہیں۔ پس القاء استاد یا کسی شیخ کا فعل نہیں یہی سبب ہے کہ اس قسم کے اجارہ کو فقہا نے ناجائز کہا ہے کہ مثلاً میرے لڑکے کو حساب کا ماہر کر دو ہاں یہ جائز ہے کہ تم بتلا دو ماہر کر دینا کسی کے اختیار میں نہیں اور بتلا دینا اختیار میں ہے پھر ان صاحب نے عرض کیا کہ یہ جو مشہور ہے کہ مشائخ بیعت کے وقت القائے نسبت کر دیتے ہیں۔ اس کا کیا مطلب ہے۔ فرمایا کہ بیعت کے وقت اجمالاً القائے نسبت ہو جاتا ہے۔ یعنی مناسبت مجملہ حق تعالیٰ کے ساتھ پیدا ہو جاتی ہے۔ اہل اللہ کے ساتھ تعلق ہو گیا تو گویا اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ تعلق ہو گیا۔ بیعت سے گویا ایک خصوصیت ہو گئی اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔

ملفوظ (۶۶۴) احتلام کا علاج

ایک صاحب نے یہ شکایت تحریر فرمائی کہ مجھے ہر روز احتلام ہو جاتا ہے اس کی کوئی تدبیر ارشاد فرمائی جائے۔ حضرت نے فرمایا کہ بزرگوں سے منقول ہے کہ سورۂ نوح پڑھ کر سونا نافع ہے۔ پھر فرمایا کہ ایک اور عمل بھی مشہور ہے جس کا بہت لوگوں نے تجربہ کیا ہے وہ یہ ہے کہ سوتے وقت شیطان کو خطاب کر کے یوں کہے کہ اوبے شرم ہمارے باوا کو تو سجدہ کرنا بھی گوارا نہ ہوا اور ہم سے ایسا ذلیل فعل گوارا کرتا ہے۔ کمبخت تجھے حیا نہیں آتی۔

۳ ذیعقد ۱۳۵۴ھ

ملفوظ (۲۶۴) جس شخص کا کہنا خوشی سے نہ مانے اس سے تعلیم حاصل کرنے سے کیا نفع؟ اپنی رائے سے تجویز کردہ۔ جس سے دینی نفع حاصل کرنا ہو اس سے تکلف نہیں کیا کرتے :

ایک نووارد صاحب کو جنہوں نے طلب خلوت کے بعد عصر پرچہ دیا تھا حسب معمول بعد مغرب حضرت نے گفتگو کرنے کے لئے اپنے پاس بلایا۔ وہ صاحب ذرا ہٹ کر ایک طرف کو آکر بیٹھنے لگے حضرت نے بغرض سہولت گفتگو اپنے قریب موجہہ میں انہیں بیٹھنے کے لئے بلایا کہ یہاں آیئے۔ انہوں نے وہیں بیٹھنے کے لئے اصرار کیا۔ کئی بار کے ردوکد کے بعد حضرت نے ذرا تیز لہجہ میں فرمایا کہ لاالہ الا اللہ آپ نے آتے ہی مخالفت شروع کی۔ بالآخر وہ صاحب سامنے آکر بیٹھے۔ لیکن یہ کہہ کر کہ مجھے تو حضور کے پیچھے بیٹھنا چاہیے۔ حضرت نے فرمایا کہ باوجود چند بار کے کہنے کے آپ نے کہنا نہ مانا اور آخر میں مانا بھی تو یہ سنا کر کہ مجھے تو پیچھے بیٹھنا چاہیے۔ اچھا جایئے۔ جو شخص آپ کو پیچھے بیٹھنے کی اجازت دے اور پیچھے بٹھلا کر آپ سے گفتگو کر سکے اس کے پاس جایئے۔ انہوں نے معذرت کی تو فرمایا کہ جی نہیں۔ جو آپ کا کہنا مانے اور پیچھے بیٹھے بیٹھے آپ سے گفتگو کر سکے اس کے پاس جایئے۔ اٹھیئے۔ انہوں نے پھر معذرت کی فرمایا کہ اول تو دیر تک کہنا ہی نہ مانا جھک جھک ہوتی رہی پھر آکر بیٹھے بھی تو اس کے ساتھ یہ شگوفہ بھی چھوڑ دیا کہ مجھے تو پیچھے بیٹھنا چاہیے یعنی مجبور ہو کر آنا پڑا۔ برابر اخیر تک حجتیں کرتے رہے جایئے تشریف لے جایئے۔ آدمی جس شخص کا کہنا خوشی سے نہ مانے اس سے تعلیم حاصل کرنے سے کیا نفع۔ انہوں نے کہا کہ میں تو کہنے پر فوراً حاضر ہو گیا۔ فرمایا کہ کہاں اخیر تک تو حجتیں کرتے رہے۔ کیا میں مسجد میں بیٹھ کر جھوٹ بول رہا ہوں۔ آپ نے جو کہا کہ مجھے تو پیچھے بیٹھنا چاہیے۔ تو گویا میں جو آپ کو آگے بٹھلا رہا ہوں یہ فضول حرکت ہے۔ میں تو تاکید سے کہہ رہا تھا تواضع سے بھی نہیں تواضع سے کہتا تو خیر کچھ اصرار کی گنجائش بھی تھی۔ انہوں نے کہا کہ غلطی ہوئی فرمایا بس غلطی ہوئی تو بھگتو۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں بہت دور سے آیا ہوں فرمایا کہ آئے تو میرے اوپر کوئی احسان کیا۔ آتے ہی مخالفت کی۔ اور ایسی تواضع تھی تو خیر ایک دفعہ انکار

کر دیا ہوتا۔ تین چار دفعہ کہنے کے بعد آکر بیٹھے اور آخر میں بیٹھتے بیٹھتے یہ بھی کہا کہ مجھے تو پیچھے بیٹھنا چاہیے۔ ان صاحب نے پھر معذرت کی کہ مجھ سے غلطی ہوئی۔ فرمایا کہ غلطی کیوں ہوئی۔ کوئی بچے ہو۔ دودھ پیتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ مجھے سامنے بیٹھے ہوئے لحاظ آیا فرمایا کہ یہ کیسا لحاظ ہے۔ یہ کیسا ادب ہے کہ زبان سے جو کہوں اس کے تو خلاف کیا جائے اور جو ادب اپنی رائے سے تجویز کر لیا اس پر عمل کیا جائے۔ سبحان اللہ کیسا اچھا ادب ہے۔ کیسی اچھی تعظیم ہے۔ کچھ عقل بھی ہے جس کے ساتھ اعتقاد ہو اس کی مخالفت تو نہ کرنا چاہیے۔ وہ جو کہے کرے۔ پھر ایک تو سرسری کہنا ہوتا ہے میں نے تو تاکید کے ساتھ کہا تھا۔ اور جب آکر بیٹھے تو پھر واہیات اپنی بک بک لگائی۔ کہ مجھے تو پیچھے بیٹھنا چاہیے۔ بھلا اس کی کیا ضرورت تھی۔ کیا یہی انسانیت ہے یہی تہذیب ہے اسی کو ادب کہتے ہیں۔ پھر فرمایا اچھا کہئے۔ جو کچھ کہنا ہو۔ بیٹھتے ہی دل برا کر دیا۔ کہو اصل مطلب کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ مرید کر لیجئے۔ فرمایا کہ میں نہیں کرتا ایسے کو مرید جس میں صرف ادب ہو اطاعت نہ ہو۔ یا یہاں رہ کر میرا اطمینان کر دو۔ یہ بتلائیے کتنے دن رہ سکتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ جتنا حضور فرمادیں۔ حضرت نے فرمایا کہ اچھا میں تو دس برس کہتا ہوں۔ رہو گے دس برس۔ انہوں نے کہا کہ دس برس تو نہیں رہ سکتا۔ فرمایا کہ پھر یہ کیوں بکا تھا کہ جتنا آپ کہیں۔ میں نے پوچھا کتنے دن رہ سکتے ہو۔ تم نے یہ کہا کہ جتنا آپ کہیں۔ پھر جب میں نے کہا کہ دس برس رہو گے تو لگے حیلے کرنے۔ پھر پہلے ہی کیوں یہ کہا تھا کہ جتنا آپ کہیں میرے اوپر کیوں بوجھ ڈالتے ہو۔ اور جو میرے ہی اوپر رکھا تھا تو پھر بھاگتے کیوں ہو۔ رہو دس برس۔ کر لونگا مرید۔ اور اگر اس دس برس میں میں مر گیا یا تم مر گئے تو مجبوری ہے۔ پھر فرمایا کہ دیکھو تم لوگ ایسی تکلیف دیتے ہو۔ سیدھا جواب دو تو کام شروع ہو۔ میرے سیدھے سوال کا الٹا جواب ملتا ہے۔ یہ کونسی تہذیب ہے اب بھی سیدھا جواب دیدو اس پر وہ صاحب خاموش بیٹھے رہے۔ فرمایا کہ اب میری بات کا جواب بھی نہیں ملتا۔ دیکھو اتنا وقت میرا ضائع کیا۔ اول تو آتے ہی جھک جھک ہوئی۔ پھر معاملہ کی بات پوچھی کہ کتنا رہ سکتے ہو تو اس کا کیا خوبصورت جواب ملا کہ جتنا آپ کہیں۔ اب سیدھا جواب مانگتا ہوں تو خاموش بیٹھے ہوں۔ اس قدر تکلیف دیتے ہیں آپ لوگ۔ اس پر ان صاحب نے کہا کہ میں پانچ روز رہ سکتا ہوں۔ فرمایا کہ پانچ روز میں حال نہیں معلوم ہو سکتا۔ اور تم نے بیٹھتے ہی اپنے کمالات ظاہر کرنے شروع کر دیئے۔ اس سے اور بھی

اطمینان جاتا رہا۔ کہ نہ معلوم ایسے ایسے کتنے عیوب بھرے پڑے ہونگے۔ ایسی صورت میں چار مہینہ رہو تب ٹھیک حال معلوم ہو سکے۔ اور جو نہیں رہ سکتے۔ تو خط کے ذریعہ سے بھی اطمینان ہو سکتا ہے خط بھیجتے رہو۔ جب ہم کو اطمینان ہو جائے گا۔ اور دل قبول کر لے گا تب مرید بھی کر لیں گے۔ خط سے بھی پیری مریدی ہو جاتی ہے۔ لیکن کریں گے جب ہی کہ جب دل کو تسلی ہو جائے گی۔ ابھی تو تمہارے اوپر اطمینان نہیں۔ پھر حضرت نے فرمایا کہ اور کچھ کہنا ہو تو وہ بھی کہہ لو انہوں نے غالباً پھر کچھ بیعت ہی کے متعلق کہا جس کو احقر سن نہ سکا فرمایا کہ اور کچھ کہنا ہو تو کہہ لو اس کا جواب تو ہو گیا۔ انہوں نے غالباً کچھ تعلیم حاصل کرنی چاہی۔ فرمایا کہ وہ بات کہو جو خط سے نہ ہو سکے۔ یہ تو خط سے بھی ہو سکتی ہے خط میں لکھ بھیجیو۔ جو کچھ پڑھتے ہو۔ پھر جو مناسب ہو گا میں لکھ بھیجوں گا۔ مگر اول بار خط آئے تو اس میں یہ پرچہ جو تم نے آج مجھ کو دیا ہے ضرور رکھنا۔ پھر دوسرا خط جو بھیجو اس میں پہلا خط رکھ کر بھیجنا۔ ہر خط کے اندر پچھلا خط رکھدیا کرنا۔ آٹھ دس خطوط میں ایسا ہی کرنا۔ پھر ذہن میں بھی تمہاری صورت جم جائے گی بس پھر ضرورت نہیں۔ شروع کے آٹھ دس خطوط میں بلا اس طرح کئے یاد نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ میرے پاس سینکڑوں خطوط آتے ہیں۔ اور بہت سے کام رہتے ہیں کس کس کو یاد رکھ سکتا ہوں پھر فرمایا کہ اور کچھ بھی کہنا ہے۔ انہوں نے دعا کے لئے عرض کیا۔ فرمایا ہاں دعا سے کیا انکار ہے۔ لیکن نام لیکر خاص طور سے دعا کرنے کا وعدہ نہیں کرتا۔ کیونکہ کام بہت رہتے ہیں۔ یاد ہی نہیں رہتا۔ ویسے سب مسلمانوں کے لئے دعا کرتا ہوں۔ پھر فرمایا اور کوئی بات ہو تو کہہ دو۔ اس پر ان صاحب نے سکوت کیا۔ فرمایا کہ خاموش کیوں بیٹھے ہو۔ انہوں نے کسی ایسی بات کا اعادہ کیا جو پیشتر کہہ چکے تھے۔ فرمایا یہ تو کہہ چکے۔ اس کا میں جواب بھی دے چکا۔ کوئی نئی بات کہنا ہو تو کہو۔ اور اگر اور کچھ نہیں کہنا تو جاؤ۔ انہوں نے کہا کہ بس اور کچھ نہیں کہنا۔ فرمایا جاؤ لیکن یاد رکھو کہ کسی کو تکلیف نہیں دینا چاہیے۔ اس وقت تم نے مجھے سخت تکلیف پہنچائی۔ بھلا انصاف تو کرو مجھے کیا خبر تمہاری فرصت کی تمہارے حالات کی۔ تمہیں خود چاہیے تھا اپنے حالات دیکھ کر بتلانا کہ میں اتنے دن ٹھیر سکتا ہوں۔ یہ نہایت نامعقول جواب تھا کہ صاحب جتنا تم کہو۔ تم نے تکلیف بھی پہنچائی اور وقت بھی ضائع کیا۔ جس کے پاس دینی نفع حاصل کرنے جاتے ہیں اس سے تکلف نہیں کیا کرتے۔ سیدھی طرح مسلمانوں کی طرح باتیں کرنا چاہئیں

کافروں نے سکھلائے ہیں یہ تکلف اللہ رسول نے کہیں تکلف نہیں سکھلایا۔ اللہ رسول کے خلاف ہے یہ تکلف کہ دل میں تو تھے پانچ دن۔ اور زبان سے یوں کہہ دیا کہ جب تک آپ کہیں۔ کیا یہ مسلمانوں کی بات ہے۔ کیا یہی بتایا ہے اللہ رسول نے پھر حضرت نے پوچھا کہ بری بات تھی یا نہیں۔ سمجھ میں آیا یا نہیں۔ انہوں نے کہا واقعی بری بات تھی۔ پھر حضرت نے فرمایا کہ بس آئندہ کسی کے ساتھ ایسا ہرگز مت کرو جاؤ۔ پھر ادھر وہ صاحب اٹھے ادھر حضرت نے اٹھتے ہوئے فرمایا کہ خواہ مخواہ کے لئے سیدھا طریقہ کو چھوڑ کر الٹی ہی چال چلتے ہیں۔ جاہل پیروں نے ناس کیا ہے۔

ملفوظ (۲۶۵) مکاشفات کوکین

ایک عورت نے حضرت کی خدمت میں لکھا کہ میرا شوہر جب مجھے خواب میں دیکھتا ہے تو کسی غیر مرد کے ساتھ بات چیت کرتے۔ اس کے اوپر وہ خواہ مخواہ مجھ پر بدگمانی کرتا ہے حضرت نے فرمایا کہ کیا ٹھکانہ ہے بدگمانی کا آج کل بہت ہی کرنے لگے ہیں۔ پھر فرمایا کہ ایک شخص کوکین کھاتا تھا۔ اس کو بیداری میں اپنی عورت دوسرے مرد کے ساتھ دکھلائی دیا کرتی۔ وہ کہتا کہ میں تجھ کو کسی روز قتل کر دونگا۔ وہ عورت بیچاری سخت پریشان۔ مجھ سے کہا میں نے کہا کہ اس کے دماغ میں خرابی معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ وہ کوکین کھاتا ہے۔ میں نے کہا کہ کسی طرح اس سے کوکین چھڑا دی جائے۔ عورت نے پیچھے پڑ کر اس سے کوکین چھڑوا دی۔ جس دن سے اس نے کوکین کھانا چھوڑا اسی دن سے وہ بات جاتی رہی۔ وہ سارے مکاشفات کوکین کی برکت سے تھے۔ فرمایا کہ اس عورت کا خاوند بھی پست دماغ معلوم ہوتا ہے۔

ملفوظ (۲۶۶) رائے دینے کا نتیجہ۔ میری خوش خلقی بد خلقی کا سبب ہو جاتی ہے

ایک غریب نئے طالب علم کو حضرت نے امداد کے طور پر تیسیر المبتدی کی قیمت دینے کا ارادہ کیا، چونکہ حافظ جی تاجرانہ قیمت پر کتابیں دیتے ہیں اس لئے حضرت نے ارادہ خیر خواہی سے اس طالب علم کو مشورہ دیا کہ مطبع سے سستی قیمت میں کتاب مل جائے گی۔ وہاں سے خریدنا۔ اس طالب علم نے جا کر حافظ جی سے کہہ دیا کہ حضرت نے مطبع سے خریدنے کیلئے کہا ہے۔ حضرت کو

بھی احتمال ہو گیا تھا کہ کہیں یہ بات حافظ جی سے جا کر نہ کہہ دے اس لئے میاں نیاز سے کہا کہ اس کو واپس بلا لاؤ۔ لیکن وہ پہنچ چکا تھا۔ اور اس نے بلا ضرورت جاتے ہی حافظ جی سے وہی بات کہنا شروع کر دی تھی۔ حضرت کو بہت ناگوار ہوا۔ اس کو بہت ڈانٹا کہ میں نے تم سے یہ کہا تھا کہ تم جا کر یہ پیغام حافظ جی کو پہنچادو۔ حافظ جی سے کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ میں نے تمہاری خیر خواہی کیلئے مشورہ دیا تھا کہ بھائی غریب آدمی ہیں سستی کتاب مل جائے تم نے اس خیر خواہی کا یہ بدلہ دیا کیا تم میرا حافظ جی سے رنج کرانا چاہتے ہو۔ وہ سمجھیں گے کہ یہ خریداروں کو میرے یہاں آنے سے روکتا ہے۔ اس نے کہا غلطی ہوئی مجھے طریقہ نہیں معلوم تھا۔ فرمایا کہ یہ تو موٹی بات تھی اس میں طریقہ جاننے کی کیا حاجت تھی۔ پھر اس سے فرمایا کہ جاؤ اب ہم تمہاری مدد نہیں کرتے۔ پھر فرمایا کہ دیکھئے یہ رائے دینے کا نتیجہ ہے۔ رائے کا تو حاصل یہ ہے کہ تو ایسا کر پیام تو نہیں دیا جاتا کہ تو جا کر ایسا کہہ آ۔ اللہ توبہ طبیعتیں کیسی بھدی ہیں اس طرح محمد عمر سے میں نے کہا تھا کہ تمہیں قاری صاحب سے مشق کرنی کی ضرورت نہیں ہاں مخارج ٹھیک کرلو۔ آپ نے جا کر قاری صاحب سے کہہ دیا کہ اس نے یہ کہا ہے۔ کئی دن تک اس بات کا رنج رہا قاری صاحب کو کہ میری مشق کو ایسا سمجھا۔ اسی وجہ سے میں کسی کو رائے نہیں دیا کرتا کہ مخاطب ماشاء اللہ آج کل بہت صحیح المذاق اور صحیح الحس ہیں۔ یہ رائے دینے کا نتیجہ ہے۔ جب یہ پوچھا کہ حافظ جی سے جا کر کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ تو اس کا یہ جواب ملا کہ مجھے طریقہ نہیں معلوم تھا۔ بھلا اس میں طریقہ معلوم کرنے کی کیا ضرورت تھی کیا میرے یہاں کے کوئی خاص طریقے ہیں۔ یہ موٹی باتیں ہیں۔ کیا یہ باتیں مخصوص ہیں میرے ساتھ۔ یہ تو عام باتیں ہیں۔ لاحول ولا قوۃ۔ اب افسوس ہو رہا ہے کہ کیوں میں نے رائے دی تھی۔ میں تو ہمیشہ کہا کرتا ہوں کہ میری خوش خلقی سبب ہو جاتی ہے بد خلقی کا۔ اگر شروع ہی میں کہہ دیتا کہ اگر نہیں خرید سکتے تو خیر ہم کچھ مدد نہیں کر سکتے۔ اب خیر خواہی کرنے سے دو بد خلقیاں کرنی پڑیں۔ ایک تو کچھ مدد کا ارادہ تھا۔ وہ بدلنا پڑا دوسرے ڈانٹ ڈپٹ کی گئی۔ بے وجہ تکلیف ہوئی قلب کو۔ مجھے تو احتمال بھی نہیں ہوا۔ کہ وہاں جا کر کہہ دیگا ورنہ منع کر دیتا۔ اسکے بعد پھر اور ایک شخص کی معرفت اس طالب علم کو تیسیر المبتدی کی قیمت بھجوا دی۔

ملفوظ (۲۶۷) حضرت عائشہ صدیقہؓ کا رسول اللہ ﷺ سے خطاب

بحمد اللہ درس مثنوی پھر شروع ہو گیا ہے۔ دفتر چہارم ہو رہا ہے۔ یہ شعر آیا۔

تو چنین خواہد خدا خواہد چنیں   مے دہد حق آرزوئے متقیں

فرمایا کہ حدیث شریف میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کا رسول اللہ ﷺ سے خطاب منقول ہے ما اری ربک الا یسارع فی ہواک۔ یعنی میں دیکھتی ہوں کہ جو آپ کا جی چاہتا ہے وہی اللہ میاں بھی کہنے لگتے ہیں۔

ملفوظ (۲۶۸) بزرگوں کے پاس تلبیس نہیں رہ سکتی

دوران درس مثنوی میں فرمایا کہ تلبیس بزرگوں کے پاس نہیں رہ سکتی۔ اول تو تمیز ان کی بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ دوسرے ان کی برکت بھی ہوتی ہے۔ طالب کو بھی اکثر اوقات اپنا بھلا برا سب معمول ہو جاتا ہے کہ میں اپنے اندر کیا لئے ہوئے ہوں۔

ملفوظ (۲۶۹) قرآن مجید یاد رکھنے کے لئے عمل۔ کم حافظہ والے کو قرآن پاک حافظ نہ کرنا چاہیے :

ایک پختہ عمر کے دیہاتی طالب علم نے محض دعا کرانے کے لئے سفر کیا۔ انہوں نے شکایت کی کہ میں کلام مجید بھول بھول جاتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ یا علیم (۵۰ بار) بعد نماز فجر پڑھ کر قلب پر دم کر لیا کرو۔ پھر فرمایا کہ اس کیلئے سفر کی کیا ضرورت ہے خط لکھ دیتے میں دعا کر دیتا۔ بس اتنی ہی بات کے لئے اتنا وقت بھی صرف ہوا اور اتنا خرچ بھی پڑا۔ خط سے بھی دعا ہو سکتی تھی۔ پھر فرمایا کہ تم کوئی سورت سنا سکتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ بہت دن ہو گئے یاد کرتے لیکن کوئی سورت میں نہیں سنا سکتا۔ حضرت نے فرمایا کہ تمہیں کس نے حفظ شروع کرایا۔ اگر حافظہ اچھا نہ ہو تو حفظ نہیں کرنا چاہیے۔ اگر اتنے دن میں ایک سورت بھی اچھی طرح یاد نہیں کر سکے تو تم معذور ہو۔ چھوڑ دو حفظ کرنا کتابیں پڑھو۔ اردو کی مسئلہ مسائل کی۔ کیا ساری عمر یوں ہی ختم کر دو گے۔ فرض نہیں ہے حفظ کرنا۔ ہاں اگر یاد کر لیا ہو تو محفوظ رکھنا فرض ہے۔ اور اگر حفظ نہ ہوا ہو تو حفظ کرنا فرض نہیں۔ جب یاد ہی نہیں ہوتا تو چھوڑ دو دیکھ کر پڑھ لیا کرو۔ پھر شاید دیکھتے دیکھتے یاد بھی ہو جائے

کتابیں پڑھنا شروع کرو۔ آخر وہ بھی تو فرض ہیں۔ پھر کیا انہیں بڑھاپے میں پڑھو گے خدا نے یہ حکم نہیں دیا کہ مصیبت میں پڑھو۔

۴ ذیقعدہ ۱۳۵۰ھ

ملفوظ (۶۷۰) میرے یہاں کوئی مقرب نہیں۔ درس مثنوی کے وقت وارفتگی کا عالم

حضرت مثنوی شریف کا درس فرمارہے تھے پیچھے سے میاں نیاز ملازم نے ایک پرچہ حضرت کو دینا چاہا۔ لیکن چونکہ حضرت کی پشت تھی اس لئے انہوں نے ایک اور صاحب کو جو ایک پہلو میں بیٹھے حضرت کو پنکھا جھل رہے تھے وہ پرچہ دیا کہ حضرت کے سامنے پیش کر دیں۔ انہوں نے بلا کچھ کہے وہ پرچہ حضرت کے سامنے پیش کر دیا۔ جب حضرت نے اس پرچہ کو دیکھا تب ان صاحب نے مطلع کیا کہ میاں نیاز اس پرچہ کو لائے ہیں۔ حضرت میاں نیاز پر خفا ہوئے کہ خود سامنے آکر پرچہ کیوں نہیں دیا۔ مجھے اول یہی خیال ہوا کہ یہ (یعنی جنہوں نے پرچہ پیش کیا تھا) خود اپنے حال کا پرچہ دینا چاہتے ہیں مجھے نہایت ناگوار ہوا تھا۔ اور میں انہیں ڈانٹنے ہی والا تھا کہ یہ کونسا وقت پرچہ دینے کا نکالا ہے۔ میاں نیاز نے پشت ہونے کا عذر کیا۔ فرمایا کہ پشت کا تو خیال کیا اور یہ جو کچھ خلجان ہوا اس کا خیال نہ کیا۔ تم بہت تکلیف پہنچاتے ہو۔ بڑے بیوقوف ہو۔ پھر پنکھا جھلنے والے صاحب سے فرمایا کہ تمہیں سفیر بننے کی کیا ضرورت تھی۔ خواہ مخواہ اپنی طرف سے میرا دل خراب کیا بس جناب آپ زیادہ تقرب نہ جتلایا کیجئے۔ اس میں تمہارا ہی ضرر ہے۔ زیادہ مقرب بننے سے لوگوں کو حسد پیدا ہونے لگتا ہے۔ میرے یہاں کوئی مقرب نہیں۔ یہ میں نہیں کہتا کہ مجھے کسی سے خصوصیت نہیں۔ جس سے ہے۔ لیکن دل میں ہے۔ معاملات میں میں سب کے ساتھ یکساں ہوں۔ کوئی ناز نہ کرے کسی بات کا۔ کوئی مقرب نہ بنے۔ ہر شخص کو براہ راست چاہیے رکھنا معاملہ مجھ سے میرے یہاں سفیروں کے واسطہ کا قصہ نہیں۔ اس میں بڑی بڑی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں یعنی اول مجھے خلجان ہوا کہ انہوں نے (پنکھا جھلنے والے صاحب نے) خود اپنا پرچہ یہ دیا ہے۔ میں

کہنے ہی والا تھا کہ یہ کیاواہیات وقت نکالا ہے۔ پھر فرمایا یہ ضرر ہیں بے ضابطگیوں میں پھر پنکھا جھلنے والے صاحب سے فرمایا کہ اگر دینا تھا تو دیتے وقت یہ بھی کہنا چاہیے تھا کہ نیاز نے یہ پرچہ دیا۔ یہ فقرہ کس انتظار میں رکھ چھوڑا تھا۔ جب میں نے اوپر دیکھا اور سارا خلجان ہو چکا تب آپ کہتے ہیں کہ نیاز نے دیا ہے۔ جیسے ہی پرچہ پیش کیا تھا اسی وقت یہ کہہ دینا چاہیے تھا۔ اتنی گرانی ہوئی تمہاری اس بے ہودگی سے۔ خدا جانے عقلیں کہاں گئیں۔ سارے کے سارے عقلاء ہی جمع ہو رہے ہیں ماشاء اللہ۔ احقر عرض کرتا ہے کہ زیادہ وجہ خلجان کی یہ ہوئی کہ درس مثنوی شریف میں حرج واقع ہوا جو حضرت کو نہایت شاق ہوتا ہے۔ فرمایا کرتے ہیں کہ مثنوی شریف کے درس کے وقت مجھے دنیاو مافیہا کی خبر نہیں رہتی ایسی حالت میں اگر کوئی ذرا بھی گڑبڑ کرتا ہے تو نہایت شاق ہوتا ہے۔

ملفوظ (۶۷۱) ایک حدیث پر اشکال کا جواب

ایک صاحب نے اس حدیث پر کچھ اشکال کیا لن یشاد الدین احد الا غلبہ حضرت نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر امر میں فضیلت اور عزیمت پر عمل کرنا ممکن نہیں۔ جب کوئی اس کی کوشش کریگا ہمیشہ مغلوب رہیگا۔ خلاصہ یہ کہ زیادہ کاوش اور مبالغہ سے حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ گویا پریشانی سے بچایا ہے حضور ﷺ نے کیونکہ لوگ احاطہ کی کوشش کرتے اور احاطہ ممکن نہ تھا تو یہ پریشانی ہوتی کہ ہم فضیلت سے رہ گئے۔ تو حضور ﷺ نے فرما دیا کہ رہ گئے بلا سے رہ گئے اور راز اس میں یہ ہے کہ یہ فضیلت ہی نہیں ہے۔ یعنی جو ممکن الحصول نہ ہو اس میں فضیلت کہاں۔ پھر ہمارے حضرت نے فرمادیا کہ قرآن حدیث تو تصوف کے بعد پڑھے بلکہ بوستان بھی۔

ملفوظ (۶۷۲) میری عدم موجودگی میں بھی خانقاہ میں ٹھہرنا بہتر ہے

ایک صاحب ایک ماہ کے قیام کے ارادہ سے حاضر خدمت ہوئے۔ درمیان میں حضرت کا قصد کچھ دن کیلئے سفر میں جانے کا ہوا۔ ان صاحب کو بھی کچھ کام تھا۔ اس کے لئے انہوں نے حضرت کی غیبت میں دو ایک دن کے لئے اپنے مکان میں چلے جانے کی بابت عرض کیا۔ فرمایا کہ اگر ضرورت شدید نہ ہو اور وہ کام مؤخر ہو سکے تو میری غیبت میں بھی یہاں رہنا بہ نسبت مکان میں رہنے کے زیادہ منافع ہے۔ کیونکہ باہر جانے سے یکسوئی میں فرق آجائے گا۔ دوسرے یہ ہے کہ میرا جانا

روزانہ تھوڑا ہی ہوتا ہے مجھے خود اس کا بہت اہتمام ہے کہ جہاں تک ہو سکے یہیں رہوں۔ اور اگر مجبوراً کہیں جانا ہو تو جہاں تک جلد ممکن ہو واپس چلا آؤں۔ بہر حال خلاصہ یہ ہے کہ جب تک ضرورت شدید نہ ہو یہاں سے نہ جائیے۔ جتنا قیام یہاں ممکن ہو بہتر ہے۔ باقی کام یہاں زیادہ کرنا چاہیئے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ ایک تو معمول ایسا ہو کہ جو دوامی ہو اور یہاں سے جانے کے بعد دوسرے مقامات پر بھی جاری رہ سکے۔ اور ایک خصوصیت قیام کی بناء پر ہو۔ جو یہیں کے لئے خاص ہو کیونکہ یہاں زیادہ فرصت ہے۔ لیکن غیر محدود نہیں بلکہ اس کی بھی ایک حد ہونی چاہیے۔ میری تجویز کے موافق اب تک یہ صاحب علاوہ دوازدہ تسبیح کے بلا تعداد اسم ذات پڑھا کرتے تھے بارہ تسبیح جو معمول ہیں وہ تو رہنا ہی چاہیں۔ اگر کسی وقت شوق غالب ہو تو اسی کے اجزاء میں سے جس جزو میں زیادہ دلچسپی ہو اس کی زیادت کر لیا جائے۔ باقی اپنے ذمہ سمجھا جائے صرف بارہ تسبیح کو۔ البتہ دن میں قرآن مجید کی تلاوت کے بعد اسم ذات کا کوئی عدد معین کر لینا چاہیے۔ ایک تو ہمیشہ کے واسطے۔ اور وہ مختصر سا ہوگا۔ وہاں کے مشاغل دیکھ کر جب آپ یہاں سے جانے لگیں گے تب مقرر کر دیا جائے گا۔ باقی جب تک یہاں قیام ہے کچھ زیادہ مقدار میں معین کر لینا چاہیے۔ میرا اکثر معمول یہ ہے کہ بارہ ہزار تک بتلاتا ہوں خواہ ایک وقت میں یا دو مرتبہ کر کے لیکن دو مرتبہ سے زیادہ نہیں۔ یا تو چھ چھ ہزار مرتبہ ایک جلسہ میں تین ہزار دوسرے میں نو ہزار جس میں سہولت ہو۔ مطالعہ کتب کے متعلق فرمایا کہ میرے خیال میں اگر آپ یہاں رہتے رہتے تکشف دیکھ لیں تو مناسب ہے اس میں اس فن کے زیادہ مضامین ہیں۔ اور کار آمد باتیں ہیں۔ دعوات عبدیت وغیرہ دوسری جگہ بھی دیکھی جا سکتی ہیں تکشف کے مضامین یہاں رہ کر زیادہ سمجھ میں آئینگے۔ اول تو خود میری تقریروں سے حل ہوتے رہینگے۔ ورنہ خود ہی سمجھ میں آجائینگے۔ ظہر کے بعد سے میرے پاس بیٹھنا مفید ہوگا۔ بعد کو حضرت نے اسم ذات کی تعداد صرف چھ ہزار کر دی۔ تین تین ہزار دو جلسوں میں۔ کیونکہ ان صاحب کو بارہ ہزار دو جلسوں میں پورا کرتا گراں ہوتا تھا۔

ملفوظ (۶۷۳) ایک نووارد صاحب کو تلقین ذکر

ایک نووارد صاحب کو حضرت نے چھ تسبیح لا الٰہ الا اللہ کی بعد تہجد کے تعلیم فرمائیں یہ

بھی فرمادیا کہ اگر پچھلی رات اٹھنا دشوار ہو تو بعد عشاء قبل وتر تہجد کی نیت سے کچھ رکعتیں پڑھ لینا کافی ہے تعداد رکعتوں کی زیادہ تر آٹھ ہونی چاہیے۔ باقی کبھی شوق ہوا تو بارہ تک اور کبھی کسل ہوا تو چار رکعت تک۔ کئی دن بعد انہوں نے اپنا حال عرض کیا۔ دریافت فرمایا کہ کچھ تکان تو نہیں ہوتا انہوں نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا کہ اب چھ تسبیح اسم ذات دو ضربی کی لاالہ الا اللہ کی چھ تسبیحوں کے بعد اور بڑھالو۔ یعنی اللہ ، اللہ یہ ایک دانہ ہوا اور دن میں بعد نماز فجر بعد اور معمولات کے ۳ ہزار مرتبہ اسم ذات یک ضربی۔ ظہر کے بعد میرے پاس بیٹھنا مناسب ہے چلتے پھرتے استغفار خالی اوقات میں۔

ملفوظ (۴۷۶) محض دعاء کے لئے سفر ٹھیک نہیں : خوف خدا سے عاری کسان

ایک کاشتکار محض دعا کرانے کیلئے سفر کر کے حاضر خدمت ہوا۔ زمیندار نے اس سے اپنی زمین واپس لے لی تھی۔ اور یہ وعدہ کیا تھا کہ اس کے بدلہ میں ہم دوسری زمین کاشت کرنے کیلئے تم کو دیدینگے۔ لیکن اس نے زمین بھی لے لی اور دوسری زمین بھی نہ دی۔ حضرت نے فرمایا کہ دعا کے لئے سفر کیوں کیا۔ خط لکھ دیا ہوتا۔ اس نے عرض کیا کہ خطا ہوئی معاف کر دیجئے۔ اور دعا کر دیجئے۔ حضرت نے فرمایا کہ دعا سے مجھے انکار تو نہیں۔ میں تو یہ کہہ رہا ہوں کہ بے فائدہ وقت بھی صرف ہوا پیسہ بھی خرچ ہوا۔ سفر کرے آدمی تو دین کے واسطے کرے دنیا کے لئے کیا سفر کرے۔ اس نے عرض کیا کہ حضور کی زیارت بھی ہو گئی۔ فرمایا کہ حضور کی زیارت تو روتے ہی میں ہوئی۔ اصل غرض تو زمین ہی تھی۔ پھر حضرت نے اس سے پوچھا کہ اگر وہ دوسری زمین دینے کا وعدہ نہ کرتے تو تم زمین نہ چھوڑتے اس نے کہا کہ زمین پکی نہیں تھی کچی تھی۔ (یعنی غیر موروثی تھی) وہ تو چھوڑنی ہی پڑتی۔ فرمایا کہ اگر پکی ہوتی تو زمیندار کے کہنے سے بھی نہ چھوڑتے۔ اس نے کہا کہ ہاں اگر پکی ہوتی تو کاہے چھوڑتے اس پر حضرت نے فرمایا کہ افسوس تمہارے دل میں خدا کا خوف نہیں۔ بس اسی کا پھل ہے کہ تم کو زمین نہیں ملی تم نے اپنی طرف سے دغابازی کا ارادہ پختہ کر لیا تھا۔ لیکن بس نہیں تھا۔ کہ اس کی زمین نہ چھوڑتے بس اب ہم دعا نہیں کریں گے۔

۲ جمادی الاول ۱۳۳۵ ہجری

ملفوظ (۶۷۵) ''احکام شرعیہ میں مصالح عقلیہ بھی ہیں یا نہیں۔'' دونوں مذاہب کی خواب سے عجیب تطبیق :

فرمایا کہ آج رات کو خواب میں ایک مسئلہ کے متعلق حق تعالیٰ کی جانب سے ایک عجیب و غریب فیصلہ معلوم کرایا گیا وہ مسئلہ ایک مہتم بالشان مسئلہ ہے اور اس کا یہ فیصلہ معلوم ہونے کے بعد تو نہایت سہل اور قریب ہے لیکن کبھی ذہن میں نہ آیا تھا اب میں تمام شرائع پر نظر کرتا ہوں تو وہ فیصلہ سب پر نہایت سہولت کے ساتھ منطبق ہو جاتا ہے۔ قریب قریب رات بھر اسی کے متعلق خواب دیکھتا رہا صبح کو مبسوط طور پر ذہن میں مستحضر تھا۔ لیکن اس وقت اس کا خلاصہ یاد رہ گیا ہے۔ وہ مسئلہ یہ ہے کہ آیا احکام شرعیہ کے لئے کچھ مصالح عقلیہ بھی ہیں یا وہ محض تعبدی ہیں اس میں دو قول ہیں بعض علماء تو اس طرف گئے ہیں کہ احکام میں مصالح عقلیہ ہیں چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں احکام کے مصالح عقلیہ لکھے بھی ہیں۔ لیکن بعض کا یہ مسلک ہے کہ احکام سب تعبدی ہیں چونکہ ہم کو حکم ہے کہ ایسا کرو۔ اس لئے ہم کو باوجود مصالح عقلیہ نہ ہونے کے تعمیل کرنی چاہیے۔ فی مقدمہ حجۃ البالغہ ص ۳ قد یظن ان الاحکام الشرعیہ غیر متضمنۃ لشی من المصالح وانہ لیس بین الاعمال وبین ما جعل اللہ جزاء لہا مناسبۃ وان مثل التکلیف بالشرائع سید ارادان یختبر طاعۃ عبدہ فامرہ برفع حجر اولمس شجرۃ مما لا فائدۃ فیہ غیر الاختیار فلما اطاع او عصی جوزی بعملہ وہذا ظن فاسد تکذبہ السنۃ واجماع القرون المشہور لہا بالخیر الخ۔

شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کی بہت تردید کی ہے۔ کہ بعض لوگوں کو جو یہ خیال ہے کہ احکام شرعیہ میں بجز آزمائش و امتحان کے اور کوئی مصلحت نہیں ہے یہ غلط اور فاسد ہے کتاب اللہ اور احادیث نبویہ اور اجماع سلف اس کی تکذیب کرتے ہیں مگر حضرت مولانا دامت برکاتہم نے فرمایا کہ میرے خیال میں اس کا قائل کا قول غلط مشہور ہو گیا کیونکہ جو شخص مسلمان ہو گا۔ اور حق تعالیٰ شانہ کو حکیم مانتا ہو گا۔ وہ احکام شرعیہ کو حکمتوں سے خالی کیونکر مان سکتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ ان صاحب کا مطلب یہ ہو گا کہ احکام شرعیہ میں گو مصالح ہیں مگر ہماری

سمجھ میں نہیں آتی۔ اور ان کے مقابلین کا مطلب یہ ہے کہ احکام کی مصالح عقلیہ ہماری سمجھ میں آتی ہیں اس خواب میں جو فیصلہ بتایا گیا ہے وہ ان دونوں اقوال کی تصویب کرتا ہے کہ یہ بھی کہنا صحیح ہے کہ احکام کی مصالح عقلیہ سمجھ میں نہیں آتیں مگر سب ایسے نہیں بلکہ ایسے صرف احکام جزئیہ ہیں اور یہ بھی صحیح ہے کہ احکام کی مصالح عقلیہ سمجھ میں آتی ہیں مگر سب کی یہ شان نہیں بلکہ احکام کلیہ کی مصالح سمجھ میں آسکتی ہیں اور وہ بہت واضح ہوتے ہیں جو فیصلہ مجھ کو معلوم کرایا گیا ہے اس سے ان دونوں قولوں میں تطبیق ہو جاتی ہے۔ اور اس خواب میں خیال کا بھی احتمال نہیں میرا ذہن اس سے بالکل خالی تھا اور اس مبحث پر میں نے جو رسالہ لکھا ہے۔ المصالح العقلیہ للاحکام النقلیہ اس کو لکھے ہوئے بھی بہت دن ہو گئے غرض یہ مسئلہ آج کل میرے ذہن میں بالکل بھی نہ تھا۔ یہ محض حق تعالیٰ کا فضل تھا کہ خواب میں اس کی تحقیق فرما دی گئی اس فیصلہ کی تقریر یہ ہے کہ احکام دو قسم کے ہیں ایک تو کلیات اور ایک جزئیات۔ جو احکام کلی ہیں ان کے مصالح تو عقل سے معلوم ہو سکتے ہیں کیونکہ وہ کھلے کھلے ہوتے ہیں مثلاً یہ حکم ہے کہ ہمیشہ سچ بولو جھوٹ کبھی نہ بولو۔ اس کی مصلحتیں ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔ کیونکہ وہ عقل کے بالکل قریب ہیں۔ لیکن جو احکام جزئی ہیں ان کے مصالح عقل اور قیاس سے نہیں معلوم ہو سکتے۔ مثلاً ظہر کی چار رکعتیں کیوں ہیں۔ یا مثلاً پہلے رکوع کیوں ہے پھر سجدہ کیوں ہے۔ سو ایسے احکام میں رائے اور قیاس کو ذرا دخل نہیں محض عقل ان کے مصالح کے ادراک کیلئے ہرگز کافی نہیں بلکہ اس کے لئے قوت قدسیہ کی ضرورت ہے۔ البتہ احکام کلی کے مصالح چونکہ بہت واضح ہوتے ہیں اور عقل سے معلوم ہو سکتے ہیں اس لئے ان کے ادراک میں رائے اور قیاس کو دخل ہے۔ اس کی دو مثالیں بھی عجیب خواب ہی میں بتلائی گئیں۔ احکام کلی کی مثال یہ دی گئی کہ اگر کوئی یہ کہے کہ ہر روز صبح ایک دو میل ٹہل آیا کرو۔ چونکہ یہ حکم کلی ہے اور اس میں کوئی قید یا تعین مشرق یا مغرب وغیرہ کی نہیں ہے۔ اس لئے عقل سے اسکی مصلحت معلوم کر لینا بہت آسان ہے یعنی ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔ کہ اس سے مقصود تفریح ہے سو خواہ مشرق کی طرف جائے یا مغرب کی طرف مقصود بہر حال تفریح ہے۔ لہٰذا اپنی رائے سے سمت وغیرہ کی تعیین کرنے کی بھی اجازت ہے بر خلاف اس کے اگر کوئی بالتعیین یہ کہہ دے کہ فلاں شخص کو کپڑا پہنائے اور یوں سمجھے کہ مقصود تو نفع پہنچانا ہے۔ وہ ہر صورت میں حاصل ہے سو یہ محض رائے سے ہرگز جائز نہیں

بلکہ اگر کپڑا پہنانے کے لئے کہا گیا ہو تو کپڑا ہی پہنائے اور اگر کھانا کھلانے کے لئے کہا گیا تو کھانا ہی کھلائے اس تعیین کے بعد اپنی رائے سے کوئی دوسری صورت قرار دے لینا جائز نہیں۔ بظاہر اس مثال پر ایک اشکال پڑتا ہے کہ فقہاء تو بعض جزئیات میں بعد تعیین کے پھر عقل سے کام لیتے ہیں مثلاً زکوۃ میں حکم شرعی یہ ہے کہ بیس مثقال سونے میں نصف مثقال سونا دیا جائے اور دو سو درہم چاندی میں پانچ درہم چاندی اور چالیس بکریوں میں ایک بکری اور پانچ اونٹوں میں ایک اونٹ یا کفارات میں اطعام ستیس مساکین وغیرہ اور امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں صاحب زکوۃ و کفارہ کو اختیار ہے چاہے منصوص علیہ ادا کر دے یا اس کی قیمت تو امام صاحبؒ نے بعد تعیین کے پھر بھی عقل سے کام لیا۔ اس کا جواب یہ فرمایا کہ امام صاحب محض عقل غیر مستند الی النص سے یہ بات نہیں فرماتے بلکہ اس بارہ میں ان کے پاس دلیل نص ہے جس کی طرف قیاس مستند ہے مثلاً نماز کا بالتعیین حکم ہے تو اس کی مصلحت اپنی عقل سے یہ قرار دے کر کہ مقصود حق تعالیٰ کی یاد ہے۔ کوئی اور طریقہ یاد کا اپنی رائے سے تجویز کر لینا ہرگز جائز نہیں ہو سکتا جیسا کہ بعض جاہل صوفیہ کہتے ہیں کہ نماز کی ضرورت نہیں حق تعالیٰ کی یاد چاہیے خواہ کسی طریقہ سے ہو کیونکہ مقصود نماز سے یہی ہے تو خلاصہ فیصلہ کی تقریر کا یہ نکلا کہ جن احکام میں قیود اور خصوصیات زیادہ ہوں گے۔ ان کے مصالح اکثر غامض ہوں گے۔ اور ان کے ادراک کیلئے عقل کافی نہیں ان کے معلوم کرنے کیلئے قوت قدسیہ کی ضرورت ہے بر خلاف اسکے جن احکام میں کلیت اور اطلاق کی شان غالب ہے۔ ان کے مصالح عقلیہ بہت واضح ہوتے ہیں یہاں تک کہ عوام کے بھی ذہن میں وہ آجاتے ہیں پھر فرمایا کہ میری رائے میں اس فیصلہ سے دونوں قولوں میں تطبیق ہوتی ہے

کیونکہ جو لوگ شرائع میں مصالح عقلیہ نہیں بتلاتے اس سے ان کا یہی مطلب معلوم ہوتا ہے۔ کہ مصالح عقلیہ سمجھ میں نہیں آسکتے۔ ورنہ یہ تو موٹی بات ہے کہ خدا تعالیٰ جو کہ حکیم ہیں ان کے احکام میں یہ کیونکر ہو سکتا کہ مصالح عقلیہ نہ ہوں اور کونسا وہ مسلمان ہے جو یہ عقیدہ رکھتا ہو لہذا ضرور ان کے قول نقل کرنے میں غلطی ہوئی ان کا مطلب یہی معلوم ہوتا ہے کہ جن کے احکام میں قیود اور خصوصیات زیادہ ہیں اور جن میں جزئیت کی شان غالب ہے ان کی مصالح بوجہ غامض ہونے کے سمجھ میں نہیں آتے دوسرے وہ لوگ ہیں جو شرائع میں مصالح عقل سے سمجھ میں آجاتے

ہیں مثلاً یہ حکم ہے کہ عبادت کرو یا سچ بولو۔ واقعی اس کی مصلحت ہر شخص سمجھ سکتا ہے اور اگر یہ حکم ہو کہ فلاں موقعہ پر جھوٹ بولو اس کی مصلحت ہر شخص کی سمجھ میں نہیں آسکتی یا مثلاً وضو میں چار مواضع کا دھونا فرض ہے۔ ظہر میں چار رکعتیں پڑھنی چاہئیں پہلے قیام ہو پھر رکوع پھر سجود یا مثلاً چالیس واں حصہ زکوٰۃ کا ادا کرو ان احکام کی حکمتیں عقل سے سمجھ میں نہیں آتیں۔ اس خواب سے یہ اصول مستنبط ہوا کہ جس حکم میں جتنی قیود اور خصوصیات زیادہ ہوں گے۔ اتنی ہی اس کی مصلحتیں غامض ہوں گے اور سمجھ میں کم آئینگی اور جتنی اطلاق اور کلیت کی شان ہو گی اتنی ہی اس حکم کی مصلحتیں آسانی کے ساتھ سمجھ میں آسکیں گی پھر فرمایا کہ رات مجھے خوب چین اور سکون کے ساتھ نیند آئی تھی اور جس وقت اٹھا ہوں طبیعت ہشاش بشاش تھی اس لئے بد خوابی کا بھی شبہ نہیں ہو سکتا۔ رات بھر میں یہی دیکھتا رہا اگر صبح ہی اٹھ کر میں لکھ لیتا تو اچھا ہوتا کیونکہ اس وقت سب تفصیل یاد تھی۔ لیکن چونکہ میرا حافظہ اچھا نہیں رہا اس لئے صرف خلاصہ یاد رہ گیا ہے۔ لیکن جو کچھ میں نے بیان کیا ہے وہ بہت احتیاط کے ساتھ بیان کیا ہے اور بہت کم بیان کیا ہے۔ احقر اس کو بوجہ اضمحلال طبیعت کے بہت سست اور آہستہ آہستہ قریب قریب دن بھر لکھتا رہا اس پر ہنس کر بطور مزاح کے فرمایا کہ میری تو رات بھر اس میں گزری آپ کا دن بھر اس میں گذر گیا اب تو میرے اس کہنے کی تصدیق ہو گئی کہ میری رات بھر اسی میں گزری۔